الفضل کے اداریہ جات

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیاستِ حاضرہ

اِس وقت مُلک میں سیاست کا دور دورہ ہے۔ ’’ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا‘‘ کے ہندوستانی نعرہ کی جگہ اب برطانوی حُکّام یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ہندوستان کو آزادی دے کر رہیں گے لیکن ہندوستانی ہیں کہ آزادی لینے کا نام نہیں لیتے۔ ہر اک انگریزوں کی طرف دیکھ کر آنکھیں مار رہا ہے کہ میرے دوست یہ خمرلطیف میری جھولی میں پھینکو۔ ہندوؤں کے ظلموں کو دیکھ کر مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا غرض یہ تھی کہ اگر ایک حصۂ مُلک میں ہندو ثقافت کو ترقی کا موقع ملے تو دوسرے میں مسلمان بھی اپنے دل کا جوش نکال لیں۔ پہلے تو اس نعرہ پاکستان کا مقابلہ کانگرس نے اکھنڈ ہندوستان کے ریزولیوشنوں سے کیا لیکن جب دیکھا کہ مسلمانوں کی دلیلیں غیر جانبدار طبقہ پر اثر کر رہی ہیں تو پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا جو اکھنڈ ہندوستان کیلئے جان دے رہے تھے۔ اب کھنڈے ہوئے پنجاب اور بنگال کیلئے بے تاب نظر آتے ہیں۔ گاندھی جی کبھی کبھی اکھنڈ ہندوستان کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن دو دلی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آنکھ سے ایک طرف دیکھتے ہیں تو دوسری سے دوسری طرف۔ اگر اکھنڈ کی آواز میں ہندو جاتی کا زیادہ فائدہ نظر آیا تو وہ اس پر زور دے دیں گے اور اگر کھنڈے ہوئے پنجاب اور بنگال میں ہندو برادری کی جھولی بھری گئی تو وہ اسی کی تائید کر دیں گے۔ بہر حال ان کی حالت اب تک گومگو کی سی ہے باقی کانگرس فیصلہ کر چکی ہے کہ پاکستان کا ہوّا تجویز کرنے والوں کیلئے تقسیم بنگال اور تقسیم پنجاب کے دو ہوّے پیش کر دیئے جائیں کہ مسلمان ڈر کر لوٹ آئیں۔

اب مسلمان گومگو کی حالت میں ہے پنجاب کے اکثر مسلمان تو آنکھیں بند کر کے نعرے لگا رہے ہیں کہ ہم پنجاب کو تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ بنگال والے ذرا غیر فوجی واقع ہوئے ہیں انہوں نے تو جھٹ سرت بوس اور ان کے ساتھیوں کی دست بوسی شروع کر دی ہے اور ایک

بنگال اور آزاد بنگال کی دو کا کلوں[۱] سے ہندوؤں کو بظاہر شکار کرنا شروع کر دیا ہے مگر حقیقت میں خود شکار ہو رہے ہیں اور کشتی کو منجدھار[۲] میں ڈبونے کے لئے تیار ہیں۔ مسلمانوں پر اللہ ہی رحم کرے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ اس تقسیم کا سوال اُٹھایا ہی کیوں گیا تھا۔ تقسیم ہند کے مطالبہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ مُلک کے ایک حصہ میں جہاں مسلمان زیادہ ہیں مسلمانوں کو اپنی تہذیب کے قوانین کے مطابق بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع مل جائے۔ بے شک جو مسلمان ہندو اکثریت کے صوبوں میں رہ جاتے تھے اُنہیں یہ کہہ کر تسلی دلائی جاتی تھی کہ چونکہ اسلامی علاقوں میں ہندو بھی موجود ہونگے اس لئے ان کے خیال سے آپ لوگوں کو ہندو تکلیف نہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں کچھ علاقہ میں مسلمان اپنی مخصوص تہذیب اور قومیت کی بناء پر ترقی کر سکیں قطع نظر اس کے کہ کس قدر حصہ مُلک کا مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ یہ مقصد ہر ایک ایسی اسلامی حکومت کے ذریعہ سے پورا ہو سکتا ہے جو اپنی ذات میں اپنی خود مختارانہ حیثیت کو قائم رکھ سکے۔ پس یہ بحث اصل مدعا سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی کہ پنجاب کا کتنا حصہ اسلامی حکومت میں آنا چاہئے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کتنا حصہ اسلامی حکومت میں آ سکتا ہے اور جو آ سکتا ہے کیا وہ ایک آزاد اور خود مختار حیثیت سے اپنے آپ کو قائم رکھ سکتا ہے؟

سکھوں، ہندوؤں کا یہ مطالبہ ہے کہ جس حصہ میں وہ زیادہ ہیں وہ حصہ باقی پنجاب سے الگ کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ اُن کا اِس لئے نہیں کہ وہ پنجاب کے اِس حصہ میں الگ حکومت چاہتے ہیں۔ یہ مطالبہ اِس لئے ہے کہ تا اِس مطالبہ سے ڈر کر مسلمان ہندوستان سے الگ ہونے کا مطالبہ ترک کر دیں گو یہ مطالبہ اصولی طور پر درست نہیں۔ مسلمانوں کا مطالبہ پنجاب بنگال وغیرہ صوبوں میں علیحدہ حکومت قائم کرنے کا اِس دلیل پر نہ تھا کہ ان کے ہر حصہ میں مسلمان زیادہ ہیں بلکہ اِس مطالبہ کی بنیاد یہ تھی کہ اگر سارے ہندوستان میں ہندو تہذیب، ہندو زبان، ہندو تمدن کے بڑھنے کے مواقع پیدا کئے جائیں گے تو ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلمانوں کے تمدن اور اِن کی زبان اور اِن کی تہذیب کے بڑھنے کا بھی موقع پیدا ہونا چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا یہ مطالبہ غلط ہے تو تقسیم ہندوستان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ان کے اس

مطالبہ کو صحیح تسلیم کر کے ہندوستان کا تقسیم کا فیصلہ کیا جائے تو تقسیم بنگال یا تقسیم پنجاب کا سوال خارج از بحث ہو جاتا ہے مگر یہ بات کون سمجھائے اور کس کو سمجھائے ۔ یہاں تو جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا معاملہ ہے بلکہ آجکل تو لاٹھی بھی اُسی کے ہاتھ میں جس کے ہاتھ میں بھینس ۔ مسلمان کی کھوپری لاٹھی کے لئے وقف ہے اور اس کا پیٹ بھینس کے سینگوں کیلئے ۔

اِس وقت دنیا یا کہو برطانیہ سکھ ہندو کے مطالبہ کو اس نظر سے دیکھ رہی ہے کہ جہاں سکھوں، ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں انہیں کیوں آزاد نہ کیا جائے میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ یہ دلیل غلط ہے لیکن ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ سرِ دست انگریز نے کرنا ہے ۔ میں نے یا آپ نے نہیں کرنا بعد میں طاقت پکڑ کر کوئی قوم تبدیلی کرے تو کر لے ۔ سرِ دست تو کفگیر[۳] انگیریز کے ہاتھ میں ہے اور کاسۂ گدائی ہندوستانی کے ۔ اگر تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کا یہ نیا فلسفہ انگریز کی سمجھ میں آ گیا ہے، خواہ غلط طور پر ہی آیا ہو تو اس کا علاج ''میں نہ مانوں'' سے نہ ہو سکے گا اس کا علاج تدبیر سے ہی ہوگا اور وہ تدبیر کم سے کم پنجاب کی تقسیم کے متعلق موجود ہے ۔

پنجاب کی تقسیم کا خیال انگریز کو ہندو کی وجہ سے نہیں بلکہ سکھ کی وجہ سے ہے ۔ ہندو اس وقت سکھوں کو آگے کر کے اپنا کام نکال رہا ہے اور سکھوں کو جو نقصان تقسیم پنجاب کی وجہ سے ہوگا اس کا یہ علاج بتا رہا ہے کہ مرکزی پنجاب میں اسے ایک نیم آزاد حکومت مل جائے گی ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وسطی پنجاب میں سکھ دوسرے علاقوں سے زیادہ ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی وہ ساری قوموں سے زیادہ نہیں اس لئے یہ دعوے اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتے لیکن حکومت کی لالچ بُری شَے ہے ۔ یہ سوچنے سے انسان کو عاری کر دیتی ہے اور اس وقت سکھ بھی اس خیالی پلاؤ کے فریب میں آ کر چٹخارے مار رہے ہیں ۔ انگریز کہتا ہے کہ اگر میں مسلمان کا مطالبہ مانوں تو ہندو سکھ کا کیوں نہ مانوں ۔ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسی دلیل پیش کرے جسے غیر جانبدار لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور آبادی کی زیادتی وجہ تقسیم نہ قرار پائے ۔ ہمارے اتنا کہہ دینے سے کہ ہم تقسیم نہ ہونے دیں گے کچھ نہ بنے گا ۔ صرف عقلمندانہ تدبیر ہی اس جگہ کام دے سکتی ہے اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ہم مطالبہ کریں کہ اوّل تو ہم تقسیم کے قائل ہی نہیں ۔ ہمارا پنجاب کی علیحدگی کا مطالبہ صرف اکثریت کی بناء پر نہ تھا بلکہ اس کی بناء اور امور پر تھی لیکن اگر

انگریز اس امر کو نہیں مانتا تو پھر ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ لاہور، ملتان، راولپنڈی کی کمشنریاں اسلامی حکومت میں رہنی چاہئیں۔ اس کا جواب سکھ یہ دیں گے کہ امرتسر میں سکھوں کی زیادتی ہے اس لئے امرتسر کا علاقہ ہندو علاقہ میں جانا چاہیئے۔ اگر وہ اس دلیل پر زور دیں تو ہمیں اسے بھی مان لینا چاہیئے مگر یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ اس دلیل کے مطابق تحصیل اجنالہ، تحصیل فیروز پور، تحصیل زیرہ، تحصیل جالندھر، تحصیل نکودر مسلمان علاقہ میں ملانی چاہئیں۔ اِسی طرح چونکہ تحصیل ہوشیار پور اور تحصیل دسوہہ میں ہندوؤں اور سکھوں سے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے ان کو بھی اسلامی علاقہ میں ملانا چاہیئے۔ اگر ہندو، سکھ دعویٰ کریں کہ ان علاقوں کی اچھوت آبادی ان کے ساتھ ہے تو ان کی رائے شماری کر لی جائے۔ بظاہر رائے شماری پر اچھوت سب کے سب یا نصف تو ضرور مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو مغربی پنجاب کے ساتھ اجنالہ، فیروز پور، زیرہ، جالندھر، نکودر، ہوشیار پور اور دسوہہ کو بھی ملانا ہوگا۔ جس کے یہ معنی ہوں گے کہ چھ سکھ ضلعوں میں سے گورداسپور تو پہلے ہی مسلم اکثریت کی وجہ سے نکل چکا ہوگا۔ باقی پانچ میں سے قریباً دو ضلعے اس تدبیر سے نکل جائیں گے اور تین ضلع صرف سکھوں کے لئے رہ جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک میں سوائے لدھیانہ کے اسلامی حکومت کا علاقہ گھسا ہوا ہوگا۔ سکھ کسی صورت میں اسے قبول نہیں کریں گے۔ پس سکھوں کی سیاسی حالت یہ رہ جائے گی کہ وہ ضلع امرتسر کو چھوڑ دیں یا امرتسر کی دو تحصیلوں کے بدلہ میں اپنے علاقہ کی چھ تحصیلیں چھوڑ دیں۔ یہ دونوں صورتیں سکھوں کی اس خواب کو پریشان کر دیتی ہیں جو اِس وقت ہندو مسمریزم انہیں دکھا رہا ہے۔ اوّل تو وہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو بھی نہیں مان سکتے۔ اگر مانیں گے تو ایک دو سال میں ہی پھر مغربی ہندوستان میں ملنے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہو جائے گی اور ہندو سکھ اتحاد کی قلعی ان پر کھل جائے گی۔ یہ تدبیر مسلمانوں کی ایسی ہوگی کہ انگریز عقلاً اسے ردّ نہیں کر سکے گا نہ دوسرا فریق اِس کو قبول کر سکے گا۔ پس سکھ جلد ہی اِس بات کو سمجھ جائیں گے کہ اُن کا فائدہ مسلمانوں سے ملنے میں ہے جن کے مُلک میں وہ چودہ فی صدی ہیں نہ کہ ہندوؤں کے ساتھ ملنے میں جن کے علاقہ میں وہ ایک فی صدی ہیں اور یہ تبدیلی رائے ان کے آپس کے اختلاف کو دور کر کے باہمی دوستی کے سامان پیدا کر دے گی۔ (الفضل قادیان ۲ رجون ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قومیں اخلاق سے بنتی ہیں

مسلمانوں کو اِس وقت اخلاق کی سخت ضرورت ہے

پاکستان اور ہندوستان کی دو الگ الگ گورنمنٹیں بننے پر سابق نظامِ حکومت چونکہ درہم برہم ہوگیا اس لئے ہر چیز کو اُٹھا کر نئے سرے سے دوسری جگہ رکھا جارہا ہے۔ ہندو چونکہ پہلے سے ملازمتوں میں زیادہ تھے ہندوستان یونین کے محکموں میں اتنی ابتری پیدا نہیں ہوئی لیکن پاکستان گورنمنٹ کے محکموں میں بہت زیادہ ابتری پیدا ہوگئی ہے اس لئے کہ ہر محکمہ کے لئے کافی آدمی مہیا نہیں ہورہے اور اس وجہ سے جس کام کے لئے دس آدمی چاہئیں پانچ میسر آتے ہیں۔ یہ خرابی اِس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ابھی بہت سے مسلمان ملازم مشرقی پنجاب اور باقی ہندوستان میں رُکے پڑے ہیں۔ اُن کو ابھی تک مشرقی یا مغربی پاکستان میں پہنچایا نہیں جا سکا۔ اگر وہ آ بھی جائیں تب بھی پاکستان کے تجربہ کار کارکنوں میں بہت بڑی کمی رہ جائے گی لیکن ان کے نہ پہنچنے کی وجہ سے تو بہت زیادہ کمی واقعہ ہوگئی ہے اِس کا علاج حکومت کے پاس کوئی نہیں۔ اس کا علاج خود مسلمان ملازموں کے ہاتھ میں ہے۔ آج ہر مسلمان کو چھ گھنٹے کی بجائے دس یا بارہ گھنٹے دفتر میں کام کرنا چاہئے اور ایک ایک منٹ کو ضائع ہونے سے بچانا چاہئے لیکن مختلف دفاتر سے جو شکایتیں ہمیں پہنچ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس محکمہ میں دس آدمیوں کی ضرورت ہے اور وہاں پانچ کام کررہے ہیں وہ پانچ آدمی بجائے دس یا بارہ کا کام کرنے کے اپنا سارا دن ان شکایتوں میں ضائع کردیتے ہیں کہ ہم پانچ آدمی دس کا کام کس طرح کریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کام پانچ کا بھی نہیں ہوتا۔ صفر کے برابر رہ جاتا ہے اس مرض کو جلد سے جلد دور کرنا چاہئے۔ ہر پاکستانی ملازم کو سمجھنا چاہئے کہ حکومت کا استحکام اس کی

کوششوں پر منحصر ہے۔ ہر پاکستانی ملازم کو یہ محسوس ہونا چاہئے کہ وہ پاکستانی عمارت کا ایک ستون ہے جس کی کمزوری سے عمارت میں کمزوری واقع ہو جائے گی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہر پاکستانی ملازم کو یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ پاکستانی حکومت کو قائم کرنے کی ذمہ داری صرف اُس پر ہے اور وہ اِس کے لئے خدا اور اُس کے رسول کے سامنے جواب دہ ہے۔ جب یہ روح پاکستانی ملازموں میں پیدا ہو جائے گی تو یقیناً اس بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو کنارے تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پاکستان کے ملازموں پر دو ذمہ داریاں ہیں ایک اچھے شہری کی ذمہ داری جو یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، انگلستان، روس اور دوسری مہذب گورنمنٹوں کے شہری ادا کر رہے ہیں اور ایک ملت اسلامیہ کی ذمہ داری جو ایک اچھے شہری کی ذمہ داری کے علاوہ ہے۔ ایک یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کا شہری جو روز خرچ کرتا ہے صرف اس لئے خرچ کرتا ہے کہ اس کی حکومت مضبوط ہو جائے اور باعزت زندگی بسر کر سکے۔ ایک انگلستان کا شہری یا ایک روس کا شہری جتنا زور اپنی حکومت کے استحکام میں لگاتا ہے وہ صرف اس کے اچھے شہری کی ذمہ داری تک محدود ہوتا ہے لیکن پاکستان کے ہر شہری پر اور اس کے ہر کارکن پر دو ذمہ داریاں ہیں اس نے اپنی حکومت کو بھی مضبوط کرنا ہے اور اس نے اسلام کے بچے کھچے آثار کو بھی محفوظ رکھنا ہے۔ پس یورپ اور امریکہ کے اچھے شہریوں کی نسبت اس کی ذمہ داریاں دُگنی ہیں اور اس کو یورپ اور امریکہ کے اچھے شہریوں سے بھی دُگنی محنت کرنی چاہئے۔ اگر اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا گیا تو آنے والے خطرات کا مقابلہ پاکستان نہیں کر سکے گا لیکن اگر ان ذمہ داریوں کا احساس کیا گیا تو یقیناً پاکستان محفوظ رہے گا اور وہ طاقت پکڑتا چلا جائے گا۔

ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہمارا مُلک انگلستان سے بہت بڑا ہے اور صرف مشرقی پاکستان کی آبادی انگلستان کی آبادی کے قریباً برابر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پچھلے دوسَو سال میں انگلستان نے جو شوکت حاصل کی وہ صرف مشرقی پاکستان کے افراد کی بدولت پاکستان حاصل نہ کر سکے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری پاکستان کے کارکنوں پر ہوگی اور صرف اس وجہ سے اس میں ناکامی ہوگی کہ انہوں نے اپنے فرائض کو پوری طرح ادا نہ کیا۔ آج پاکستان کے ہر کلرک، ہر منشی، ہر چپڑاسی، ہر افسر، ہر ماتحت کو اپنے سابقہ احساسات دل

سے یکدم نکال دینے چاہئیں۔ پہلے وہ کلرک تھا، منشی تھا، چپڑاسی تھا، دفتری تھا، افسر تھا یا ماتحت تھا اب وہ ایک عظیم الشان آزاد حکومت کا بانی ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ ایک ایسی عمارت تیار کر سکتا ہے جو تاج محل سے بھی زیادہ شاندار ہو۔ اِس کی قربانیاں اگر انسانوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں گی تو خدا تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہیں گی۔ انگلستان، فرانس اور امریکہ نے گزشتہ جنگوں میں اپنے سپاہیوں کا حوصلہ صرف اس تدبیر سے بڑھا دیا کہ جنگ کے بعد ایک غیر معروف سپاہی کی لاش کو ایک قومی یادگار کا رُتبہ دے دیا جائے گا۔ ایک غیر معروف سپاہی کی یادگار بنانے کا اعلان اگر سارے سپاہیوں میں ایک زندگی کی روح پیدا کر سکتا ہے اور موت کو ان کی آنکھوں میں حقیر بنا کر دکھا سکتا ہے تو کیا پاکستان کا ہر کارکن اپنے نفس کو یہ کہہ کر بلند نہیں کر سکتا کہ میرا کام خواہ دنیا کی نظروں میں نہ آئے لیکن میرے کام کی وجہ سے جب پاکستان کی بنیادیں مضبوط ہو جائیں گی تو یقیناً میرا کام قیامت تک مسلمانوں کی نظروں میں رہے گا اور خواہ وہ میرا نام نہ جانتے ہوں مگر ہر کامیابی کے موقع پر اُن کے دلوں میں یہ دعا نکلے گی کہ خدا اس کا بھلا کرے جس نے پاکستان کی بنیادوں کو مضبوط کیا تھا۔

پس اے عزیزو! اپنے وقت کو رائیگاں ہونے سے بچاؤ، لغو بحثیں اور فضول گفتگوئیں دوسروں پر چھوڑ دو۔ ہر دفتر کو مضبوط بنا دو ایسا مضبوط کہ آج کا کوئی کام کل پر نہ پڑے بلکہ کل کا کام بھی آج ہی کیا جائے۔ نظام کو توڑنے کی بجائے اُس کو مضبوط کرو کہ کوئی دفتر نظام کے بغیر چل نہیں سکتا۔ نظام شکایتوں سے نہیں بنا کرے، قربانیوں سے بنا کرتے ہیں۔ اگر کوئی افسر تمہاری حق تلفی کرے گا تو تمہاری نظام کی پابندی خود اس کی بددیانتی کو آشکارا کر دے گی اور تمہارے اچھا کام کرنے سے بُرا کام کرنے والے افسروں کی حقیقت آپ دنیا پر روشن ہو جائے گی۔ نیکی آخر دنیا میں غالب آتی ہے، قربانی آخر لوگوں کی توجہ کو کھینچ لیتی ہے۔ اگر ماتحت عملہ دیانتداری پر قائم ہو جائے گا تو افسر بھی دیانتداری پر مجبور ہو جائے گا۔ بددیانت افسر بددیانت ماتحتوں کے ذریعہ سے ہی حکومت کرتے ہیں۔ اگر ماتحت دیانتدار ہو جائیں تو بددیانت افسر یا اپنا روّیہ بدلنے پر مجبور ہو جاتا ہے یا پھر ذلیل ہو کر نکل جاتا ہے۔ مگر یہ طریق بھی غلط ہے کہ افسر کو ہمیشہ ذلیل سمجھا جائے۔ دیانتدار عنصر ہر گروہ اور ہر گروپ میں ملتا ہے۔

پس جہاں دیانتداری پائی جائے اس کی قدر کرو اور صرف کسی شخص کے دوسرے گروپ میں شامل ہونے کی وجہ سے اس کی حقارت نہ کرو، اس کے کام کی تذلیل نہ کرو، جو افسروں میں دیانتدار ہیں وہ بھی عزت کے قابل ہیں اور جو ماتحتوں میں دیانتدار ہیں وہ بھی قوم کے سردار ہیں۔ اپنے عمل سے ان کو شرمندہ کرو جو دیانتدار نہیں اور اپنے عمل سے ان کو تقویت دو جو دیانتدار ہیں تا کہ پاکستان کا ہر محکمہ اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے لگ جائے۔ ہم پاکستان کے ہر شہری سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ اِسے اِس کام میں پاکستان کی حکومت کی مدد کرنی چاہئے۔ آخر یہ افسر اور کلرک آپ کے بھائی بند ہیں۔ آپ کا بھی فرض ہے کہ اِن کو اپنے فرائض کی طرف توجہ دلائیں۔ ان کی کوتاہیاں آخر آپ کے لئے بھی تباہی کا موجب ہونگی اور اِن کی فرض شناسی آپ کی عزت اور آپ کی حفاظت کا موجب بنے گی۔

پس اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں اور دوستوں کو جو سرکاری محکموں میں ہیں ان کے فرض کی طرف توجہ دلاؤ اور ان سے ایسے کام کروانے کی ہرگز کوشش نہ کرو جن سے ان پر رعایت کا الزام لگے اور وہ بد دیانتی کے مرتکب ہوں۔ اس صورت میں آپ ایک پیسے کا فائدہ تو اُٹھائیں گے لیکن ہزاروں ہزار کا نقصان کر دیں گے۔ وہی شہری دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس کی حکومت مضبوط، مستحکم اور دیانتدار ہو۔ چین کی آبادی چالیس کروڑ ہے لیکن اس کے شہری کو وہ عزت حاصل نہیں جو انگلستان، آسٹریلیا، کینیڈا اور یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کے شہری کو حاصل ہے اس لئے کہ یہ مُلک گو چھوٹے ہیں مگر ان کی حکومتیں مستحکم اور مضبوط ہیں اور حکومتیں اِسی لئے مستحکم اور مضبوط ہیں کہ اِن کے کارکن دیانتدار اور محنتی ہیں۔ پس ہر شخص کو چاہئے کہ وہ سارا زور استعمال کر کے حکومت کے محکموں کو دیانتدار بنائے۔ اور دیانتداری کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ صرف تمہارا حق ادا ہو بلکہ دیانتداری کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص کا حق ادا ہو۔ یہ دیانتداری نہیں کہ آپ لوگ اس کی تعریف کریں جس نے آپ کا حق ادا کر دیا یا جس سے آپ اپنا حق کسی لحاظ سے ادا کرواسکیں۔ دیانتداری یہ ہے کہ قطع نظر کسی تعلق اور رعایت کے ہر پاکستان کے شہری کا حق ادا کیا جائے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، امیر ہو یا غریب۔ اور پاکستان کا ہر کارکن محنت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرے یہاں تک کہ اگر اسے اپنے مقررہ وقت سے دوگنا وقت بھی دفتر

میں صرف کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ اگر پاکستان کے کارکن اس معیارِ اخلاق پر قائم ہو جائیں اور اگر پاکستان کا ہر شہری اپنا حق لینے کی بجائے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو جو مختلف دفاتر میں کام کر رہے ہیں اس امر کی طرف توجہ دلائے کہ محنت سے کام کرو، دیانت سے کام کرو، بنی نوع انسان کی ہمدردی کے جذبہ سے کام کرو، پاکستان کو دنیا کی حکومتوں میں ایک معزز جگہ دلانے کی نیت سے کام کرو تو یقیناً نتائج شاندار ہونگے۔ ہمارے زخم مندمل ہو جائیں گے، ہمارے نقصانات خدا تعالیٰ دوسرے ذرائع سے پورے کر دیگا اور ان لاکھوں مسلمان مظلوموں کے دل کی آگیں بجھ جائیں گی جن کو اس تغیر کی وجہ سے ایسا نقصان پہنچا ہے کہ سینکڑوں سالوں میں بھی دوسری قوموں کے افراد کو نہیں پہنچا۔

(الفضل لاہور ۲ ؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مشرقی اور مغربی پنجاب کا تبادلۂ آبادی

ہم شروع سے تبادلۂ آبادی کے خلاف رہے ہیں۔ تبادلۂ آبادی کی وجہ سے جو تباہی اور بربادی آئی ہے اِس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور ابھی اس تباہی اور بربادی کا سلسلہ لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب جا کر ختم ہوگا۔ ہر آدمی جو اِدھر سے اُدھر جاتا ہے وہ حقیقی یا بناوٹی مظالم کی ایک لمبی داستان دوسرے مُلک میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ہر مجلس میں جب وہ ان مظالم کی داستان سناتا ہے تو سامعین کے چہروں کا تأثر اور اُن کی داد اسے اپنی کہانی میں مزید مبالغہ کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے یہاں تک کہ ہر نئے شہر اور ہر نئے گاؤں میں اس کی کہانی زیادہ سے زیادہ بھیانک صورت اختیار کرتی چلی جاتی ہے اور ان واقعی یا خیالی داستانوں کا نتیجہ ایک بے انتہاء بغض اور کینہ کی صورت میں لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں پیدا ہوتا جاتا ہے جو صرف حال کو ہی مکدر نہیں کرتا بلکہ مستقبل کو بھی بھیانک بناتا چلا جاتا ہے۔ ہمارا تو اب بھی یہی خیال ہے کہ دونوں مُلکوں کی آبادی کو پھر اپنے اپنے گھروں میں بسایا جائے اور اس تبادلۂ آبادی کے سلسلہ کو کلیتہً روک دیا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ غیر معمولی جدوجہد اور کوشش سے کام لیا جائے لیکن جب تک خدا تعالیٰ لیڈروں کے دلوں میں یہ تحریک پیدا نہیں کرتا اور جب تک خدا تعالی بھاگنے والوں کے دلوں کو پھر دوبارہ ہمت نہیں بخشتا تب تک مجبوراً دوسری تدبیروں سے کام لینا ہی پڑے گا اور تبادلۂ آبادی کے کام کو کسی بہتر صورت میں سرانجام دینا ہی ہوگا۔ جس وقت تبادلۂ آبادی کا کام شروع ہوا ہے مغربی پنجاب میں غیر مسلم ۳۲ لاکھ کی تعداد میں بستے تھے اور مشرقی پنجاب میں ۴۴ لاکھ مسلمان تھے گویا جب کام شروع ہوا ہے اُسی وقت سے مغربی پنجاب کا کام مشرقی پنجاب کی نسبت زیادہ مشکل تھا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ غیر مسلم اس کام کے لئے پہلے سے تیار تھے اور مسلمان اس کام

کیلئے تیار نہیں تھے۔ تیسری مشکل یہ تھی کہ غیر مسلموں کی جائدادوں کا ایک بڑا حصہ سونے اور چاندی اور دوسری قیمتی اشیاء کی صورت میں تھا اور مسلمانوں کی جائداد کا بڑا حصہ زمینوں، مکانوں، مویشیوں اور گھر کے اسباب کی صورت میں تھا۔ ظاہر ہے کہ سونا چاندی اور قیمتی اشیاء بہت تھوڑی سی جدوجہد کے ساتھ ایک طرف سے دوسری طرف منتقل کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ یہ حصہ مال کا تو پہلے ہی چند دنوں میں سکھ اور ہندو نکال کر لے گئے۔ اس کے بعد چونکہ وہ لوگ پہلے سے تیار تھے انہوں نے اپنے اِردگرد کے مسلمانوں پر حملے کر کے ان کے اموال بھی لُوٹ لئے اور یہ لُوٹا ہوا مال ان ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ہندوستان پہنچانا شروع کیا جو ہندوستان سے مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو نکالنے کے لئے آرہے تھے۔ ان جہازوں میں بِالعموم ہندوؤں اور سکھوں کا اپنا مال نہیں جاتا تھا بلکہ لُوٹا ہوا مال جاتا تھا اپنا مال وہ بعد میں قافلوں کے ذریعہ سے لے گئے اور اس طرح قانونی گرفت سے محفوظ رہے۔

مغربی اور مشرقی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کے افسروں میں بھی ایک بہت بڑا فرق تھا مغربی پنجاب کے تبادلۂ آبادی کے افسر انگریز تھے اور ہیں۔ مشرقی پنجاب نے بہت جلد انگریز افسروں کو بدل کر ان کی جگہ ہندو اور سکھ لگا دیئے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ایک انگریز کو مسلمان کی جان اور مال کی اتنی فکر نہیں جتنی ایک ہندو اور سکھ کو ہندو اور سکھ کے مال اور جان کی فکر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور سکھوں کا خروج بہت جلدی اور بہت عمدگی کے ساتھ ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کے اس مُلک کے داخلہ میں مشکلات بھی پیدا ہوئیں اور دیر بھی ہوئی۔ اب یہ حال ہے کہ ۲۲، ۲۷ لاکھ مسلمان مشرقی پنجاب میں پڑا ہے لیکن ہندو اور سکھ مغربی پنجاب میں صرف سات آٹھ لاکھ ہے جس دن یہ سات آٹھ لاکھ ختم ہوگیا مشرقی پنجاب میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کی جانوں کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔ ابھی تو ان سات لاکھ آدمیوں کی حفاظت کے خیال سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت بھی بعض افسر کرتے رہتے ہیں۔ جب سب ہندو اور سکھ یہاں سے نکل گئے تو پھر کوئی سیاسی محرک بھی مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی جان بچانے کا باقی نہیں رہے گا۔ پہلے ریلیں چلتی تھیں تاکہ ایک دوسرے کے مُلک کے پناہ گزینوں کو نکال لے جائیں لیکن اب وہ سلسلہ بھی بند ہو رہا ہے۔ اب پیدل قافلے چلتے ہیں

مگر مشرقی پنجاب سے مغربی پنجاب کی طرف مسلمانوں کو منتقل کرنے کے لئے پیدل قافلے بھی اب کم ہی چلتے ہیں بیسیوں جگہیں ایسی ہیں جہاں ہفتوں سے مسلمان پڑے ہیں اور فاقے سے مر رہے ہیں، لوٹے جارہے ہیں، قتل کئے جارہے ہیں لیکن ان کے نکالنے کی اب تک کوئی تجویز نہیں کی گئی۔ جالندھر، نکودر، گڑھ شنکر، راہوں، فتح گڑھ چوڑیاں اور قادیان چلّا چلّا کر تھک گئے ہیں لیکن پناہ گزینوں کو نکالنے کے لئے اب تک کوئی انتظام نہیں ہوسکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کام بہت بڑا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کارکن بہت تھوڑے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی گورنمنٹ نے آنے والوں کے بسانے کے متعلق جو کوششیں کی ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہیں اور قابلِ قدر بھی لیکن ہمارے نزدیک مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکالنے کی جو تدابیر کی گئی ہیں وہ پوری مؤثر نہیں۔ جب مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کے درمیان یہ سمجھوتہ ہوا کہ ریفیوجی کیمپ کا بنانا اس مُلک کے اختیار میں ہوگا جس مُلک میں پناہ گزین بیٹھے ہوں گے۔ تو گو یہ معاہدہ مغربی پنجاب کی حکومت نے کسی حکمت کے ماتحت ہی کیا ہوگا اور اس میں کچھ فائدہ ہی اس نے سوچا ہوگا مگر اس دن سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر بہت بڑی تباہی آرہی ہے چالیس چالیس، پچاس پچاس ہزار آدمی جن جگہوں پر بیٹھے ہیں ان کو ریفیوجی کیمپ نہیں بنایا جاتا کیونکہ اب مسلمان کے لئے ریفیوجی کیمپ بنانا مشرقی پنجاب کی حکومت کے اختیار میں ہے اور جب مسلمان پناہ گزینوں کے علاقوں کو ریفیوجی کیمپ ہی قرار نہیں دیا جاتا تو اُن کی خوراک کی ذمہ داری بھی مشرقی پنجاب کی حکومت پر عائد نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں، وہ گاڑیاں نہیں مانگتے، وہ کچھ اور امداد طلب نہیں کرتے اُن کی فریاد صرف یہی ہے کہ ان کو مشرقی پنجاب سے نکال کر پاکستان کی سرحدوں میں داخل کر دیا جائے۔ یہ بے کس اور بے پناہ ہجوم بعض تو پاکستان کی سرحد کے اتنے قریب بستے ہیں کہ تھوڑی سی جدوجہد سے ان کو نکالا جاسکتا ہے لیکن کوئی نہ کوئی روک ان کو نکالنے میں پیدا ہوتی چلی ہی جاتی ہے۔ ہم مغربی پنجاب کی پاکستانی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ اس امر کی طرف زیادہ توجہ دی جائے ان لوگوں کا لاکھوں روپیہ کا مال لوٹا گیا ہے اور ہر روز ان کی عورتوں کی آبروریزی کی جاتی ہے۔ ہماری غیرت اور حمیّت کا تقاضا ہے کہ اور سب کام چھوڑ کر بھی اس

کام کو کیا جائے۔ ان لوگوں کے ادھر لانے میں پاکستان کا بھی فائدہ ہے۔ وہ وہاں بے کار بیٹھے ہیں اور ہر روز ان کے مال لوٹے جا رہے ہیں اگر وہ کچھ مال بچا کر لے آئے تو پاکستان کی دولت بڑھے گی اور اگر یہاں آ کر انہوں نے مختلف کام شروع کر دیئے تو پاکستان کی اقتصادی حالت میں ترقی ہوگی۔ آج پاکستان کی ہر اسلامی انجمن اور ہر اسلامی ادارے کو اس امر پر اپنی توجہ مبذول کر دینی چاہیئے۔ اسی طرح ہر باہمت اور بارسوخ شخص کو ذمہ دار لوگوں کو توجہ دلانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ وہ بہادر اور قربانی کرنے والے افسر جنہوں نے پہلے بھی بہت کچھ کام اس سلسلہ میں کیا ہے انہیں اپنی ہمت کی کمریں کس کر اور بھی زیادہ جوش سے اس کام کو جلد سے جلد پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے خدا کرے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو اور لاکھوں مسلمانوں کی جانیں اس تباہی سے بچ جائیں اور اس بلائے عظیم کے آنے سے پہلے جو کہ دمبدم ان کے قریب آ رہی ہے وہ پاکستان میں داخل ہو جائیں۔

حال ہی میں ہندوستان یونین کے پرائم منسٹر مسٹر نہرو نے اعلان کیا ہے کہ مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ کو بہت ہی جلد وہاں سے منتقل کر لیا جائے گا لیکن مشرقی پنجاب کے مسلمان کہیں دسمبر تک جا کر پاکستان میں پہنچ سکیں گے ان الفاظ سے ہر مسلمان حقیقت حال کو سمجھ سکتا ہے۔ اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ سارے ہندو اور سکھ اکتوبر میں منتقل ہو جائیں گے تو مسلمانوں کو پورے طور پر منتقل ہونے میں نومبر اور دسمبر دو اور مہینے لگیں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان دو مہینوں میں وہ پاکستان کی طرف منتقل ہوں گے۔ غالب خیال یہی ہے کہ وہ اگلے جہان کی طرف منتقل ہوں گے کیونکہ ہندوستان یونین کے لیڈر گو بڑے زور سے امن کے قیام کی اپیلیں کر رہے ہیں اور ہمارے خیال میں کم سے کم ایک حصہ ضرور دیانتداری سے ایسا کر رہا ہے خصوصاً مسٹر نہرو جن کے خیالات نیشنلسٹ ہیں لیکن باوجود ان اپیلوں کے ماتحت عملہ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ چھوٹے افسر یہ بات برملا کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ مہاتما گاندھی اور مسٹر نہرو کو باتیں کرنے دو ہم نے جو مقصد اپنے سامنے رکھا ہے اسے پورا کر کے چھوڑیں گے۔ پس پیشتر اس کے کہ مغربی پنجاب ہندو اور سکھ سے خالی ہو مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کو وہاں سے نکال لینا چاہیئے کیونکہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ چکے ہیں اور میدانوں میں پڑے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان

کا واپس مشرقی پنجاب میں جانا تو ضروری ہے لیکن یہ اُسی وقت ہوگا جب وہ یہاں آ کر ذرا امن کا سانس لے لیں۔ ہندوستان یونین اور پاکستان کا بامحبت سمجھوتہ ضروری ہے۔اس کے بغیر ہمارا مُلک ترقی نہیں کرسکتا ہمیں اس کام کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دونوں مُلکوں کے عقلمند اور مدبر آخر اس خیال کے قائل ہو جائیں گے اور سب مل کر ان فتنوں اور فسادوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔لیکن جب تک وہ دن آئیں ہمیں اپنے بھائیوں کی جان و مال،عزت اور آبرو کی حفاظت کا خیال کبھی بھی دل سے اوجھل نہ ہونے دینا چاہئے۔ پاکستان کی بنیاد بے غیرتی پر نہیں بلکہ غیرت پر رکھ جانی چاہئے۔

(الفضل لاہور ۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کی سیاستِ خارجہ

ہم آج ایک ایسے اہم مضمون کی طرف اپنے اہل وطن کی توجہ پھرانا چاہتے ہیں جو پاکستان کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ پاکستان کی حکومت بالکل نئی نئی بنی ہے اور ابھی اس کے دفاتر کا چارج تجربہ کار آدمیوں کے ہاتھوں میں نہیں اس وجہ سے اس کے کاموں میں بعض دفعہ ایسی خامیاں رہ جاتی ہیں جو پاکستان کی حکومت کی مضبوطی میں خلل ڈالتی ہیں اور ان کا دور کرنا پاکستان کی حکومت کے ثبات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ان خامیوں میں سے ایک ہمارے نزدیک سیاستِ خارجہ کی پالیسی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاست خارجہ کے دفتر میں ابھی ماہرین فن موجود نہیں اور ایسے آدمیوں کی کمی ہے جو انٹرنیشنل لاء کے جاننے والے ہوں۔ اس وجہ سے پاکستان حکومت اِس وقت ایک لاوارث وجود کی صورت میں نظر آتی ہے۔ کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن سے پاکستانی حکومت کے حقوق کو تلف کیا جاتا ہے لیکن پاکستان کی حکومت کی طرف سے کوئی مؤثر قدم اُٹھانا تو الگ رہا ان کے خلاف پروٹسٹ تک بھی نہیں کیا جاتا حالانکہ اخلاقی اور سیاسی اصول میں فرق ہے۔ حکومت کا کام صرف یہی نہیں ہوتا کہ وہ اخلاقی اصول کی پیروی کرے اس کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرے۔ حضرت مسیح ناصری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی تیری چدر مانگے تو اسے کرتہ بھی دے دے اور اگر کوئی تجھے ایک میل تک بیگار لے جائے تو تو دو میل تک اس کے ساتھ چلا جا۔ یہ ایک اخلاقی تعلیم ہے اور بعض حالتوں میں ضروری اور بعض دوسری حالتوں میں مضر۔ اسی لئے اسلام نے اس تعلیم کو تسلیم نہیں کیا بلکہ مختلف حالات میں مختلف قسم کی تعلیم دی ہے لیکن اخلاقی طور پر خواہ یہ تعلیم بعض وقتوں میں مفید اور ضروری بھی ہوتی ہو سیاسیات میں اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سیاسیات کا اصول

یہ ہے کہ اگر کوئی قوم اپنے کسی حق کو بغیر احتجاج کے چھوڑ دیتی ہے تو بین الاقوامی اصول کے مطابق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس قوم نے وہ حق ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے اس لئے جب کبھی حکومتوں کے معاملہ میں ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کا حق تلف کرتی ہے تو خواہ مظلوم قوم اپنا حق زور سے نہ لے۔ خواہ اس کا بدلہ مانگے ہی نہ، وہ قانونی طور پر اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اس کے خلاف احتجاج ضرور کر دیتی ہے تاکہ وہ ظلم آئندہ دوسری قوم کا حق نہ سمجھ لیا جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے حقوق پاکستانی حکومت کے تلف ہو رہے ہیں لیکن ان کے خلاف احتجاج بھی نہیں کیا جا رہا۔

ہندوستان اور پاکستان میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے پناہ گزین جب دوسرے مُلک میں جائیں گے تو ان کے سامان کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔ اس معاہدہ کے خلاف بعض جگہ پر پاکستان کے افسروں نے پناہ گزینوں کی تلاشیاں لیں اور بعض جگہ پر ہندوستان کے افسروں نے پاکستان کے پناہ گزینوں کی تلاشیاں لیں۔ ہندوستانی یونین نے احتجاج کیا اور پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے افسروں کو سخت تنبیہہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہئے اس کے برخلاف ہندوستانی یونین جو حد سے زیادہ تکلیف دینے والی تلاشیاں مسلمان پناہ گزینوں کی لیتی تھی اور لیتی ہے قادیان سے چلنے والے ٹرکوں کی بعض دفعہ چھ چھ گھنٹہ تک متواتر تلاشی لی جاتی رہی ہے اگر آٹھ دس ٹرک کی چھ گھنٹے تک تلاشی لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پچاس ساٹھ ہزار کے قافلہ کی دو تین ماہ تک متواتر تلاشی لی جانی چاہئے۔ جالندھر اور لدھیانہ کے مسلمانوں کو بھی اور فیروز پور کے پناہ گزینوں کو بھی اسی طرح دکھ دیا گیا لیکن اس کے متعلق ہمارے علم میں پاکستانی حکومت نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو مسلمانوں میں بددِلّی پیدا ہوگی کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کا خیال نہیں رکھا جاتا اور دوسری طرف سیاسی طور پر ہندوستانی یونین کو اپنے حقوق منوانے کے متعلق ایک فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ یہ خاموشی سیاسی دنیا میں ہرگز اخلاق نہیں کہلائے گی بلکہ کمزوری کہلائے گی اور ہتھیار رکھنے کے مترادف سمجھی جائے گی۔

اسی طرح پاکستانی حکومت اور ہندوستانی یونین میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے مُلک

سے پناہ گزینوں کے لانے کے لئے ٹرکوں کے جو قافلے جائیں گے ان کے کام میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی لیکن باوجود اس معاہدہ کے جو ٹرک پاکستان سے ہندوستان میں جاتے ہیں ان کے کام میں ہندوستان کے افسر دخل اندازی کرتے ہیں۔ چنانچہ قادیان میں تو یہاں تک کیا گیا کہ پاکستانی گورنمنٹ کی بھیجی ہوئی لاریوں میں قافلوں کے افسر نے جو سواریاں چڑھائیں ان کو زبردستی ملٹری کے کیپٹن نے اتار دیا اور کہا کہ جن لوگوں کو میں بٹھاؤں گا وہ جائیں گے اور جن لوگوں کو میں نہیں بٹھاؤں گا وہ نہیں جائیں گے۔ Evacuation کے محکمہ کو اس طرف توجہ دلائی گئی اسی طرح ملٹری افسروں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے میجر جنرل چمنی سے فون پر بات کی انہوں نے کہا مقامی افسر کو ایسا کوئی حق نہیں ہم اس کو سمجھا دیں گے لیکن اس کے بعد پانچ قافلے متواتر گئے ہیں اور پانچوں کے ساتھ اس نے متواتر یہی معاملہ کیا ہے یہی حال دوسری جگہوں پر بھی ہوتا رہا ہے اس معاملہ کے متعلق پناہ گزینوں کے محکمہ کو پاکستان کے محکمہ خارجہ کے پاس فوراً رپورٹ کرنی چاہئے تھی اور حکومت پاکستان کے محکمہ خارجہ کو فوراً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے تھی اور کہنا چاہئے تھا کہ لاریاں ہماری، آدمی ہمارے تم کون ہو جو فیصلہ کرو کہ فلاں آدمی لاریوں میں بیٹھیں، فلاں نہ بیٹھیں اور یہ کہ اگر تم اپنے رویہ کو نہ بدلو گے تو ہم اپنی طرف بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ جو ہوائی جہاز خاص لوگوں کو لینے کے لئے آتے ہیں ان میں دوسرے لوگوں کو بٹھا دیں گے اور ان کو بیٹھنے نہیں دیں گے جن کو تم بٹھانا چاہو۔ اگر حکومت پاکستان کا محکمہ خارجہ اس پر احتجاج کرتا تو ہندوستانی یونین کو فوراً ہوش آ جاتی اور وہ ان نالائق افسروں کو سزا دیتی جو ایسی غیر آئینی کارروائی کر رہے ہیں اور ساری مہذب دنیا پاکستان کی تائید کرتی اور اس کو اپنے مطالبہ میں حق بجانب سمجھتی۔

ریاستوں کے معاملہ میں بھی اپنے حقوق کی پوری طرح حفاظت نہیں کی گئی۔ جوناگڑھ کی ریاست نے پاکستان کی حکومت کے ساتھ ملنے کا فیصلہ کیا اور دونوں میں معاہدہ بھی ہو گیا اس معاہدہ کے بعد ہندوستانی یونین نے اپنا ایک پولیٹکل سیکرٹری ریاست جوناگڑھ سے بات کرنے کے لئے ریاست جوناگڑھ میں بھجوایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ ہندوؤں کے حقوق میں کسی قسم کی

خرابی پیدا نہ ہونے دیں اور یہ کہ اپنی باجگذار ریاستوں کے معاملہ میں بھی وہ دخل نہیں دیں گے۔ جوناگڑھ معاہدہ کے رو سے اپنے خارجی تعلقات پاکستان کے سپرد کر چکا ہے اور جوناگڑھ کی سیاست خارجہ اب خود جوناگڑھ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ پاکستان کے ہاتھ میں ہے یہ معاہدہ چھپ چکا ہے اور تمام دنیا کے سامنے آچکا ہے۔ جہاں تک امور خارجہ کا تعلق ہے جوناگڑھ کا تعلق پاکستان سے ویسا ہی ہے جیسا کہ جوناگڑھ کا تعلق وائسرئے کے ساتھ تھا۔ کیا انگریزی حکومت کے دور میں یہ ممکن تھا کہ فرانس اور جرمنی اپنا کوئی افسر براہ راست جوناگڑھ میں بھیج سکتے یا اگر فرانس اور جرمنی ایسا کرتے تو اُسی وقت انگریزی حکومت کان سے پکڑ کر اُن کو باہر نہ نکال دیتی اور ان سے یہ نہ کہتی کہ جوناگڑھ کے امور خارجہ ہمارے متعلق ہیں تمہارا جوناگڑھ سے کوئی تعلق نہیں تم ان کے متعلق ہم سے آکر بات کرو؟ لیکن پاکستان کی حکومت نے اس ہتک کو خاموشی کے ساتھ برداشت کر لیا اور اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی یونین کو اور بھی دِلیری پیدا ہوگئی اور اب انہوں نے جوناگڑھ کی ایک آزاد حکومت بمبئی میں قائم کر دی ہے۔ کیا وہ حکومتیں جن کے تعلقات آپس میں دوستانہ اصول پر ہوتے ہیں ان کے مُلک میں کوئی ایسی آزاد حکومت قائم کی جاسکتی ہے؟ جو دوست مُلک کے خلاف ہو۔ ہر انٹرنیشنل لاء کا جاننے والا جانتا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا اس قسم کا فعل دوستانہ تعلقات کے منافی سمجھا جاتا ہے اور فوراً وہ حکومت جس کے کسی علاقہ کے خلاف ایسی بات کی جاتی ہے اس پر احتجاج کرتی ہے اور مخالف حکومت کو پناہ دینے والی حکومت یا اس کو اپنے مُلک سے نکال دیتی ہے یا پھر احتجاج کرنے والی طاقت اس سے اپنے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیتی ہے۔

ایک معاملہ کشمیر کا ہے ہندوستان گورنمنٹ بار بار اعلان کرتی رہی ہے کہ ٹراونکور کو آزادی نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس کی سرحدیں ہندوستان کے ساتھ ملتی ہیں۔ حیدرآباد کو آزادی کے اعلان کی اجازت نہیں کیونکہ اس کی اکثریت ہندوستان سے ملنا چاہتی ہے کیا یہی حقوق پاکستان کو کشمیر کے متعلق حاصل نہیں؟ کیا کشمیر کی سینکڑوں میل کی سرحد پنجاب اور صوبہ سرحد کے ساتھ نہیں ملتی؟ کیا اس کے برخلاف ہندوستان کے ساتھ اس کا اتصال نہایت ہی چھوٹا نہیں؟ کیا وہاں کی اسی فیصدی آبادی مسلمان نہیں اور کیا ان کی اکثریت پاکستان کی حامی نہیں؟ پھر ہم نہیں

سمجھ سکے کہ پاکستان حکومت نے کیوں بار بار یہ اعلان نہیں کیا کہ کشمیر کے معاملہ میں ہم کوئی دخل اندازی پسند نہیں کریں گے۔ کشمیر کی اکثریت پاکستان میں شامل ہونے کی مدعی ہے جب تک کشمیر میں آزاد حالات کے ماتحت ریفرنڈم نہیں کیا جائے گا ہم کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے خصوصاً جبکہ اس کی سرحد سینکڑوں میل تک ہماری سرحدوں سے ملتی ہے اور ہندوستان کے ساتھ اس کا اتصال بہت مختصر ہے۔ اگر سیاسی متداول طریقوں کے ذریعہ سے اس قسم کا احتجاج بار بار کیا جاتا اور اخباروں میں اس کا اعلان کیا جاتا تو یقیناً کشمیر کی پوزیشن آج اور ہوتی بلکہ جس طرح جونا گڑھ کے مقابلہ میں ہندوستان یونین نے ایک الگ حکومت قائم کر دی ہے کشمیر کے متعلق بھی پاکستان گورنمنٹ کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ اگر ہمارے علاقہ میں کشمیر کی کوئی آزاد گورنمنٹ بنی تو ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے کیونکہ ایسا ہی طریق ہندوستانی یونین نے اختیار کیا ہے۔ کشمیر کی سیاست سے بے تعلق رہنا اِس وقت پاکستان کی گورنمنٹ کے لئے مناسب نہیں اگر کشمیر ہندوستانی یونین میں گیا تو اس کے تین خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔

اوّل: ۳۲ لاکھ وہاں کا مسلمان اسی طرح ختم کر دیا جائے گا جس طرح مشرقی پنجاب کا مسلمان۔

دوسرے: صوبہ پنجاب بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اور کشمیر اور صوبہ سرحد کے درمیان پنجاب ایک مثلث کی شکل میں ہے اور اس مثلث کے ایک خط پر کشمیر آتا ہے دوسرے خط پر ہندوستان یونین تیسرے خط پر صوبہ سرحد اور کچھ حصہ سندھ کا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو مُلک مثلث کے دو مخالف خطوط میں آیا ہوا ہوگا وہ کبھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

تیسرا: خطرہ پاکستان کو یہ ہے کہ شروع سے ہی ہندوستان یونین کی نظریں صوبہ سرحد پر ہیں کروڑوں روپیہ خرچ کر کے وہاں خدائی خدمت گار وغیرہ قسم کی جماعتیں بنائی گئی ہیں۔ کشمیر اگر ہندوستانی یونین کے ساتھ ملے تو ہندوستانی یونین کا براہِ راست صوبہ سرحد کے ساتھ تعلق ہو جائے گا کیونکہ کشمیر کی سرحد صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی

علاقوں سے ملتی ہے اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ مظفر گڑھ، گلگت اور چلاس کے علاقہ سے رائفلیں اور روپیہ اور دوسرا جنگی سامان صوبہ سرحد کے کانگرسی ایجنٹوں میں تقسیم کر سکیں گے اور صوبہ سرحد کے قبائل کو وظائف وغیرہ دے کر وہ اپنے ساتھ ملا سکیں گے اور پاکستان سے اس کا کوئی مداوا نہ ہو سکے گا۔ صوبہ سرحد میں کانگرس نے دور دور تک اپنے پاؤں پھیلا رکھے ہیں اور اس خطرہ سے پاکستان کو ہرگز غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے وقت پر حکومت اور مُلک کے سامنے سارے خطرات رکھ دیئے ہیں خدا کرے مسلمان اس صدمۂ عظیم سے بچ جائیں اور ان خطرناک نتائج سے محفوظ ہو جائیں جو کشمیر کے انڈین یونین میں شامل ہونے سے پیدا ہوں گے علاج ان کے ہاتھ میں ہے وہ اب بھی علاج کر سکتے ہیں اور علاج کا کرنا نہ کرنا ان کی مرضی پر منحصر ہے مگر ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

(الفضل لاہور ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ھُوَالنَّاصِرُ

جماعت احمدیہ کے امتحان کا وقت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا - وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا - وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا [۱]

ترجمہ اے مؤمنو! یاد کرو جبکہ تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی دشمن آئے اور پتلیاں خوف سے ٹیڑھی ہو گئیں اور دل دھڑکتے ہوئے گلے میں آ پھنسے اور تم خدا تعالیٰ کے متعلق مختلف قسم کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر مؤمنوں کے ایمانوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں ایک سخت زلزلہ سے ہلا دیا گیا اور جبکہ منافق اور وہ لوگ بھی جن کے دلوں میں کچھ کچھ بے ایمانی کا روگ پیدا ہو رہا تھا بول اُٹھے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے دھوکا کیا اور جبکہ اسی قسم کے لوگوں میں سے ایک گروہ یہ چہ میگوئیاں کرنے لگ گیا کہ اے مدینہ کے لوگو! اب تمہارے لئے دنیا میں کوئی ٹھکانہ نہیں ۔اب تم اپنے دین اور ایمان کو چھوڑ کر پھر کفر کی حالت کی طرف لوٹ جاؤ۔ اور اس قسم کے لوگوں میں سے ایک گروہ اللہ کے نبی کے حضور میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم واپس

جا کر اپنے گھروں کی حفاظت کر سکیں۔ حالانکہ ان کے گھر کوئی خاص طور پر بے حفاظت نہیں وہ صرف بھاگ کر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم کی یہ آیات آجکل پورے طور پر قادیان کے احمدیوں پر اور باقی دنیا کے احمدیوں پر چسپاں ہو رہی ہیں۔ قادیان پر اس کے اوپر سے بھی حملہ ہو رہا ہے یعنی حکام بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور نیچے سے بھی حملہ ہو رہا ہے یعنی سکھ آبادی اس کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آج غم اور صدمہ سے لوگوں کی آنکھیں ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہیں اور دل واقعہ میں اچھل اچھل کر گلے میں اٹک رہے ہیں اور کئی لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ کیا احمدیت واقعہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی اور کیا انہوں نے اس کے قبول کرنے میں غلطی تو نہیں کی؟ مؤمنوں کے لئے آج دُہری مصیبت ہے ایک طرف حکام اور رعایا کے ظلموں سے بچنے کیلئے امن پسندانہ کوششیں اور ہتھیلیوں پر جانیں رکھ کر اپنے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا فکر اور دوسری طرف اس قسم کے لوگوں کی باتوں کا جواب دینا اور ان چھپے دشمنوں کے خنجروں کو اپنے سینوں میں بغیر آہ کے چبھنے دینا مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہونے والے سلسلوں سے ہمیشہ ہی یہ سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔ دیکھ لو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو پیش آئیں مگر کیا وہ گھبرائے؟ کیا ان کے قدموں میں کسی قسم کا تزلزل پیش آیا؟ بجائے اس کے کہ ان واقعات کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق ان کے دلوں میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ان کے دل ایثار اور قربانی کے جذبات سے اور بھی زیادہ متأثر ہوتے گئے۔ ان کے ایمانوں کی یہ کیفیت تھی کہ دشمن کا پندرہ سے بیس ہزار تک کا لشکر جو صرف سات سَو مسلمانوں کے مقابل پر رات اور دن حملے کر رہا تھا نہ دن کو آرام کرنے دیتا تھا نہ رات کو سونے دیتا تھا جب اُس چھوٹی سی خندق کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مل کر مدینہ کی حفاظت کے لئے کھودی ہوئی تھی گھوڑوں پر چڑھ کر عبور کر لیتا تھا اور دشمن کے جتھے جنون کی سی کیفیت کے ساتھ اور آندھی کی سی تیزی کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ وسلم کے خیمہ کی طرف بڑھتے تھے تا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اسلام کا خاتمہ کر دیں تو باوجود اسکے کہ

صحابہؓ صرف سات سَو تھے وہ اِس تیزی اور بے جگری کے ساتھ لڑتے کہ ہزاروں ہزار کا لشکر منہ کی کھا کر واپس لوٹ جانے پر مجبور ہو جاتا اور بعض دفعہ ان کے بڑے بڑے لیڈر اِس جنگ میں مارے جاتے۔

ایک دفعہ عرب کا ایک نہایت ہی بڑا لیڈر اس قسم کے حملے میں مارا گیا اور اس کی لاش خندق میں گر گئی تو مکہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ ہمارا بڑا لیڈر ہے اس کی لاش ہمیں واپس کی جائے ہم اس کے بدلہ میں ہزاروں روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم نے اس مُردار کو لے کر کیا کرنا ہے تم اُس کو اٹھا کر لے جاؤ۔ سرمیور جیسا دشمن اسلام اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر وہ شدید حملے جو رات اور دن مکہ والوں کی طرف سے ہو رہے تھے اور جن میں مٹھی بھر اسلامی لشکر کے مقابلہ میں ان سے کئی گنا آدمی شامل ہوتے تھے جبکہ مسلمانوں کو دنوں تک نہ کھانے کا موقع ملتا تھا، نہ سونے کا موقع ملتا تھا، نہ بیٹھنے کا موقع ملتا تھا ان میں مکہ والوں کے ناکام رہنے کا صرف ایک سبب تھا اور وہ صحابہؓ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ دشمن اپنے سامانوں کی فراوانی کی وجہ سے خندق کو کود کر عبور کر لیتا اور اپنی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے مسلمانوں کو دھکیل کر پیچھے لے جاتا مگر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچتا تو مسلمانوں کے اندر ایسا جوش پیدا ہو جاتا کہ وہ مافوق الانسانیت طاقتوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو بچانے کے لئے اپنی جانوں سے بے پرواہ ہو کر اس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑتے کہ باوجود کثیر التعداد ہونے کے دشمن کو بھاگنا ہی پڑتا۔ اس چیز کو ایمان کہتے ہیں جو چیز اس سے کم ہے وہ ایمان نہیں وہ تمسخر ہے، وہ دھوکا ہے وہ فریب ہے۔

میں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ جب وہ بیعت میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے اقرار کیا تھا کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کریں گے اور اس دنیا کے لفظ میں ان کی جانیں بھی شامل تھیں، ان کے بچوں کی جانیں بھی شامل تھیں، ان کی بیویوں اور دوسرے گھر کی مستورات کا مستقبل بھی شامل تھا۔ پس آج جبکہ باوجود ہمارے اس بیان کے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں گے اس کے

وفادار رہیں گے ظالم دشمنوں کو ہم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔حکومت ان کو سزا دینے کی بجائے ہمارے آدمیوں کو سزا دے رہی ہے۔ ہماری جماعت کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ قطعی طور پر بھول جائیں کہ ان کے کوئی عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں، وہ بھول جائیں اِس بات کو کہ ان کے سامنے کیا مصائب اور مشکلات ہیں، انہیں صرف ایک ہی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ایک عہد کیا ہے اور اس عہد کو پورا کرنا ان کا فرض ہے۔آج خدا ہی ان کا باپ ہونا چاہیئے، خدا ہی ان کی ماں ہونی چاہیئے اور خدا ہی ان کا عزیز اور رشتہ دار ہونا چاہیئے، میرے بیٹوں میں سے آٹھ بالغ بیٹے ہیں اور ان آٹھوں کو میں نے اِس وقت قادیان میں رکھا ہوا ہے۔ میں سب سے پہلے ان ہی کو خطاب کر کے کہتا ہوں اور پھر ہر احمدی نوجوان سے خطاب کر کے کہتا ہوں کہ آج تمہارے ایمان کا امتحان ہے آج ثابت قدمی کے ساتھ قید و بند اور قتل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قادیان میں ٹھہرنا اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کرنا تمہارے فرائض میں شامل ہے۔تمہارا کام حکومت سے بغاوت کرنا نہیں، تمہارا کام مُلک میں بدامنی پیدا کرنا نہیں، اسلام تم کو اس بات سے روکتا ہے اگر حکومت ہم کو وہاں سے نکالنا چاہتی ہے تو حکومت کے ذمہ دار افسر ہم کو تحریر دے دیں کہ تم قادیان چھوڑ دو۔ پھر ہم اس سوال پر بھی غور کر لیں گے مگر جب تک حکومت کے ذمہ دار افسر منہ سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو یہاں سے نکالنا نہیں چاہتے اور ان کے نائب ہمیں دکھ دے دے کر اپنے مقدس مقامات سے نکالنا چاہتے ہیں اُس وقت تک ان کی یہ کارروائی غیر آئینی کارروائی ہے اور ہم اسے کسی صورت میں تسلیم نہیں کریں گے۔ مشرقی پنجاب سے اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہے ہزاروں ہزار مسجدیں آج بغیر نمازیوں کے ویران پڑی ہیں جن میں جوئے کھیلے جاتے ہیں، شرابیں پی جاتی ہیں، بدکاریاں کی جاتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ کم سے کم ہم جب تک ہماری جان میں جان ہے مشرقی پنجاب میں قادیان کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند رکھیں۔اسلام کو بغیر قربانی کے ختم نہیں ہونے دینا چاہیئے۔اسلام تو پھر جیتے گا ہی احمدیت تو پھر بھی غالب ہی آئے گی لیکن ہماری بدقسمتی ہوگی اگر ہم اپنے ہاتھوں سے اسلام کا جھنڈا چھوڑ کر بھاگیں۔ میں اگر قادیان سے باہر آیا تو صرف اس لئے کہ جماعت نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جماعت کی تنظیم

اور اس کے کام چلانے کے لئے جب تک امن نہ ہو مجھے اور بعض ضروری دفاتر کو قادیان سے باہر رہنا چاہئے تا کہ دنیا کی جماعتوں کے ساتھ مرکز کا تعلق رہے لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ جماعت کے نوجوان خدانخواستہ اس قربانی کو پیش کرنے کے لئے تیار نہیں جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں تو پھر ان کو صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا چاہئے ہم ان کو واپس بُلا لیں گے اور خود ان کی جگہ جانیں دینے کے لئے چلے جائیں گے۔ ہمارا باہر آنا اپنی جانیں بچانے کے لئے نہیں بلکہ سلسلہ کے کام کو چلانے کے لئے ہے۔ اگر ہمارا باہر آنا بعض لوگوں کے ایمانوں کو متزلزل کرنے کا موجب ہو تو ہم سلسلہ کی شوریٰ کے فیصلہ کی بھی پرواہ نہیں کریں گے اور ان لوگوں کو جن کے دلوں میں ایمان کی کمزوری ہے اس کام سے فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے خود اس کام کو شروع کر دیں گے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قادیان کے اکثر نوجوانوں میں کمزوری پائی جاتی ہے مجھے کثرت کے ساتھ نوجوانوں کی یہ چٹھیاں آ رہی ہیں کہ وہ دلیری کے ساتھ اور ہمت کے ساتھ ہر قربانی پیش کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ خود میرے بعض بیٹوں اور بعض دوسرے عزیزوں کی مجھے اس قسم کی چٹھیاں آئی ہیں کہ گو ان کا نام قرعہ کے ذریعہ باہر آنے والوں میں نکلا ہے مگر اُن کو اجازت دی جائے کہ وہ قادیان میں رہ کر خدمت کریں یہی وہ لوگ ہیں جو پختہ ایمان والے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو احمدیت اور اسلام کے جھنڈے کو دنیا میں بلند رکھیں گے خواہ مارے جائیں خواہ زندہ رہیں۔ چاہئے کہ صفائی کے ساتھ اور بار بار حکومت کو جتاتے رہو کہ ہم حکومت کے وفادار ہیں اور ہم ایک اچھے شہری کے طور پر اس مُلک میں رہنے کا وعدہ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کی طرف سے اعلان ہو رہے ہیں وہ سچے ہیں جھوٹے نہیں اس لئے ہم ان اعلانوں پر یقین رکھتے ہوئے قادیان میں بیٹھے ہیں اگر ان اعلانوں کا کچھ اور مطلب ہے تو ہمیں کہہ دو کہ قادیان سے چلے جاؤ۔ لیکن اگر مسٹر گاندھی اور مسٹر نہرو کے بیانات صحیح ہیں تو پھر ان کے مطابق عمل کرو اور پُر امن شہریوں کو دِق نہ کرو۔ اس طرح بار بار ان پر حجت تمام کرتے رہو اور قید و بند اور قتل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ایمان کا ثبوت دو اور خدا تعالیٰ پر یقین رکھو کہ اوّل تو فتح اور نصرت کے ساتھ وہ تمہاری مدد کرے گا لیکن اگر تم میں سے بعض کے لئے قید و بند یا قتل مقدر ہے تو

خدا تعالیٰ تمہیں ابدی زندگی بخشے گا اور اپنے خاص شہداء میں جگہ دے گا۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ اُس کی ایسی موت اس کی زندگی سے زیادہ شاندار نہیں۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کا حافظ و ناصر ہو اور تم کو ہر تنگی اور ترشی اور مصیبت اور ابتلاء میں صبر اور توکّل اور ایثار کی توفیق بخشے اور تم اپنا ایمان نہ صرف خدا تعالیٰ کے سامنے سلامت لے جاؤ بلکہ اُس کو نہایت خوبصورت اور حسین بنا کر خدا تعالیٰ کی خدمت میں پیش کرو تا خدا تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولادوں سے (اگر کوئی ہیں) اس سے بھی زیادہ نیک سلوک کرے جتنا تم ان کی زندگی میں ان سے کر سکتے تھے۔

خاکسار

(مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی)

(الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ھُوَالنَّاصِرُ

قادیان

قادیان اس وقت ہندوستان یونین کی دیانتداری کی آزمائش کا محل بنا ہوا ہے۔ قادیان احمدیہ جماعت کا مرکز ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ جس حکومت کے ماتحت رہیں اس کے پورے طور پر فرمانبردار اور مددگار رہیں۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت تھی احمدیہ جماعت ہمیشہ حکومت کے ساتھ تعاون کرتی تھی گو مناسب طریق پر اس کی غلطیوں سے اسے آگاہ بھی کرتی رہتی تھی۔ بعض لوگ جماعت احمدیہ کے اس طریق پر اعتراض کرتے تھے اور اسے انگریزوں کا خوشامدی قرار دیتے تھے۔ جماعت احمدیہ اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہتی تھی کہ ہم صرف انگریزوں کے فرمانبردار نہیں بلکہ افغانستان میں افغانی حکومت کے اور عرب میں عربی حکومت کے۔ مصر میں مصری حکومت کے اور اسی طرح دوسرے ممالک میں اُن کی حکومتوں کے فرمانبردار اور مددگار رہیں ہمارے نزدیک دنیا کا امن بغیر اِس کے قائم ہی نہیں رہ سکتا کہ ہر حکومت میں بسنے والے لوگ اُس کے ساتھ تعاون کریں اور اُس کے مددگار رہوں۔ پچھلے پچاس سال میں جماعت احمدیہ نے اس تعلیم پر عمل کیا ہے اور آئندہ بھی وہ اس تعلیم پر عمل کرے گی۔ جب ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور اُس میں ہندوستان یونین اور پاکستان قائم ہوئے تو اُس وقت بھی جماعت احمدیہ نے اعلان کیا کہ ہندوستان یونین میں رہنے والے احمدی ہندوستان یونین کی پوری طرح اطاعت کریں گے اور پاکستان میں رہنے والے احمدی پاکستان حکومت کے متعلق جانثاری اور اطاعت سے کام لیں گے۔ پاکستان حکومت نے تو ان کے اس اعلان کی قدر کی اور اچھے شہریوں کی طرف اس سے برتاؤ کیا لیکن ہندوستان یونین نے ان کے

اس اعلان کی ذرا بھی قدر نہیں کی اور ۱۶ ؍اگست کے بعد پہلے قادیان کے اِردگرد اور پھر قادیان میں وہ فساد مچوایا کہ جس کی کوئی حد ہی نہیں۔ ایک ایک کر کے احمدی گاؤں کو برباد کیا گیا اور جنہوں نے دفاع کی کوشش کی اُن کو پولیس اور ملٹری نے گولیوں سے مارا۔ جب قادیان کے اِردگرد گاؤں ختم ہوگئے تو پھر قادیان پر حملہ شروع ہوا۔ احمدی جماعت کے معززین یکے بعد دیگرے گرفتار ہونے شروع ہوئے قتل ڈاکے اور خونریزی کے الزام میں۔ گویا وہ جماعت جس نے اپنی طاقت اور قوت کے زمانہ میں قادیان کے رہنے والے کمزور اور قلیل التعداد ہندوؤں اور سکھوں کو کبھی تھپڑ بھی نہیں مارا تھا اس نے تمام علاقہ کے مسلمانوں سے خالی ہو جانے کے بعد اور سکھ پولیس اور ہندو ملٹری کے آجانے کے بعد ان علاقوں میں نکل کر جن میں کوئی مسلمان نہ دن کو جا سکتا تھا نہ رات کو ڈاکے مارے اور قتل کئے اور یہ ڈاکے اور قتل بھی اُن لوگوں نے کئے جو جماعت کے چوٹی کے آدمی تھے جن میں سے بعض ساٹھ سال کی عمر کے تھے، مرکزی نظام کے سیکرٹری تھے اور یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ تھے گویا احمدیہ جماعت جو اپنی عقل اور دانائی میں دنیا بھر میں مشہور تھی اُس وقت اُس کی عقل کا دیوالہ نکل گیا اور سکھ اور ہندو ملٹری کے آنے کے بعد اس نے اپنے مرکزی کارکنوں کو زمیندار سکھوں کو مروانے کے لئے باہر بھیجنا شروع کر دیا اور اس کے گریجوائٹ مبلّغ ڈاکے مارنے کے لئے نکل پڑے۔ شاید پاگل خانہ کے ساکن تو اس کہانی کو مان لیں مگر عقل مند لوگ ان باتوں کو قبول نہیں کر سکتے شاید ہندوستان یونین کے افسر یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا ان کی ہر بے وقوفی کی بات مان لے گی یا شاید وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے سوا باقی ساری دنیا جاہل یا مجنوں ہے۔ ہندوستان یونین کے وزراء نے بار بار یہ اعلان کیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو اپنے مُلک سے نکل جانے پر مجبور نہیں کرتے لیکن قادیان کی مثال موجود ہے کہ ان لوگوں کو جو ہندوستان یونین میں رہنے پر راضی ہی نہیں بلکہ مصر ہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر پولیس اور ملٹری کے زور سے نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قادیان کے متعلق ہندوستان یونین دنیا کو کیا جواب دے گی۔ کیا وہ یہ کہے گی کہ یہ لوگ اپنے مقدس مذہبی مقام کو چھوڑ کر جارہے تھے ہم نے ان کو روکا نہیں یا وہ یہ کہے گی کہ ایک کیپٹن اور ایک پوری کمپنی ملٹری کی وہاں موجود تھی اور اس کے علاوہ پولیس کا تھانہ بھی وہاں موجود تھا ۳۰۳ کی رائفلوں کے

علاوہ سٹین گن اور برین گن بھی موجود تھیں مگر ان کے باوجود ہندوستان یونین ان سکھوں کے حملوں کو نہ روک سکی جو قادیان پر حملہ کر رہے تھے اور ان احمدیوں کو اپنے مکانات خالی کرنے پڑے جن کے بڈھے ہی بقول ہندوستان یونین اِس فتنہ کے زمانہ میں بھی آٹھ آٹھ دس دس میل باہر جا کر سکھوں کو مار رہے تھے اور جن کے مبلغ اور گریجوائٹ اِردگرد کے سکھوں کے دیہات پر جا کر ڈاکے مار رہے تھے۔ کیا دنیا کا کوئی شخص اس کو تسلیم کر سکے گا کہ یہ باہر نکل نکل کر ڈاکے مارنے قتل کرنے والے لوگ ان سکھ جتھوں سے ڈر کر جن کے مالوں کو لوٹنے کے لئے وہ باہر جاتے تھے اپنے مکان چھوڑ دیں گے اور ملٹری اور پولیس بھی ان بہادر سکھوں کے مقابلہ میں بے کار ہو جائے گی جن کے گاؤں میں دو دو احمدی جا کر ڈاکہ مارنے کے قابل ہو سکے اور جنہیں سلسلہ احمدیہ کے بُڈھے سیکرٹری اِردگرد کے علاقوں میں گولیوں کا نشانہ بناتے پھرتے تھے۔ ہر عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کرے گا کہ دونوں کہانیوں میں سے ایک کہانی جھوٹی ہے اور یا پھر دونوں ہی جھوٹی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کہانیاں ہی جھوٹی ہیں۔ آج ہندوستان یونین کے افسر حکومت کے نشہ میں اِس قسم کے افتراء کو معقول قرار دے سکتے ہیں مگر آئندہ زمانہ میں مؤرخ اِن کہانیوں کو دنیا کے بدترین جھوٹوں میں سے قرار دیں گے۔ احمدیہ جماعت قادیان میں بیٹھی ہے اور اپنے عقائد کے مطابق بار بار حکومت کو کہہ چکی ہے کہ ہم یہاں رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم ہمارا یہاں رہنا پسند نہیں کرتے تو ہمیں حکم دے دو پھر ہم تمہارے اس حکم کے متعلق غور کر کے کوئی فیصلہ کریں گے لیکن ہندوستان یونین کے افسر ایسا نہیں کرتے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس سے ان کی ناک کٹ جائے گی اور وہ دنیا میں ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑوں اور پولیس اور ملٹری کی مدد سے بغیر کسی آئینی وجہ کی موجودگی کے احمدیوں کو قادیان سے نکالنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ تازہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند دن سے قادیان جانے والی لاریوں کو سڑک کی خرابی کے بہانہ سے روکا جا رہا ہے لیکن اصل منشاء یہ ہے کہ دنیا سے قادیان کو کاٹ کر وہاں من مانی کارروائیاں کی جائیں چنانچہ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات کو جبکہ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر سے انتظامی معاملات کے متعلق فون پر بات کر رہے تھے انہیں یکدم قادیان کے فون کی آواز آئی اور معلوم

ہوا کہ قادیان کا کوئی شخص ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو فون کر رہا ہے وہ ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو یہ اطلاع دے رہا تھا کہ دو دن سے یہاں گولی چلائی جا رہی ہے قادیان کے دو محلوں کو لوٹا جا چکا ہے اور ان محلوں کے احمدی سمٹ کر دوسرے محلوں میں چلے گئے ہیں اور یہ گولی پولیس اور ملٹری کی طرف سے چلائی جا رہی ہے۔ اس خبر کے سننے کے بعد ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے ڈپٹی کمشنر گورداسپور سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات سنی؟ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں یہ تو اطلاع تھی کہ بھینی پر سکھ حملہ کر رہے ہیں مگر یہ اطلاع نہیں تھی کہ قادیان پر سکھ حملہ کر رہے ہیں گویا بھینی میں انسان نہیں بستے اور وہ ہندوستان یونین کے شہری نہیں اور اس لئے بھینی میں مسلمانوں کا خون بالکل ارزاں ہے اِس پر ڈی۔سی سیالکوٹ نے کہا اب آپ کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو ڈی۔سی گورداسپور نے جواب دیا کہ میں کل سپرنٹنڈنٹ پولیس کو وہاں بھجواؤں گا۔ ڈی سی سیالکوٹ نے اُن کو کہا یہ اس قسم کا اہم معاملہ ہے کہ اِس میں آپ کو خود جانا چاہئے آپ خود کیوں نہیں جاتے؟ انہوں نے کہا اچھا میں خود ہی جاؤنگا۔ اس کے بعد قادیان سے فون پر حالات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی اور اتفاقاً فون مل گیا جو اکثر نہیں ملا کرتا۔ اس فون کے ذریعہ جو حالات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ کل تک ۱۵۰ آدمی مارا جا چکا ہے جن میں سے دو آدمی مسجد کے اندر مارے گئے ہیں۔ احمدیہ کالج پر بھی پولیس اور ملٹری نے قبضہ کر لیا ہے اور دو احمدی محلے لٹوا دیئے ہیں دارالانوار اور دارالرحمت، دارالانوار میں سر ظفر اللہ خان کی کوٹھی بھی اور امام جماعت احمدیہ کا بیرونی گھر بھی لوٹا گیا ہے۔ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ اب ان باتوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں احمدیہ جماعت کا یہ مسلک نہیں کہ وہ حکومت سے ٹکر کھائے اگر سکھ جتھے ایک ایک احمدی کے مقابلہ میں سَو سَو سکھ بھی لائیں گے تو قادیان کے احمدی ان کا مقابلہ کریں گے اور آخر دم تک ان کا مقابلہ کریں گے لیکن جہاں جہاں پولیس اور ملٹری حملہ کرے گی وہ ان سے لڑائی نہیں کریں گے اپنی جگہ پر چمٹے رہنے کی کوشش کریں گے مگر جس جگہ سے ملٹری اور پولیس ان کو زور سے نکال دے گی اُس کو وہ خالی کر دیں گے اور دنیا پر یہ ثابت کر دیں گے کہ ہندوستان یونین کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے کہ جو ہندوستان یونین میں رہنا چاہے خوشی سے رہ سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ لوگ اپنے آدمیوں کی جانیں کیوں خطرہ میں ڈال رہے ہیں آپ قادیان کو فوراً خالی کر دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم قایان میں تین اصول کو مدنظر رکھ کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

اوّل مؤمن کو خدا تعالیٰ کی مدد سے آخر وقت تک مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک ہم کو پکڑ کر نہیں نکالا جاتا، ہمیں کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا کی مشیت اور خدا کا فیصلہ کیا ہے اس لئے احمدی وہاں ڈٹے رہیں گے تا کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ان پر یہ حجت نہ کی جائے کہ خدا کی نصرت تو آ رہی تھی تم نے اس سے پہلے کیوں مایوسی ظاہر کی۔

دوسرے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے احمدیوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہندوستان یونین کے دعوؤں کی آزمائش کریں گے اور یہ حقیقت آشکار کر کے چھوڑیں گے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ کسی کو ہندوستان یونین سے جانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو وہ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ احمدی چاہتے ہیں کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے اور دنیا کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہندوستان یونین کے وزراء جھوٹے ہیں یا سچے۔ بے شک احمدیوں کو وہاں ٹھہرے رہنے میں قربانی کرنی پڑے گی لیکن ان کے وہاں ٹھہرے رہنے سے ایک عظیم الشان حقیقت آشکار ہو جائے گی یا تو دنیا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہندوستان یونین کے افسر نیک نیتی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے مُلک میں امن قائم رکھنا چاہتے تھے اور یا دنیا پر یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ منہ سے کچھ اور کہتے تھے اور ان کے دلوں میں کچھ اور تھا کیونکہ قادیان سے احمدیوں کا نکالا جانا ایک فوری واقعہ نہیں تھا کہ جس کی اصلاح ان کے اختیار میں نہیں تھی۔ قادیان پر حملہ ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ سے چلا آ رہا ہے، اس کے علاوہ خود میں نے پنڈت جواہر لال صاحب نہرو سے باتیں کیں اور اُن کو اس طرف توجہ دلائی۔ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو نے مجھے یقین دلایا کہ ہندوستان یونین ہرگز مسلمانوں کو اپنے علاقے سے نکلنے پر مجبور نہیں کرتی، انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ تین چار دنوں تک وہ فون اور تار کے راستے کھلوانے کی کوشش کریں گے اور دو ہفتہ تک قادیان کی ریل گاڑی کے جاری کروانے کی کوشش کریں گے۔ احمدیہ جماعت کا وفد سردار بلدیو سنگھ صاحب سے بھی ملا اور انہوں نے اصلاح کی ذمہ داری لی اور یہاں تک کہا کہ وہ خود قادیان جا کر ان

معاملات کو درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ احمدیہ جماعت کے وفد نے ہندوستان کے ہائی کمشنر مسٹر سری پرکاش صاحب سے کراچی میں ملاقات کی اور ان کو یہ واقعات بتائے اُنہوں نے کہا میں نے ہندوستان یونین کو اس طرف توجہ دلائی ہے اور دو تاریں اس کے متعلق دی ہیں مگر مجھے جواب نہیں ملا۔ احمدیہ جماعت کا وفد اِس عرصہ میں سردار سمپورن سنگھ صاحب ڈپٹی ہائی کمشنر ہندوستان یونین سے ملا اور متعدد بار ملا اُنہوں نے یقین دلایا کہ اُنہوں نے افسران کی توجہ کو اِس طرف پھیرایا ہے اور اُنہوں نے ایک خط بھی دکھایا جو اُنہوں نے ڈاکٹر بھارگوا صاحب وزیر اعظم مشرقی پنجاب اور سردار سورن سنگھ صاحب ہوم منسٹر مشرقی پنجاب کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہو گیا ہے۔ اب صرف قادیان باقی ہے یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے اور احمدیہ جماعت کا مقدس مذہبی مرکز ہے اسے تباہ کرنے میں مجھے کوئی حکمت نظر نہیں آتی، اگر اس کی حفاظت کی جائے تو یہ زیادہ معقول ہوگا۔ پھر ڈپٹی ہائی کمشنر کے مشورہ سے احمدیہ جماعت کا ایک وفد جالندھر گیا اور ڈاکٹر بھارگوا صاحب اور سردار سورن سنگھ صاحب سے ملا اور چوہدری لہری سنگھ صاحب سے ملا۔ ان لوگوں نے یقین دلایا کہ وہ احمدیہ جماعت کے مرکز کو ہندوستان یونین میں رہنے کو ایک اچھی بات سمجھتے ہیں، اچھی بات ہی نہیں بلکہ قابل فخر بات سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ فوراً اس معاملہ میں دخل دیں گے۔ پھر اس بارہ میں لارڈ مونٹ بیٹن کو بھی متواتر تاریں دی گئیں، مسٹر گاندھی کو بھی متواتر تاریں دی گئیں بہت سے ممالک سے ہندوستان یونین کے وزراء کو تاریں آئیں۔ انگلستان کے نومسلموں کا وفد مسٹر ہینڈرسن سے جو ہندوستان کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ملا۔ مسز وجے لکشمی پنڈت نے بھی اپنے بھائی کو تار دی۔ اس عرصہ میں قادیان کے بہادر باشندے انسانوں کے ڈر کو دل سے نکال کر پولیس ملٹری اور سکھ جتھوں کے مشترکہ حملوں کو برداشت کرتے چلے گئے لیکن اس تمام لمبے زمانہ میں حکومت کی طرف سے کوئی قدم اصلاح کا نہیں اُٹھایا گیا ان واقعات کی موجودگی میں ہندوستان یونین یہ نہیں کہہ سکتی کہ ہمیں اصلاح کا موقع نہیں ملا۔

تیسرے اپنے مقدس مقامات کو یونہی چھوڑ دینا ایک گناہ کی بات ہے۔ جب تک تمام ممکن انسانی کوششیں اس کے بچانے کے لئے خرچ نہ کی جائیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کام میں

احمدیہ جماعت کو بہت سی قربانی کرنی پڑے گی اور بظاہر دنیا کو وہ بیکار نظر آئے گی لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا ہے حقیقت میں وہ بے کار نہیں ہوگی۔ وہ قربانی جو قادیان کے احمدی پیش کریں گے وہ پاکستان کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئے گی اور اگر ہندوستان یونین نے اب بھی اپنا رویہ بدل لیا تو اس کا یہ رویہ ایک پائدار صلح کی بنیاد رکھنے میں ممد ہوگا۔

جماعت احمدیہ کمزور ہے اور ایک علمی جماعت ہے وہ فوجی کاموں سے ناواقف ہے لیکن وہ اسلام کی عزت قائم رکھنے کیلئے اپنے ناچیز خون کو پیش کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ ہمارے سینکڑوں عزیز بھاگتے ہوئے نہیں اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں اور شاید اور بھی مارے جائیں کم سے کم لوکل حکّام کی نیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ سب کے سب مارے جائیں لیکن ہم خدا تعالیٰ سے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور ہمارے دلوں کو صبر اور ایمان بخشے گا۔ ہمارے مارے جانے والوں کی قربانیاں ضائع نہیں جائیں گی۔ وہ ہندوستان میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں کام آئیں گی خدا کرے ایسا ہی ہو۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل لاہور ۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

ہم قادیان کے متعلق پہلے کچھ حالات لکھ چکے ہیں ہم بتا چکے ہیں کہ قادیان اور مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں میں فرق ہے۔ قادیان کے باشندے قادیان میں رہنا چاہتے ہیں لیکن مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں کے باشندوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مشرقی پنجاب میں نہ رہیں۔ ہندوستان یونین کی گورنمنٹ بار بار کہہ چکی ہے کہ ہم کسی کو نکالتے نہیں لیکن قادیان کے واقعات اس کے اس دعویٰ کی کامل طور پر تردید کرتے ہیں۔ حال ہی میں قادیان کے کچھ ذمہ وار افسر گورنمنٹ افسروں سے ملے اور باتوں باتوں میں ان سے کہا کہ آپ لوگ اپنی پالیسی ہم پر واضح کر دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم قادیان کو چھوڑ دیں تو پھر صفائی کے ساتھ اس بات کا اظہار کر دیں۔ افسر مجاز نے جواب دیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں چاہتے ہم چاہتے ہیں کہ آپ قادیان میں رہیں۔ جب اُسے کہا گیا کہ وہ کہاں رہیں پولیس اور ملٹری کی مدد سے سکھوں

نے تو سب محلوں کے احمدیوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور سب اسباب لوٹ لیا ہے آپ ہمارے مکان خالی کرا دیں تو ہم رہنے کیلئے تیار ہیں تو اِس پر افسر مجاز بالکل خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ درحقیقت وہ افسر خود تو دیانتدار ہی تھا لیکن وہ وہی کچھ رٹ لگا رہا تھا جو اسے اوپر سے سکھایا گیا تھا جب اس پر اپنے دعویٰ کا بودا ہونا ثابت ہو گیا تو خاموشی کے سوا اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ شاید دل ہی دل میں وہ ان افسروں کو گالیاں دیتا ہو گا جنہوں نے اسے یہ خلافِ عقل بات سکھائی تھی۔

قادیان کے تازہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی قریباً ختم ہے گندم بھی ختم ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے غذا مہیا کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب تک ایک چھٹانک آٹا بھی گورنمنٹ نے مہیا نہیں کیا۔ عورتوں اور بچوں کو نکالنے کا جو انتظام تھا اس میں دیدہ دانستہ روکیں ڈالی جا رہی ہیں۔ بارش ہوئے کو آج نو دن ہو چکے ہیں، بارش کے بعد قادیان سے دو قافلے آ چکے ہیں۔ اسی طرح قریباً روزانہ ہندوستانی یونین کے ٹرکس فوج یا پولیس سے متعلق قادیان آتے جاتے ہیں اور اس کے ہمارے پاس ثبوت موجود ہیں۔ چار تاریخ کو پولیس کا ایک ٹرک قادیان سے چل کر واہگہ تک آیا۔ تین تاریخ کو پاکستان کے اُن فوجی افسروں کے سامنے جو گورداسپور کی فوج سے قادیان جانے کی اجازت لینے گئے تھے ایک فوجی افسر نے آ کر میجر سے پوچھا کہ وہ ٹرک جو قادیان جانا تھا کس وقت جائے گا؟ پاکستانی افسروں کی موجودگی میں اِس سوال کو سُن کر میجر گھبرا گیا اور اُس کو اشارہ سے کہا چلا جا اور پھر پاکستانی افسروں کو کہا اس شخص کو غلطی لگی ہے۔ قادیان کوئی ٹرک نہیں جا سکتا۔ چار ہی تاریخ کو پاکستان کے جو ٹرک قادیان گئے تھے اور اُن کو بٹالہ میں روکا گیا تھا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو ملٹری کے ٹرک قادیان سے بٹالہ آئے۔ سب سے کھلا ثبوت اس بات کے غلط ہونے کا تو یہ ہے کہ انہی تاریخوں میں جن میں کہا جاتا ہے کہ قادیان جانے والی سڑک خراب ہے، پُرانی ملٹری قادیان سے باہر آئی ہے اور نئی ملٹری قادیان گئی ہے کیا یہ تبدیلی ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے یقیناً ٹرکوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ پس یہ بہانہ بالکل غلط ہے اور اصل غرض صرف یہ ہے کہ قادیان کے باشندوں کو جنہوں نے استقلال کے ساتھ مشرقی پنجاب میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے

اِس جرم میں ہلاک کر دیا جائے کہ وہ کیوں مشرقی پنجاب میں سے نکلتے نہیں۔ منہ سے کہا جاتا ہے کہ ہم کسی کو نکالتے نہیں لیکن عمل سے اِس کی تردید کی جاتی ہے۔ یہ بات اخلاقی لحاظ سے نہایت ہی گندی اور نہایت ناپسندیدہ ہے۔ جماعت احمدیہ نے مسٹر گاندھی کے پاس بھی بار بار اپیل کی ہے، تاریں بھی دی ہیں اور بعض خطوط بھی لکھے ہیں لیکن مسٹر گاندھی کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں۔ مسٹر نہرو کو بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر وہ بھی بڑے کاموں میں مشغول ہیں۔ چند ہزار بے گناہ انسانوں کا مارا جانا ایسا معاملہ نہیں ہے جس کی طرف یہ بڑے لوگ توجہ کرسکیں۔ ایک چھوٹی سی مذہبی جماعت کے مقدس مقامات کی ہتک ان بڑے آدمیوں کے لئے کوئی قابلِ اعتنا بات نہیں اگر اس کا سَوا اں حصہ بھی انگریز قادیان میں بس رہے ہوتے اور ان کی جان کا خطرہ ہوتا تو لارڈ مونٹ بیٹن [۵] کو حقوقِ انسانیت کا جذبہ فوراً بے تاب کر دیتا۔ مسٹر گاندھی بیسیوں تقریریں انگریزوں کے خلاف کارروائی کرنے والوں کے متعلق پبلک کے سامنے کر دیتے۔ مسٹر نہرو کی آفیشل مشین فوراً متحرک ہو جاتی مگر کمزور جماعتوں کا خیال رکھنا خدا تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہی غریبوں کا والی وارث ہوتا ہے یا وہ انہیں ایسی تکالیف سے بچاتا ہے اور یا پھر وہ ایسے مظلوموں کا انتقام لیتا ہے ہم تمام شریف دنیا کے سامنے اپیل کرتے ہیں کہ اس ظلم کے دور کرنے کی طرف توجہ کریں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پاکستان گورنمنٹ اِس ظلم کو دور کرنے میں کیوں بے بس ہے۔ بجائے اس کے کہ ان باتوں کو سُن کر پاکستان گورنمنٹ کے متعلقہ حُکام کوئی مؤثر قدم اُٹھاتے انہوں نے بھی یہ حکم دے دیا ہے کہ چونکہ قادیان کی سڑک کو مشرقی پنجاب نے ناقابلِ سفر قرار دیا ہے اس لئے آئندہ ہماری طرف سے بھی کوئی کانوائے وہاں نہیں جائے گی۔ حالانکہ انہیں چاہئے یہ تھا کہ جب مغربی پنجاب کے علاقوں میں بھی بارش ہوئی ہے تو وہ ان علاقوں کو بھی ناقابلِ سفر قرار دے دیتے اور مشرقی پنجاب جانے والے قافلوں کو روک لیتے۔ قادیان کے مصائب کو کم کرنے کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ قادیان کو ریفیوجی کیمپ قرار دے دیا جاتا لیکن دونوں گورنمنٹیں یہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ ریفیوجی کیمپ وہی گورنمنٹ مقرر کرے گی جس کی حکومت میں وہ علاقہ ہو۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جو معاہدہ ہوا اُس کی پابندی کی جائے لیکن سوال تو یہ ہے کہ اگر بار بار توجہ دلانے کے

بعد بھی ہندوستان یونین مسلمان پناہ گزینوں کے بڑے بڑے کیمپوں کو ریفیوجی کیمپ قرار نہیں دیتی تو پاکستان کی حکومت کیوں مشرقی پنجاب کے پناہ گزینوں کے نئے مقامات کو ریفیوجی کیمپ قرار دے رہی ہے۔ حال ہی میں پاکستان گورنمنٹ نے پانچ نئے ریفیوجی کیمپ مقرر کئے جانے کا اعلان کیا ہے۔ کیا وہ اس کے مقابلہ میں ہندوستان یونین سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتی کہ تم بھی ہماری مرضی کے مطابق پانچ نئے کیمپ بناؤ۔ ہمیں موثق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ حال ہی میں ہندوستان یونین نے ڈیرہ اسماعیل خان میں ریفیوجی کیمپ بنانے کا مطالبہ کیا ہے جہاں صرف پانچ ہزار پناہ گزین ہیں۔ پاکستانی حکومت کو چاہئے کہ ہندوستان یونین سے کہے کہ اگر ڈیرہ اسماعیل خان میں کیمپ بنانا چاہتے ہو تو قادیان میں بھی کیمپ بناؤ۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پاکستانی حکومت کا رعب کم ہوتا جائے گا اور ہندوستان یونین کے مطالبات بڑھتے جائیں گے اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہوتے چلے جائیں گے۔

تازہ آفیشل رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک سولہ لاکھ چھیالیس ہزار سات سَو پچاس مسلمان مشرقی پنجاب کے کیمپوں میں پڑے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں صرف سات لاکھ سینتالیس ہزار دوسَو بہتر غیر مسلم مغربی پنجاب میں ہیں۔ ہمارے حساب سے تو یہ اندازہ بھی غلط ہے۔ مسلمان ساڑھے سولہ لاکھ نہیں ۲۵۔ ۲۶ لاکھ کے قریب مشرقی پنجاب میں پڑے ہیں اور خطرہ ہے کہ اپنے حقوق کو استقلال کے ساتھ نہ مانگنے کے نتیجہ میں یہ سات لاکھ غیر مسلم بھی جلدی سے اُدھر نکل جائے گا اور ۲۵ لاکھ مسلمانوں میں سے بمشکل ایک دو لاکھ اِدھر پہنچے گا یا کوئی اتفاقی بچ نکلا ورنہ جو کچھ سکھ جتھے اور سکھ ملٹری اور پولیس ان سے کر رہی ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی اُمید اِن کے بچنے کی نظر نہیں آتی۔ بعض چھوٹے افسر یہ کہتے بھی سُنے گئے ہیں کہ مغربی پنجاب اتنے پناہ گزینوں کو سنبھال نہیں سکتا۔ پس جتنے مسلمان اِدھر مرتے ہیں اس سے آبادی کا کام آسان ہو رہا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک خیال ہے ہمیں یقین ہے مغربی پنجاب کی حکومت کے اعلیٰ حکام اور وزراء کا یہ خیال نہیں مگر اس قسم کا خیال چند آدمیوں کے دلوں میں بھی پیدا ہونا قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو جلدی منظّم ہو جانا چاہئے اور جلد اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی سعی کرنی چاہئے اگر آج تمام

مسلمان منظّم ہو جائیں اور اگر آج بھی حکومت اور رعایا کے درمیان مضبوط تعاون پیدا ہو جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان اس ابتلائے عظیم میں سے گزرنے کے بعد بھی بچ سکتا ہے اور ترقی کی طرف اس کا قدم بڑھ سکتا ہے۔

(الفضل ۹؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کچھ تو ہمارے پاس رہنے دو

پنجاب میں اس وقت جو تباہی اور بربادی آئی ہے اس کا اندازہ نہ الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے نہ خیالات سے۔ بغیر کسی اشتعال کے، بغیر کسی وجہ کے خدا کے بندوں کا قتل عام اس طرح شروع کر دیا جاتا ہے کہ حیرت ہی آتی ہے کہ خدا کے بندوں نے خدا کو کس طرح بُھلا دیا ہے۔ قتل تو اشتعال کے وقت بھی ناجائز ہے لیکن بلا اشتعال کے، بغیر کسی وجہ کے قتل اور عورتوں بچوں کا قتل ایسا فعل ہے جس کو دنیا کا کوئی مذہب بھی جائز قرار نہیں دیتا، دنیا کی کوئی تہذیب بھی اسے روا نہیں سمجھتی۔ سیاسی لڑائی ہی سہی، مُلکی جھگڑا ہی سہی، لیکن اس سیاسی لڑائی یا اس مُلکی جھگڑے میں ان عورتوں اور بچوں کا کیا دخل ہے جو بے تحاشا مارے جاتے ہیں، اُن بوڑھوں اور ضعیفوں کا کیا دخل ہے جو برسرِ عام قتل کئے جاتے ہیں۔ ہندو سکھ مسلمان کے دشمن سہی، مسلمان ہندو سکھوں کے دشمن سہی لیکن ایسٹرن پنجاب کے مسلمان کی جائداد پر ایک عام سکھ یا ہندو کا کیا حق ہے اور مغربی پنجاب کے سکھ یا ہندو کی جائداد پر ایک عام مسلمان کا کیا حق ہے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمان کی جائداد مشرقی پنجاب کی حکومت کی کفالت میں ہے اور مغربی پنجاب کے ہندو سکھ کی جائداد مغربی پنجاب کی حکومت کی کفالت میں ہے۔ پس مشرقی پنجاب کے ہندو اور سکھ کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ مشرقی پنجاب کو چھوڑنے والے مسلمان کی جائداد کو نہ چھوئے اور مغربی پنجاب کے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہندو اور سکھ کی جائداد کو ہرگز نہ چھوئے۔ دونوں گورنمنٹیں دونوں جائدادوں کی کفیل رہیں۔ اگر دونوں طرف کے باشندے پھر اپنے اپنے مُلک میں آباد ہونا چاہیں تو وہ مال حکومتیں ان کے سپرد کر دیں اور اگر وہ اپنے مُلک میں واپس نہ جانا چاہیں گے تو حکومتیں باہمی حساب کر کے ہر ایک کی جائداد کی قیمت مالکوں میں بانٹ دیں اگر کچھ جائداد لاوارث ہوگی تو اس کی وارث مشرقی پنجاب میں مشرقی حکومت ہوگی اور مغربی پنجاب

میں پاکستان کی حکومت ہوگی۔ یہی اسلامی حکم ہے اور اسی کی تصدیق عقل کرتی ہے۔ ہندو اور سکھ مسلمان نہیں مگر وہ عقل کا تو دعویٰ کرتا ہے اور مسلمان کے دماغ میں عقل بھی ہے اور وہ ساتھ ہی مسلمان بھی ہے۔ اس طرح اسے دُہری راہنمائی اور دُہری ہدایت حاصل ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس پر عمل نہیں ہو رہا۔ کثرت کے ساتھ مسلمان اخبارات میں یہ خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کی جائداد کو نہ لُوٹا جائے لیکن بعض لوگ لُوٹ رہے ہیں اور مشرقی پنجاب میں تو یہ بات اتنی زیادہ ہے کہ اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن مشرقی پنجاب کا یہ ظلم ہمیں اپنے فرائض سے بری الذمہ نہیں کر دیتا۔ ہم دنیا کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے ہمارا لاکھ لُوٹا تھا ہم نے ان کا دس ہزار لُوٹا ہے کیونکہ دنیا کا ہر معقول انسان ہمیں کہے گا کہ کیا تمہارا لاکھ لُوٹنے والا انسان وہی تھا جس کا تم نے دس ہزار روپیہ لیا تھا؟ اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے کیونکہ واقعہ میں وہ وہ آدمی نہیں تھا۔ اس پر مزید غضب یہ ہے کہ مغربی پنجاب میں اکثر لُوٹنے والے مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے نہیں مغربی پنجاب کے لوگ ہیں اور مشرقی پنجاب میں لُوٹنے والے اکثر مشرقی پنجاب کے باشندے ہیں مغربی پنجاب کے گئے ہوئے لوگ نہیں۔ گویا ظلم سے لُوٹا ہوا مال بھی ان لوگوں کو نہیں ملتا جن کے مال لُوٹے گئے ہیں ان لوگوں کو ملتا ہے جن کے گھر اور جائدادیں محفوظ ہیں۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں ایسے تمام لاوارث مال شریعت اسلامیہ کے رو سے حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔ پس پاکستان کے علاقہ کا جو مال ہندو اور سکھ چھوڑ جاتا ہے وہ کسی مسلمان کا نہیں وہ حکومت پاکستان کا ہے اور جو شخص اس مال کو لُوٹتا ہے وہ ہندو سکھ کو نہیں لُوٹتا پاکستان کو لُوٹتا ہے۔ جب امن ہوگا اور باہمی سمجھوتہ ہوگا تو حکومت پاکستان کو ان چیزوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی اور جب ایسا ہوا پاکستان کی حکومت کو مالی طور پر بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ کیا یہ دیانتداری ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ خود اپنی ہی حکومت کی جڑیں کاٹی جائیں؟

جس طرح افراد کو حق نہیں کہ افراد کا مال لُوٹیں اسی طرح افراد کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ غیر قوموں کے افراد کو ان کے دوسرے بھائیوں کے ظلموں کی وجہ سے اپنے مُلک میں تنگ کریں۔ اس بارہ میں بھی مسلمان اخبارات نہایت دلیری سے بار بار پبلک کو توجہ دلا چکے ہیں مگر

ہمیں افسوس ہے کہ اب تک پبلک نے اپنی ذمہ داری کو نہیں سمجھا۔ ہر سمجھانے والے کو یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پنجاب کو دیکھو وہاں مسلمانوں پر کیا ظلم ہو رہا ہے مگر ایسا کہنے والا یہ غور نہیں کرتا کہ خود اسی کا جواب اسے مجرم بنا رہا ہے۔ مشرقی پنجاب کا سکھ اور ہندو کیوں ظالم ہے اس لئے کہ اسے وہاں کے مسلمان کو دکھ دینے یا قتل کرنے کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں۔ اگر یہ اصول ٹھیک ہے تو کیا یہ اصول اس مسلمان پر چسپاں نہیں ہوتا جو مغربی پنجاب میں کسی ایسے سکھ یا ہندو کو دِق کرتا یا اسے قتل کرتا ہے جو مغربی پنجاب کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور ہمارے ساتھ رہنے پر رضا مند ہے۔ اگر اس سکھ یا ہندو کو مارنا یا دِق کرنا ہمارے لئے جائز ہے تو پھر مشرقی پنجاب کے سکھ اور ہندو پر بھی ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ یہ درندوں والا قانون ہے اور اسی درندوں والے قانون پر وہ عمل کر رہا ہے اور ہم سے بہت زیادہ زور سے وہ عمل کر رہا ہے۔ اگر یہ فعل قابلِ تعریف بات ہے تو مشرقی پنجاب کا سکھ اور ہندو ہم سے بہت زیادہ قابلِ تعریف کام کر رہا ہے۔ کیونکہ جتنے سکھ ہندو، مسلمان مارتے ہیں ان سے کئی گناہ زیادہ مسلمانوں کو وہ قتل کر رہا ہے۔ وہ ہم سے کئی گنا زیادہ مسلمانوں کو دِق کر رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ بارہا یہودیوں اور عیسائیوں سے فرماتا ہے کہ تم مسلمان تو نہیں مگر کسی مذہب کو تو ماننے والے ہو کم سے کم تمہیں اپنے مذہب پر تو عمل کرنا چاہئے۔ جب تک تم اپنے مذہب پر عمل نہ کرو اُس وقت تک تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ یہ قانون ہمیں بھی اپنے متعلق یاد رکھنا چاہئے۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہم سکھ اور ہندو نہیں کہ ہم سکھوں اور ہندوؤں کا طریق اختیار کریں۔ مصر کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک عیسائی روزانہ یہ تقریر لوگوں کے اندر کیا کرتا کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے[۶] اور اس سے وہ اپنے مذہب کی فضیلت ثابت کیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک مسلمان وہاں سے گزرا اور اس نے آگے بڑھ کر ایک تھپڑ اُسے مارا۔ پادری نے اس کو پکڑ لیا اور پولیس کو آواز دی۔ اس شخص نے کہا پادری صاحب! آپ تو روزانہ وعظ کیا کرتے ہیں کہ انجیل کی تعلیم نہایت اعلیٰ ہے وہ کہتی ہے کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو اپنا دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔ پادری نے جواب میں کہا مگر آج تو میں

اسلام ہی کی تعلیم پر عمل کروں گا کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو آئندہ کے لئے میں یہاں کام نہیں کر سکوں گا۔ خواہ وہ مسلمان جس نے اس پادری کو تھپڑ مارا تھا پکڑا ہی گیا ہو اور اسے سزا بھی ملی ہو پھر بھی اس نے اسلامی تعلیم کی فوقیت تو ثابت کروا لی اور عیسائی سے اقرار کروا لیا کہ وہ اپنی تعلیم پر عمل نہیں کرسکتا۔ کیا ہم بھی دنیا کے سامنے یہی کہیں گے کہ بے شک اسلام کی اخلاقی تعلیم بہت اعلیٰ ہے مگر اِس وقت ہم ہندوؤں اور سکھوں کا طریق ہی اختیار کریں گے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ ایسا کہنے کے بعد اسلام کی دشمنوں کی نظر میں کیا وقعت رہ جائے گی۔ ہماری جانیں، ہمارے مال، ہماری عزتیں مشرقی پنجاب میں برباد ہوئیں۔ اگر مغربی پنجاب میں ہمارا ایمان سلامت رہ جائے اور اس شورش اور فساد کے وقت میں ہم دنیا کو یہ بتا سکیں کہ اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے امن اور صلح قائم ہوسکتی ہے تو ہم گھاٹے میں نہیں رہیں گے۔ مال دشمن کے پاس چلا جائے گا ایمان ہم کو مل جائے گا لیکن اگر یہ بات نہ ہوئی، اگر ہم نے یہاں وہی طور طریقہ اختیار کیا جو سکھ اور ہندو مشرقی پنجاب میں اختیار کررہا ہے تو ہمارے پاس کچھ بھی تو باقی نہیں رہے گا نہ دین نہ دنیا۔

پس ہم تمام احباب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ مُلک میں یہ جذبہ پیدا کریں کہ اس موقع پر وہ اسلامی طریق کو اختیار کریں۔ انتقام لینا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے پبلک کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ حکومت کو توجہ دلاؤ کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرے مگر خود قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ جب ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھوں تو چونکہ اسلام نے زانی کی سزا رجم مقرر فرمائی ہے تب میں اُس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں حکومت کو اطلاع دو اور حکومت کو اپنا قانون خود جاری کرنے دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم خدا تعالیٰ کی نگاہ میں قاتل سمجھے جاؤ گے۔ [ے] دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کس طرح حکومت کی ذمہ داریوں کو حکومت کے سپرد رکھنے کی تاکید کی ہے۔ ہمیں یہ حکم نہیں بھولنا چاہئے اور حکومت کی ذمہ واریوں کو اپنے قبضہ میں نہیں لینا چاہئے۔ یقیناً یہ بات ہم پر گراں گزرتی ہے ہر رپورٹ جو ہم کو مشرقی پنجاب سے پہنچے گی ہمارے جذبات کو اُبھارے گی، ہماری طبیعت میں غصہ پیدا کرے گی، ہمارے اعصاب کھنچنے لگ جائیں گے

اور ہمارے سر کی طرف خون چڑھنا شروع ہو جائے گا لیکن ہمیں اپنے طبعی جذبات کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اخلاق کے تابع رکھنا چاہئے۔ اسی سے دنیا میں ہماری عزت ہوگی اور اسی سے ہمارے دین کی بھلائی ہوگی۔

جو ہندو یا سکھ ہمارے مُلک میں رہنا چاہیں ہمیں اُن کو اپنی امانت سمجھنا چاہئے اور جو لوگ اپنا مال چھوڑ گئے ہیں ہمیں اس مال کو پاکستان کی امانت سمجھنا چاہئے۔ سابق مسلمانوں نے تو اپنے اخلاق کے ایسے شاندار نمونے چھوڑے ہیں کہ ہمیں اپنے لئے کسی نئے رستہ کے تجویز کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ سپین کے ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے مار دیا۔ قاتل دَوڑ کر ایک بڑے محل میں داخل ہوا اور اس کے مالک سے کہا میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں مجھے پکڑنے کے لئے لوگ آ رہے ہیں۔ اس رئیس نے اسے اپنے مکان کے پچھواڑے میں کسی جگہ بند کر دیا جب وہ باہر نکلا تو آگے سے اسے پولیس ملی جس نے ایک لاش اُٹھائی ہوئی تھی وہ لاش انہوں نے اس کے آگے رکھ دی اور اسے بتایا کہ اس کا اکلوتا بیٹا ایک شخص نے مار دیا ہے اور وہ اس کے قاتل کی تلاش کر رہے ہیں۔ وہ اس طرف بھاگا ہوا آیا ہے مگر ابھی تک اُنہیں مل نہیں سکا۔ رئیس نے سمجھ لیا کہ وہ شخص جس کو اِس نے پیچھے مکان میں چھپایا ہے وہی اِس کے بیٹے کا قاتل ہے۔ مگر وہ سچا مسلمان تھا اپنا قول دے چکا تھا۔ پولیس کو اُس نے رخصت کیا اور اُس کمرہ کی طرف گیا جس میں اُس نے قاتل کو چھپا رکھا تھا۔ کمرہ کھول کر اُس نے کچھ روپیہ اِس قاتل کے ہاتھ میں رکھا اور کہا کہ پچھواڑے کی طرف سے نکل کر بھاگ جاؤ۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ یہ روپیہ میں تمہیں دیتا ہوں تاکہ تمہارے بھاگنے میں مدد دے۔ باقی مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ تم قاتل ہو اور جس شخص کو تم نے مارا ہے وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے مگر مسلمان غدار نہیں ہوتا میں تمہیں پناہ دے چکا ہوں اب میں تم پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ اسلامی اخلاق ہیں جن کی وجہ سے اسلام دنیا میں پھیلا، یہ اسلامی اخلاق ہیں جن کی وجہ سے اسلامی مبلّغوں کے سامنے تمام دنیا کی آنکھیں نیچی رہتی تھیں۔ ہمیں پھر ان اسلامی اخلاق کو زندہ کرنا چاہئے۔ غم و غصہ سے ہمارے دل مرتے ہیں تو مرنے دو کٹتے ہیں تو کٹنے دو۔ ہمارے مدنظر صرف ایک چیز رہنی چاہئے کہ اسلام زندہ ہو اور اسلام کی فوقیت دنیا کے تمام مذہبوں اور طریقوں پر ظاہر ہو۔ (الفضل لاہور ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

قادیان کی خونریز جنگ

اکتوبر کی پہلی تاریخ کو جب گورداسپور کی ملٹری نے قادیان میں کنوائے جانے کی ممانعت کر دی تو میں اُسی وقت سمجھ گیا تھا کہ اب قادیان پر ظلم توڑے جائیں گے۔ لاہور میں کئی دوستوں کو میں نے یہ کہہ دیا تھا اور مغربی پنجاب کے بعض حُکّام کو بھی اپنے اس خیال کی اطلاع دے دی تھی۔ اِس خطرہ کے مدِنظر ہم نے کئی ذرائع سے مشرقی پنجاب کے حُکّام سے فون کر کے حالات معلوم کئے لیکن ہمیں یہ جواب دیا گیا کہ قادیان میں بالکل خیریت ہے اور احمدی اپنے محلوں میں آرام سے بس رہے ہیں صرف سڑکوں کی خرابی کی وجہ سے کنوائے کو روکا گیا لیکن جب اِس بات پر غور کیا جاتا کہ لاہور اِوَیکیویشن (Evacuation) کمانڈر کی طرف سے مشرقی پنجاب کے ملٹری حُکّام کو بعض کنوائز کی اطلاع دی گئی اور اُنہیں کہا گیا کہ اگر قادیان کی طرف کنوائے جانے میں کوئی روک ہے تو آپ ہم کو بتا دیں۔ میجر چمنی سے بھی پوچھا گیا اور بریگیڈ یئر پرنج پائے متعینہ گورداسپور سے بھی پوچھا گیا تو ان سب نے اطلاع دی کہ قادیان جانے میں کوئی روک نہیں باوجود اِس کے جب کنوائے گئے تو ان کو بٹالہ اور گورداسپور سے واپس کر دیا گیا۔ یہ واقعات پہلے شائع ہو چکے ہیں ان واقعات نے میرے شبہات کو اور بھی قوی کر دیا۔ آخر ایک دن ایک فون جو قادیان سے ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے نام کیا گیا تھا اتفاقاً سیالکوٹ میں بھی سنا گیا معلوم ہوا کہ قادیان پر دو دن سے حملہ ہو رہا ہے اور بے انتہاء ظلم توڑے جا رہے ہیں۔ پولیس حملہ آوروں کے آگے آگے چلتی ہے اور گولیاں مار مار کر احمدیوں کا صفایا کر رہی ہے تب اصل حقیقت معلوم ہوئی۔

دوسرے دن ایک سب انسپکٹر پولیس جو چھٹی پر قادیان گیا ہوا تھا کسی ذریعہ سے جس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں لاہور پہنچا اور اُس نے بہت سی تفاصیل بیان کیں۔ اُس کے بعد ایک ملٹری گاڑی میں جو قادیان بعض مغربی پنجاب کے افسروں اور بعض مشرقی پنجاب کے افسروں کو جو قادیان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی میں بعض اور لوگ تھے جنہوں نے اور تفصیل بیان کی۔ اِن حالات سے معلوم ہوا کہ حملہ سے پہلے کرفیو لگا دیا گیا تھا پہلے قادیان کی پرانی آبادی پر جس میں احمدیہ جماعت کے مرکزی دفاتر واقع ہیں حملہ کیا گیا۔ اس حصہ کے لوگ اس حملہ کا مقابلہ کرنے لگے اُنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ باہر کے محلوں پر بھی تھوڑی دیر بعد حملہ کر دیا گیا ہے یہ لوگ سات گھنٹہ تک لڑتے رہے اور اس خیال میں رہے کہ یہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے باہر کے مقام محفوظ ہیں چونکہ جماعت احمدیہ کا یہ فیصلہ تھا کہ ہم نے حملہ نہیں کرنا بلکہ صرف دفاع کرنا ہے اس لئے تمام محلوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب تک ایک خاص اشارہ نہ کیا جائے کسی محلّہ کو باقاعدہ لڑائی کی اجازت نہیں۔ جب افسر یہ تسلی کر لیں کہ حملہ اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ اب کوئی شخص یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ احمدیہ جماعت نے مقابلہ میں ابتداء کی ہے وہ مقررہ اشارہ کریں گے اُس وقت جماعت منظّم طور پر مقابلہ کرے گی۔ اس فیصلہ میں ایک کوتاہی رہ گئی وہ یہ کہ اس بات کو نہیں سوچا گیا کہ اگر پولیس بیرونی شہر اور اندرونی شہر کے تعلقات کو کاٹ دے تو ایک دوسرے کے حالات کا علم نہ ہو سکے گا۔ پس ان حالات میں ہر محلّہ کا الگ کمانڈر مقرر ہو جانا چاہئے جو ضرورت کے وقت آزادانہ کارروائی کر سکے۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ قادیان کے لوگ فوجی تجربہ نہیں رکھتے وہ تو مبلّغ ، مدرّس ، پروفیسر ، تاجر اور زمیندار ہیں ہر قسم کے فوجی نقطۂ نگاہ پر حاوی ہونا ان کے لئے مشکل ہے۔ بہر حال یہ غلطی ہوئی اور باہر کے محلوں نے اس بات کا انتظار کیا کہ جب ہم کو وہ اشارہ ملے گا تب ہم منظّم مقابلہ کریں گے لیکن اُس وقت اتفاق سے سب ذمہ دار کارکن مرکزی دفاتر میں تھے اور باہر کے محلوں میں کوئی ذمہ دار افسر نہیں تھا اور مرکز کے لوگ غلطی سے یہ سمجھ رہے تھے کہ حملہ صرف مرکزی مقام پر ہے باہر کے محلوں پر نہیں اور باہر کے محلے یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے حالات کا علم مرکزی محلّہ کو ہو گا کسی مصلحت کی وجہ سے اُنہوں نے ہمیں مقابلہ کرنے کا اشارہ نہیں کیا۔ سات گھنٹہ کی لڑائی کے بعد جب مرکزی

محلّہ پر زور بڑھا تو مرکزی محلّہ کی حفاظت کیلئے معیّن اشارہ کیا گیا مگر اُس وقت تک بہت سے بیرونی محلوں کو پولیس اور ایک حد تک ملٹری کے حملے صاف کروا چکے تھے۔ حملہ آوروں کی بہادری کا یہ حال تھا کہ سات گھنٹے کے حملہ کے بعد جب جوابی حملہ کا بگل بجایا گیا تو پانچ منٹ کے اندر پولیس اور حملہ آور جتھے بھاگ کر میدان خالی کر گئے۔ ان حملوں میں دوسَو سے زیادہ آدمی مارے گئے لیکن ان کی لاشیں جماعت کو اُٹھانے نہیں دی گئیں تا ان کی تعداد کا بھی علم نہ ہو سکے اور ان کی شناخت بھی نہ ہو سکے بغیر جنازہ کے اور بغیر اسلامی احکام کی ادائیگی کے یہ لوگ، ظالم مشرقی پولیس کے ہاتھوں مختلف گڑھوں میں دبا دیئے گئے تا کہ دنیا کو اُس ظلم کا اندازہ نہ ہو سکے جو اُس دن قادیان میں مشرقی پنجاب کی پولیس نے کیا تھا۔ مشرقی پنجاب کے بالا حکام سے جو ہمیں اطلاع ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقامی حُکّام نے مرکزی حُکّام کو صرف یہ اطلاع دی کہ سکھ جتھوں نے احمدی محلوں پر حملہ کیا۔ تیس آدمی سکھ جتھوں کے مارے گئے اور تیس آدمی احمدیوں کے مارے گئے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دوسَو سے زیادہ قادیان میں احمدی مارے گئے جن میں کچھ غیر احمدی بھی شامل تھے جیسا کہ آگے بتایا جائے گا اور سکھ بھی تیس سے زیادہ مارے گئے کیونکہ گو اس غلطی کی وجہ سے جو اوپر بیان ہو چکی ہے منظّم مقابلہ نہیں کیا لیکن مختلف آدمی بھی حفاظتی چوکیوں پر تھے انہوں نے اچھا مقابلہ کیا اور بہت سے حملہ آوروں کو مارا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب باہر سے پولیس اور سکھ حملہ کر رہے تھے اور ملٹری بھی ان کے ساتھ تھی (گو کہا جاتا ہے کہ ملٹری کے اکثر سپاہیوں نے ہوا میں فائر کئے ہیں) اُس وقت کچھ پولیس کے سپاہی محلوں کے اندر گھس گئے اور انہوں نے احمدیوں کو مجبور کیا کہ یہ کرفیو کا وقت ہے اپنے گھروں میں گھس جائیں چنانچہ ایک احمدی گریجوایٹ جو اپنے دروازے کے آگے کھڑا تھا اُسے پولیس مین نے کہا کہ تم دروازے کے باہر کیوں کھڑے ہو؟ جب اس نے کہا کہ یہ میرا گھر ہے میں اپنے گھر کے سامنے کھڑا ہوں تو اُسے شوٹ کر دیا گیا اور جب وہ تڑپ رہا تھا تو سپاہی نے سنگین سے اُس پر حملہ کر دیا اور تڑپتے ہوئے جسم پر سنگین مار مار کر اُسے مار دیا۔ اس کے بعد بہت سے محلوں کو لُوٹ لیا گیا اور اب ان کے اندر کسی ٹوٹے پھوٹے سامان یا بے قیمت چیزوں کے سوا کچھ باقی نہیں۔ مرکزی حصہ پر جو حملہ ہوا اس میں ایک شاندار واقعہ ہوا ہے جو قرونِ اولیٰ کی قربانیوں کی یاد دلاتا

ہے۔ جب حملہ کرتے ہوئے پولیس اور سکھ شہر کے اندر گھس آئے اور شہر کے مغربی حصہ کے لوگوں کو مار پیٹ کر خالی کرانا چاہا اور وہ لوگ مشرقی حصہ میں منتقل ہو گئے تو معلوم ہوا کہ گلی کے پار ایک گھر میں چالیس عورتیں جمع تھیں وہ وہیں رہ گئی ہیں انہیں افسران نکلوانے کے لئے گلی کے سرے پر جو مکان تھا وہاں پہنچے اور ان کے نکالنے کے لئے دو نوجوانوں کو بھیجا۔ یہ نوجوان جس وقت گلی پار کرنے لگے تو سامنے کی چھتوں سے پولیس نے ان پر بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں اور وہ لوگ واپس گھر میں آنے پر مجبور ہو گئے تب لکڑی کے تختے منگوا کر گلی کے مشرقی اور مغربی مکانوں کی دیواروں پر رکھ کر عورتوں کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی گئی جو نوجوان اس کام کے لئے گئے ان میں ایک غلام محمد صاحب ولد مستری غلام قادر صاحب سیالکوٹ تھے اور دوسرے عبدالحق نام قادیان کے تھے جو احمدیت کی طرف مائل تو تھے مگر ابھی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ دونوں نوجوان برستی ہوئی گولیوں میں سے تختے پر سے کودتے ہوئے اُس مکان میں چلے گئے جہاں چالیس عورتیں محصور تھیں اُنہوں نے ایک ایک عورت کو کندھے پر اُٹھا کر تختے پر ڈالنا شروع کیا اور مشرقی مکان والوں نے انہیں کھینچ کھینچ کر اپنی طرف لانا شروع کیا جب وہ اپنے خیال میں سب عورتوں کو نکال چکے اور خود واپس آ گئے تو معلوم ہوا کہ اُنتالیس عورتیں آئی ہیں اور ایک بڑھیا عورت جو گولیوں سے ڈر کے مارے ایک کونے میں چھپی ہوئی تھی رہ گئی ہے۔ اب اِرد گرد کی چھتوں پر پولیس جتھوں کا ہجوم زیادہ ہو چکا تھا گولیاں بارش کی طرح گر رہی تھیں اور بظاہر اس مکان میں واپس جانا ناممکن تھا مگر میاں غلام محمد صاحب ولد میاں غلام قادر صاحب سیالکوٹی نے کہا کہ جس طرح بھی ہو میں واپس جاؤں گا اور اس عورت کو بچا کر لاؤں گا اور وہ برستی ہوئی گولیوں میں جو نہ صرف درمیانی راستہ پر برسائی جا رہی تھیں بلکہ اُس گھر پر بھی برس رہی تھیں جہاں احمدی کھڑے ہوئے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے کود کر اُس تختے پر چڑھ گئے جو دونوں مکانوں کے درمیان پُل کے طور پر رکھا گیا تھا جب وہ دوسرے مکان میں کود رہے تھے تو رائفل کی گولی ان کے پیٹ میں لگی اور وہ مکان کے اندر گر پڑے مگر اس حالت میں بھی اس بہادر نوجوان نے اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کی اور اُس بڑھیا عورت کو تلاش کر کے تختے پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن شدید زخموں کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور

دو تین کوششوں کے بعد نڈھال ہو کر گر گیا۔ اس پر میاں عبدالحق صاحب نے کہا کہ میں جا کر ان دونوں کے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ کود کر اس تختہ پر چڑھ گئے۔ اُن کو دیکھتے ہی ایک پولیس مین دوڑا ہوا آیا اور ایک پاس کے مکان سے صرف چند فٹ کے فاصلہ پر سے ان کی کمر میں گولی مار دی اور وہ وہیں فوت ہو گئے جب حملہ آور بگل بجنے پر دَوڑ گئے تو زخمی غلام محمد صاحب اور اس بڑھیا کو اس مکان سے نکالا گیا چونکہ ہسپتال پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے اور وہاں سے مریضوں کو زبردستی نکال دیا ہے اور تمام ڈاکٹری آلات اور دوائیاں وہاں ہی پڑی ہیں مریضوں اور زخمیوں کا علاج نہیں کیا جا سکتا اور یوں بھی غلام محمد صاحب شدید زخمی تھے معمولی علاج سے بچ نہ سکے اور چند گھنٹوں میں فوت ہو گئے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک دوست کو بلایا اور اسے یہ باتیں لکھوائیں کہ:۔

''مجھے اسلام اور احمدیت پر پکا یقین ہے میں اپنے ایمان پر قائم جان دیتا ہوں۔ میں اپنے گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ میں اسلام کے لئے جان دوں گا آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور جس مقصد کے لئے جان دینے کے لئے آیا تھا میں نے اس مقصد کے لئے جان دے دی۔ جب میں گھر سے چلا تھا تو میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا دیکھنا پیٹھ نہ دکھانا۔ میری ماں سے کہہ دینا کہ تمہارے بیٹے نے تمہاری وصیت پوری کر دی اور پیٹھ نہیں دکھائی اور لڑتے ہوئے مارا گیا''۔

چونکہ ظالم پولیس نے سب راستوں کو روکا ہوا ہے مقتولین کو قبروں میں دفن نہیں کیا جا سکا اس لئے جو لوگ فوت ہوتے ہیں یا قتل ہوتے ہیں انہیں گھروں میں ہی دفن کیا جاتا ہے ان نوجوانوں کو بھی گھروں میں ہی دفن کرنا پڑا اور میاں غلام محمد اور عبدالحق دونوں کی لاشیں میرے مکان کے ایک صحن میں پہلو بہ پہلو سپردِ خاک کر دی گئیں۔ یہ دونوں بہادر اور سینکڑوں آدمی اِس وقت منوں مٹی کے نیچے دفن ہیں لیکن اُنہوں نے اپنی قوم کی عزت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مرنے والے مر گئے اُنہوں نے بہرحال مرنا ہی تھا اگر وہ اور کسی صورت میں مَرتے تو ان کے نام کو یاد رکھنے والا کوئی نہ ہوتا اور وہ اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کا جھنڈا اونچا رکھنے کیلئے

مرے ہیں اس لئے حقیقتاً وہ زندہ ہیں اور آپ ہی زندہ نہیں بلکہ اپنے بہادرانہ کارناموں کی وجہ سے آئندہ اپنی قوم کو زندہ رکھتے چلے جائیں گے۔ ہر نوجوان کہے گا کہ جو قربانی ان نوجوانوں نے کی وہ ہمارے لئے کیوں ناممکن ہے جو نمونہ اُنہوں نے دکھایا وہ ہم کیوں نہیں دکھا سکتے۔ خدا کی رحمتیں ان لوگوں پر نازل ہوں اور ان کا نیک نمونہ مسلمانوں کے خون کو گرماتا رہے اور اسلام کا جھنڈا ہندوستان میں سرنگوں نہ ہو۔

اسلام زندہ باد۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

(الفضل لاہور ۱۱/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سیاستِ پاکستان

ہم پہلے ایک دفعہ لکھ چکے ہیں کہ پاکستان کی سیاست کو بہت زیادہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی حکومت ابھی نئی نئی قائم ہوئی ہے اوراس کے لئے اقتصادی اورانتظامی مشکلات بےانتہاء ہیں۔ جہاں تک محنت اورکوشش کا سوال ہے وزراء باوجود ناتجربہ کاری کے اپنی طاقت سے زیادہ کام کررہے ہیں لیکن دونقص ایسے ہیں جن کی وجہ سے کام سنبھل نہیں سکتا۔

اوّل تو یہ کہ بوجہ دفتری کام کی ناواقفیت کے وزراءکو وقت کا اندازہ نہیں اورنہ لوگوں کوان کی مہمات کا اندازہ ہے۔بعض دفعہ معمولی باتوں میں وزراءزیادہ وقت صَرف کردیتے ہیں اور بعض دفعہ غیرضروری باتوں کو پیش کرنے کیلئے مُلک کے لوگ ان کے پاس آ جاتے ہیں اور اصرارکرتے ہیں کہ اُنہیں ملاقات کا موقع دیاجائے۔

دوسرے ایک ایک وزیر کے پاس کئی کام ہیں اس ہنگامی زمانہ میں ایسانہیں ہونا چاہئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کمزور ہے لیکن جس کام کے لئے جتنے آدمیوں کی ضرورت ہےان کے مہیا کئے بغیر چارہ نہیں۔مہذب حکومتوں میں ہروزیر کے ساتھ ایک ایک نائب وزیرہوا کرتا ہےاوروہ بھی پارلیمنٹ کےممبروں میں سے ہوتا ہےلیکن پاکستان کی مرکزی اورصوبائی حکومتوں میں سوائے مشرقی بنگال کے چندوزراء کے سپرد سارے کام کر دیئے گئے ہیں اورنائب وزیرمقررنہیں اس کی وجہ سے نہ تو کام ٹھیک ہوسکتا ہےاورنہ مسلمانوں میں نئے تجربہ کارآدمی پیدا ہوتے ہیں۔آخر وزراءبھی انسان ہیں اوران کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔اگرکل کوایک وزیرفوت ہوگیا تو یہی ہوگا کہ اس کا محکمہ بھی کسی اوروزیر کے سپرد کر دیاجائے گااورکام کی زیادتی کی وجہ سے دونوں وزارتوں کا کام تباہ ہوجائے گا یاکسی ناتجربہ کار

کو اس کام پر لگایا جائے گا جو نئے سرے سے پھر تجربہ کرنا شروع کرے گا۔ اگر اس مجرب نسخہ پر عمل کیا جاتا کہ ہر وزیر کے ساتھ ایک نائب وزیر لگایا جاتا جس کے سپرد اس وزارت کے بعض محکمے کر دیئے جاتے یا جس کے تفویض میں بعض چھوٹے کام دے دیئے جاتے تو اس نقصان کا خطرہ نہ رہتا اور مزید نوجوانوں کی تربیت ہوتی چلی جاتی اور کسی اتفاقی حادثہ یا اختلاف کی وجہ سے اگر کوئی وزیر الگ ہو جاتا یا الگ کیا جاتا تو اس کا قائمقام فوراً ہی میسر آ سکتا اور نئے تجربوں میں وقت ضائع نہ ہوتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض جگہوں پر پارلیمنٹری سیکرٹری مقرر کئے گئے ہیں لیکن پارلیمنٹری سیکرٹری اور نائب وزیر کے کاموں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ پارلیمنٹری سیکرٹری کے سپرد محکمے نہیں ہوا کرتے وہ تو ایک قسم کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوتا ہے لیکن نائب وزیر ایک باقاعدہ وزیر ہوتا ہے اور کئی محکمے اور کئی ضروری کام اس کے سپرد ہوتے ہیں اور وزیر کی عدم موجودگی میں وزارت کا کام وہ خود کرتا ہے پارلیمنٹری سیکرٹری ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر مالی مشکلات ہوں تو وزراء کی تنخواہیں کم کی جا سکتی ہیں آخر غریبوں کے گزارے غریبانہ ہی ہو سکتے ہیں۔ ہمارے مُلک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے اگر نائب وزیروں کو ایک ایک ہزار روپیہ تنخواہ دے دی جائے تو بڑی کافی ہے۔ اِس طرح دو ڈپٹی کمشنروں کی تنخواہ سے ساری وزارتوں میں نائب وزیر رکھے جا سکتے ہیں۔

اگر وزراء بڑھا دیئے جائیں اور ہر وزیر کے ساتھ نائب وزیر مقرر کر دیئے جائیں تو ہر صوبہ میں اور مرکز میں بہت جلد تجربہ کار آدمی پیدا ہو جائیں گے اور تقسیم کار کی وجہ سے کام بھی اچھا ہونے لگ جائے گا۔

مذکورہ بالا نقائص کی وجہ سے پاکستان کا سیاسی نظام بہت کمزور طور پر چل رہا ہے۔ بہت سے ضروری ممالک جن سے فوراً پاکستان کا تعلق قائم ہو جانا چاہئے تھا، ان سے اب تک تعلق قائم نہیں ہو سکا اور شاید پاکستانی حکومت کے ذمہ داروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بعض طریقے ایسے بھی ہیں کہ بہت کم خرچ سے بیرونی ممالک سے تعلق قائم کئے جا سکتے ہیں۔

اس وقت ہم تین مُلکوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پاکستان کے سیاسی تعلقات فوراً قائم ہو جانے چاہئیں تھے اور جن کی طرف سے حکومت پاکستان کو فوری توجہ دینی چاہئے تھی مگر ایسا نہیں

ہوا۔ یہ مُلک انڈونیشیا، ایبے سینیا اور سعودی عرب ہیں۔انڈونیشیا دوسرا بڑا اسلامی مُلک ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی چھ کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔ پھر اس کا مقامِ وقوع ایسی جگہ پر ہے کہ اس سے تعلقات آئندہ پاکستان کی ترقی اور حفاظت میں بہت کچھ ممد ہو سکتے ہیں لیکن جبکہ ہندوستان یونین اس کے ساتھ تعلق بڑھا رہی ہے پاکستان حکومت نے اب تک پوری جدوجہد سے کام نہیں لیا۔اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مسلمانوں کو مسلمانوں سے پیار ہے اور وہ ایک دوسرے سے ہمدردی رکھتے ہیں لیکن سیاسی معاملات کچھ ایسے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ دوست دشمن بن جاتے ہیں اور دشمن دوست بن جاتے ہیں اور صرف مذہبی اتحاد کو سیاسی اتحاد کا پورا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا۔جرمنی بھی عیسائی تھا اور انگلستان بھی عیسائی تھا مگر پھر بھی یہ دونوں لڑتے تھے۔ پس ہمیں اس بات پر اعتماد کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہئے کہ انڈونیشیا کے لوگ مسلمان ہیں اس لئے بغیر کسی جدوجہد کے ہمارا اِن سے دوستانہ قائم رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض دوسری حکومتیں ان پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ انڈونیشیا کا فائدہ ان حکومتوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے میں زیادہ ہے اور پاکستان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں کم ہے۔اگر ایسا ہوا اور اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے تو یقیناً باوجود مسلمان ہونے کے انڈونیشیا کے لوگ اپنے سیاسی فوائد کی خاطر پاکستان کی طرف سے ہٹ جائیں گے اور ان دوسری حکومتوں کی طرف جھک جائیں گے۔اس قسم کی کوشش انڈین یونین کی طرف سے شروع ہے۔انڈین یونین کے افسر کوئی موقع نہیں جانے دیتے جس میں وہ انڈونیشیا کے وزراء کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش نہ کریں۔ہمیں لنڈن سے اطلاع ملی ہے کہ سلطان شہر یار حال ہی میں امریکہ سے واپسی پر انگلستان سے گزرے اور باوجود پاکستانی ہائی کمشنر کی موجودگی کے وہ ہندوستانی یونین کے ہائی کمشنر مسٹر مینن کے گھر پر ان کے مہمان ٹھہرے۔انسان اسی کے گھر پر ٹھہرنا پسند کرتا ہے جس کا وہ دوست ہوتا ہے اور جس کو میزبانی کا موقع ملے وہ مہمان پر دوسروں سے زیادہ اثر ڈال سکتا ہے۔سلطان شہر یار کو یقیناً ہندوستان کے ہائی کمشنر نے اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی ہوگی۔اگر پاکستان کا ہائی کمشنر بھی ایسا کرتا تو سلطان شہر یار یقیناً اِن کے ہاں ٹھہرنے کو ترجیح دیتے۔ ہمارے نزدیک تمام پاکستانی سفراء اور ہائی کمشنروں کو ہدایت جانی چاہئے کہ وہ تمام اسلامی ممالک کے نمائندوں، سفیروں،

وزیروں اور سیاسی لیڈروں کے ساتھ تعلقات بڑھائیں اور جب بھی وہ اس مُلک میں داخل ہوں جہاں وہ پاکستانی سفیر یا ہائی کمشنر مقرر ہے وہ اُن کو اپنے گھر پر مہمان ٹھہرنے کی دعوت دیں اگر وہ ہوٹل میں ٹھہرنا ہی پسند کریں تو وہ ان کے اعزاز میں پارٹی دیں اور ان کے اس کام میں تعاون کریں جس کام کے لئے وہ اس مُلک میں آئے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام اسلامی ممالک زیادہ سے زیادہ آپس میں متحد ہوتے جائیں گے اور چند ہی سالوں میں ایک زبردست اسلامی حکومت پیدا ہو جائے گی جسے چھیڑنے کا کسی دشمن کو حوصلہ نہ پڑے گا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ مسلمان حکومتوں میں سے کوئی ایک بھی تو ایسی نہیں جو دنیا کی بڑی حکومتوں میں شامل کئے جانے کی مستحق ہو۔ آبادی کے لحاظ سے، اقتصادی لحاظ سے، قومی تنظیم کے لحاظ سے مسلمان حکومتیں دوسری بہت سی حکومتوں سے پیچھے ہیں۔ ان کو صف اوّل میں لانے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ساری مسلمان طاقتیں متحد ہو جائیں اور سیاسی معاملات میں ایک ہی آواز اُٹھائیں اگر وہ ایسا کر لیں تو کم سے کم اپنی متحدہ حیثیت میں وہ دنیا کی بڑی حکومتوں میں شمار ہونے لگ جائیں گی۔

دوسری خبر اسی سلسلہ میں ہمیں یہ ملی ہے کہ اب تک سعودی عرب سے بھی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی حالانکہ سعودی عرب وہ مُلک ہے جس میں ہمارا مقدس مقام مکہ مکرمہ اور ہمارا قبلہ گاہ بیت اللہ اور ہمارے آقا کا مقامِ ہجرت اور مدفن مدینہ منورہ واقعہ ہیں۔ ہم خواہ کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں ہم ان مقامات کی طرف سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکتے اور جس حکومت کے ماتحت بھی یہ مقامات ہوں اُس کیساتھ تعلق پیدا کرنا ہمارا ضروری فرض ہے کیونکہ مسلمانوں کا حقیقی اتحاد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ذریعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ستمبر کے آخر میں سلطان ابن سعود[۸] عرب کے تیل کے چشموں کے پاس حفوف مقام پر کچھ دنوں کے لئے آ کر قیام پذیر ہوئے۔ عبدالرشید صاحب گیلانی سابق وزیراعظم عراق جو جرمن کی جنگ کے وقت جرمنی سے ساز باز کرنے کے الزام کے نیچے آ گئے تھے اور عراق سے بھاگ کر جرمنی چلے گئے تھے اور آجکل سلطان ابن سعود کے پاس رہتے ہیں، ان کے ساتھ تھے۔ کچھ ہندوستانی جو عبدالرشید صاحب گیلانی کے اُس وقت کے واقف تھے جب وہ جرمنی

میں تھے اُن سے ملنے کے لئے گئے اور اُن کی وساطت سے سلطان ابن سعود سے بھی ملے۔ ان لوگوں نے پنجاب کے واقعات ہائلہ سلطان اور ان کے وزیروں اور شہزادوں کو سنائے۔ اس کے جواب میں سلطان ابن سعود اور ان کے وزیروں نے کہا کیا وجہ ہے کہ پاکستان حکومت اپنا سفیر ہمارے ہاں نہیں بھجواتی تا کہ ہم لوگوں کو بھی پاکستان کے حالات معلوم ہوتے رہیں اور موقع مناسب پر ہم ان کی تائید میں آواز بلند کرسکیں۔ پھر اُنہوں نے ایک معزز ہندوستانی سے کہا کہ اگر وہ اپنا سفیر باہر سے نہیں بھجوا سکتی تو کیوں تم کو ہی وہ اپنا سفیر یہاں مقرر نہیں کر دیتی۔ سیاست سے ناواقف لوگ شاید اِس فقرہ کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ بات یہ ہے کہ یورپ کی اکثر چھوٹی اور غریب حکومتیں جو زیادہ سفارتوں کا بار نہیں اُٹھا سکتیں اپنی رعایا کے بعض افراد کو جو تجارتوں کی وجہ سے یا پیشوں کی وجہ سے دوسرے ممالک میں رہتے ہیں اپنے قنصل مقرر کر دیتی ہیں کچھ خرچ ماہوار انہیں دفتر اور خط و کتابت اور کلرکوں کے لئے دے دیتے ہیں اور اس طرح ان کے حقوق اس مُلک میں محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ نکل آتا ہے۔ وہ تاجر اور پیشہ ور اس لئے اس کام کو قبول کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کی حیثیت اُس علاقہ میں بہت بڑھ جاتی ہے اور کئی قسم کے فائدے حاصل کر لیتا ہے اور اسے مقرر کرنے والی حکومت کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ بغیر زیادہ خرچ کرنے کے اُس کا نمائندہ اُس مُلک میں مقرر ہو جاتا ہے۔ سلطان ابن سعود مغربی تعلیم سے نابلد ہی سہی مگر وہ عملی سیاسیات کو خوب سمجھتے ہیں اس لئے انہیں تعجب ہوا کہ اگر پاکستان کی حکومت زیادہ روپیہ نہیں خرچ کر سکتی تو عرب میں رہنے والے ہندوستانی کو تو اپنا قائمقام مقرر کرسکتی ہے تا کہ وہ محکمانہ طور پر اپنے مُلک کے معاملات سے سعودی عرب کو واقف کرتا رہے۔ آخر حکومتیں اخباری خبروں پر تو کوئی احتجاج نہیں کرسکتیں وہ اُسی وقت احتجاج کرتی ہیں جب ان کو سیاسی راستوں سے اطلاع دی جائے اگر سیاسی سفیر یا قنصل نہ ہوں تو باقاعدہ طور پر دوسری حکومت کے سامنے حالات نہیں پہنچ سکتے اور وہ حکومت بھی آئینی طور پر ان کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔ اگر پاکستان کے نمائندے سعودی عرب، عراق، شام، ٹرکی، ایران اور مصر میں ہوتے اور مقررہ سیاسی رستوں سے ان حکومتوں کو اپنی مشکلات سے اطلاع دیتے تو وہ حکومتیں بطور حکومت ہندوستانی حکومت کے سامنے احتجاج کرتیں اور اس کا اثر ساری دنیا کی

حکومتوں پر پڑتا۔ اخباروں کی ہمدردی اور بڑے بڑے لیڈروں کے بیانات بھی بے شک بہت فائدہ دیتے ہیں مگر حکومتوں کے باقاعدہ احتجاج اور اخباروں کے مضامین میں بہت بڑا فرق ہے۔ آخر اس میں مشکل ہی کیا ہے ہر مُلک میں کچھ نہ کچھ معزز ہندوستانی موجود ہیں۔ باقاعدہ سفارتیں نہ سہی غیر معمولی نمائندگی کے حقوق اسلامی ممالک میں ایک ایک معزز ہندوستانی کے سپرد کر دیئے جائیں تو سیاسی تعلقات پاکستان اور دوسری اسلامی حکومتوں میں فوراً قائم ہو سکتے ہیں۔ ایسے انتظام پر شاید ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ ماہوار خرچ ہوگا، اس سے زیادہ نہیں۔

تیسری شکایت ہمیں یہ پہنچی ہے کہ ایبے سینیا میں ہندوستان کی آزادی کا دن منایا گیا اور ہندوستانی جھنڈے تقسیم کئے گئے اور خوشی سے ایبے سینیا کے لوگوں نے ہندوستانی جھنڈے لہرائے لیکن پاکستان کی آزادی کا دن نہ منایا گیا اور نہ پاکستان کے جھنڈے وہاں لہرائے گئے۔ ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصہ مسلمان ہے اور بعض زبردست فوجی قبائل بھی مسلمان ہیں وہ اس نظارہ کو دیکھ کر بہت مایوس ہوئے اور ایبے سینیا کے ہندوستانی ڈاکٹر جو اتفاقاً احمدی ہے سے پوچھا کہ یہاں پاکستانی جھنڈے کیوں نہیں آئے اور پاکستان کی طرف سے ہم لوگوں کو خوشی میں شامل ہونے کا موقع کیوں نہیں دیا گیا؟ وہ سوائے افسوس کے اور کیا کر سکتا تھا اب اُس نے پاکستان کو لکھا ہے کہ کچھ پاکستانی جھنڈے بھجوا دیئے جائیں تا کہ وہ مسلمانوں میں تقسیم کئے جائیں اور اس کے نمونہ پر وہ اپنے لئے جھنڈے بنوا لیں کیونکہ ایبے سینیا کے مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ بھی پاکستان کی خوشی میں شامل ہوں۔ ایبے سینیا گو حکومت کے لحاظ سے عیسائی ہے لیکن اس کو تین عظیم الشان حیثیتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ایبے سینیا نے ہجرتِ اولیٰ کے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور اُس وقت کا بادشاہ مسلمان بھی ہو گیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس بادشاہ اور اُس کی قوم کے لئے خاص طور پر دعا فرمائی تھی آج تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس مُلک میں محفوظ چلا آتا ہے۔

دوسرے ایبے سینیا کے شاہی خاندان کا ایک حصہ مسلمان ہے۔ کبھی کبھی وہ غالب آکر اس مُلک میں اسلامی حکومت بھی قائم کر دیتا ہے۔ ایبے سینیا اپنے معدنی اور

دوسرے ذرائع کی وجہ سے اور اپنے مُلک کی وسعت کی وجہ سے اور اپنے مقامِ وقوع کی وجہ سے ایسی حیثیت رکھتا ہے کہ اگر کسی وقت وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو وہ اسلامی سیاست کی تقویت میں بہت بڑی ممد ثابت ہوگی۔

تیسرے پاکستان کے محاذ میں ایبے سینیا کا مُلک واقعہ ہے۔اٹلی کے لوگوں نے اریتھیریا لے کر اس کو سمندر سے الگ کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے وہ مُلک حجاز سے تھوڑی دور ایک پتلی خلیج کے بالمقابل واقع ہے اس لئے اس کے ساتھ تعلقات عرب اور پاکستان کے لئے نہایت ہی مفید نتیجہ خیز ہو سکتے ہیں۔ اگر اس مُلک میں بھی کوئی سیاسی قائمقام مقرر ہو جائے تو آئندہ افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور ترقی کے لئے رستہ کھل جائے گا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کی طرف توجہ اس لئے نہیں ہو رہی کہ وزیروں کے سپرد بہت سے کام ہیں اور نائب وزراء مقرر نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک اِس طرف جلد توجہ کرنی چاہیئے اور اسلامی پریس اور ذی اثر مسلمانوں کو بار بار حکومت پر اِس کی ضرورت واضح کرتے رہنا چاہیئے۔

پاکستان کس حکومت سے تعاون کرے؟

مغربی پنجاب کا تعلیم یافتہ طبقہ آجکل اپنی مجالس میں کثرت سے یہ گفتگو کرتا ہوا سنا جاتا ہے کہ پاکستان کو اپنے بقاء کے لئے کسی نہ کسی دوسری قوم سے سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔ اکثر لوگ انگریز سے بدظن ہیں اور اس کے ساتھ صلح کرنا پسند نہیں کرتے۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی طرف بھی مسلمان نوجوانوں کی کوئی رغبت نظر نہیں آتی لیکن اکثر نوجوان روس کی مدد لینے کی طرف مائل نظر آتے ہیں ہمارے نزدیک یہ ایک خطرناک بات ہے اور اِس رَو کو جتنی جلدی ہو سکے روکنا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگوں کو دو باتیں کبھی نہیں بھولنی چاہئیں۔

اوّل آج تک روس کے ساتھ تعلق رکھنے والی کوئی حکومت آزاد نہیں ہوئی۔روسی فلسفہ اس پر جبراً ٹھونسا گیا ہے کوئی مُلک ایسا نہیں جس نے روس سے معاہدہ کیا ہو اور اس پر کمیونسٹ حکومت ٹھونس نہ دی گئی ہو۔ کمیونسٹ خیال کا رکھنا اَور چیز ہے اور کمیونسٹ حکومت کا ٹھونسنا اور چیز ہے لمبی تعلیم اور لمبے غور اور لمبے تجربہ کے بعد ایک خیال کو اَپنا لینا بُرا نہیں ہوتا لیکن پیشتر اس

کے کہ مُلک کے لوگوں کی اکثریت ایک بات پر قائم ہو، اقلیت کی مدد کر کے اس کو ایک خاص نظام اختیار کرنے پر مجبور کر دینا نہایت مہلک ہوتا ہے اور مذہبی آزادی کو تباہ کر دیتا ہے۔

دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ممالک پر روس کی نظر ہے وہ ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے اس لئے باوجود انگریزوں کی مخالفت کے وہ روس کی طرف مائل نہیں۔ مصر، شام، حجاز، عراق اور ٹرکی کی حکومتیں سب کی سب روسی نفوذ کے خلاف اور اس سے خائف ہیں۔ پبلک میں سے بھی اکثر اسی خیال کے ہیں۔ ایران بھی روسی دخل اندازی سے نالاں اور گریاں ہے۔ پاکستان کی حقیقی ترقی کا راز مُسلم اقوام کے اتحاد میں ہے اگر ہم اسلام کی سچی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مسلمان حکومتوں کو اکٹھا کرنا پڑے گا تا کہ اسلام کے اثر اور اس کے نفوذ کو بڑھا سکیں۔ اگر پاکستان کے نوجوانوں کی توجہ روس کی طرف رہی تو لازمی طور پر پاکستان اور مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا اور یہ دونوں مل کر ایک مقصد اور مدعا کے حصول کے لئے کوششیں نہیں کر سکیں گے پس اسلامی اتحاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اور اسلام کی ترقی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس خیال کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔

پاکستان کی مالی حالت

چاروں طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ پاکستان کی مالی حالت کمزور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ خبریں بہت حد تک درست ہیں۔ پاکستان ریلوں میں بِالعموم بغیر ٹکٹ کے لوگ سوار ہوتے ہیں اور جب اُنہیں پکڑا جائے تو کہتے ہیں کہ اب تو ٹرین ہماری اپنی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ریلوں کی آمدن بالکل گر گئی ہے اور ایک مہینہ میں سے دو کروڑ روپیہ کا خسارہ ہوا ہے اگر یہی حالت رہی تو لازماً حکومت کو ریلیں بند کر دینی پڑیں گی۔ ریلوں کے بند ہونے کے بعد تجارت بھی بند ہو جائے گی اور سفروں کی دِقت کی وجہ سے مُلک میں میل جول بھی بند ہو جائے گا۔ ایک سچے مسلمان کا تو یہ فرض تھا کہ وہ اس بات پر زور دیتا کہ چونکہ پاکستان حکومت کی مالی حالت کمزور ہے ریل کا کرایہ بڑھا دو میں اس موجودہ کرایہ سے زیادہ کرایہ دوں گا۔ بے ٹکٹ ریل میں چڑھنے والا یقیناً پاکستان کا دشمن ہے، وہ مسلمان قوم کا بھی دشمن ہے اور ایسے دشمن کو سمجھانا اور نہ سمجھے تو اس پر قومی دباؤ ڈالنا ہر پاکستان کے خیر خواہ کا فرض ہے۔ پس ہم ریل میں سفر کرنے والے ہر مسلمان

مسافر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا خیال رکھے کہ خود ٹکٹ لے اور اپنے کمرہ میں بیٹھنے والے کسی شخص کو بغیر ٹکٹ کے سفر نہ کرنے دے۔ اب مُلک تمہارا ہے، اب ریل بھی تمہاری ہے اور مُلک کی حفاظت اور ریل کی آمد کی حفاظت اور دوسرے سرکاری محکموں کی آمد کی حفاظت کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ یہ کہنا کہ اب ریل چونکہ پاکستان کی ہے اور ہم بھی پاکستان کے ہیں اِس لئے ہمارا حق ہے کہ جس طرح چاہیں اس ریل کو استعمال کریں عقل کے بھی خلاف ہے اور دیانت کے بھی خلاف ہے۔ اِن لوگوں کے بچے یا بھائی یا بیویاں اگر بیمار ہوتے ہیں تو کیا یہ لوگ ان کے علاج پر روپیہ خرچ کیا کرتے ہیں یا یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ بچہ بھی میرا ہے یہ بیوی بھی میری ہے اب میں جس طرح چاہوں ان کو ماردوں۔ جو شخص پاکستان کی آمد کو نقصان پہنچاتا ہے وہ خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور وہ اپنی قوم کو نقصان پہنچاتا ہے اور عقلمند انسان اپنے مال کو نقصان نہیں پہنچایا کرتے بلکہ اسے بڑھانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح شکایت کی جاتی ہے کہ زمیندار معاملہ ادا نہیں کر رہے۔ یہ بھی نہایت ہی گندی روح ہے اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو پھر پاکستان حکومت قائم نہیں رہ سکے گی۔ اگر وہ اپنے مُلک میں عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی قربانیاں پہلے کی نسبت زیادہ کرنی پڑیں گی۔ اپنی حکومت کے الفاظ کے پردہ میں اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کرنا انہیں بہت ہی مہنگا پڑے گا۔

(الفضل لاہور ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کا دفاع

پاکستان کے دفاع کا موضوع ہر مجلس میں زیر بحث آرہا ہے۔ ہر اخبار اس پر بحث کر رہا ہے اور ہر انجمن اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہی ہے اس موضوع کے متعلق کئی سوال سوچنے والے ہیں اور کئی مشکلات حل کرنے والی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ مسئلہ دیر تک لٹکایا جا سکتا ہے؟ کیا پاکستان کا مستقبل اس سوال کے فوری حل کا تقاضا نہیں کرتا؟ کیا پاکستان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا نہیں؟ کیا اس کی طرف اعداء کی انگلیاں بُرے ارادوں سے نہیں اُٹھ رہیں؟ اگر ایسا ہے اور ضرور ہے تو ہمیں جلد سے جلد اس بارے میں کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔

پاکستان کی کُل فوج ۸۰ ہزار ہے جس میں سے لڑنے والے سپاہی صرف ۳۴ ہزار ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ۳۴ ہزار آدمی پاکستان کی لمبی سرحد کی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے پاکستان کی فوج کی تعداد اور بھی کم کر دینی چاہیئے اور اسے زیادہ سے زیادہ مشینی جتھوں کی صورت میں تبدیل کر دینا چاہیئے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ جرمن کی جنگ میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مشینی جتھے نہایت ہی کارآمد ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ مشینی جتھے ایسے ہی ممالک میں کام آتے ہیں جہاں دونوں طرف کثرت سے پختہ سڑکیں پائی جاتی ہوں۔ ہندوستان کے مُلک میں پنجاب میں بڑی پکی سڑک تو ایک ہی ہے باقی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر معمولی قسم کی پکی سڑکیں آتی ہیں اور اکثر کچے راستے ہیں ایسی جگہ پر مشینی دستے عمدہ طور پر کام نہیں کر سکتے اور نہ اپنے عقب کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ایسے مُلک میں گھوڑ سوار فوج اور سائیکل فوج اور پیدل فوج بڑی آسانی سے مشینی دستوں کا رستہ کاٹ سکتی اور ان کے حملہ کو بیکار کر سکتی ہے اس لئے جہاں پاکستان کو کچھ مشینی دستوں کی ضرورت ہے وہاں اسے ایسی فوج کی بھی ضرورت ہے جو بے سڑک والے علاقوں

میں گھوڑوں پر سوار ہو کر دو سڑکوں کے درمیانی علاقہ کو صاف کرتی چلی جائے اور مشینی فوج کے عقب کی حفاظت کر سکے مگر یہ سوال تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ پاکستان حملہ آور کی حیثیت میں ہو۔ پاکستان تو کسی پر حملہ کرنے کی نیت ہی نہیں رکھتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہترین جرنیلوں کا مقولہ ہے کہ بہترین دفاع حملہ ہے اگر کوئی ہم پر حملہ کرے تو اس حملہ سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اس پر حملہ کر دیں تو بھی ہم اس امر کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کوئی فوج محض حملہ کرنے کی تدبیروں سے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جرمن حکومت گزشتہ دنوں لڑائیوں میں محض اس لئے شکست کھا گئی کہ اس نے صرف حملہ کی تیاریاں کی تھیں دفاع کی کوئی تیاری اس نے نہیں کی تھی۔ دونوں دفعہ جب اس کا حملہ ناکام رہا تو وہ دفاع کی قوت سے بھی محروم ہو گیا کیونکہ دفاع کا پہلو اس نے مدِ نظر نہیں رکھا تھا۔ یہ پُرانا مقولہ اب تک بھی درست چلا آ رہا ہے کہ ’’جنگ دو سر دارد‘‘ جنگ میں کبھی انسان آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹتا ہے جب تک پیچھے ہٹنے کے لئے بھی پوری تدبیریں نہ کی گئی ہوں کبھی کوئی فوج کامیاب نہیں ہوتی۔ پس صرف مشینی دستوں پر زور دینا پاکستان کے دفاع کو فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ کسی دشمن کے حملہ کی صورت میں اس کے حملہ کی شدت کو روکنے کیلئے بِالمقابل حملہ کرنے میں تو یہ دستے کام آ جائیں گے لیکن ان کا فائدہ دیرپا اور دُور رس نہیں ہوگا کیونکہ پاکستان کے اِردگرد جتنے ممالک ہیں اُن میں سڑکوں کا وسیع جال اِس طرح نہیں پھیلا ہوا جس طرح یورپ میں پھیلا ہوا ہے۔ پس اس معاملہ میں یورپ کی نقل کرنا خواہ اس کا فیصلہ بڑے بڑے جرنیل ہی کیوں نہ کریں خلافِ عقل اور نامناسب ہے۔ ہمارے نزدیک پاکستان کی فوج کا بڑھانا نہایت ضروری ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستانی فوج کی پاکستانی جرنیل ہی راہ نمائی کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس وقت ہمارے پاس تجربہ کار افسر بہت کم ہیں لیکن جہاں ناتجربہ کاری نقصان دِہ ہوتی ہے، ہمدردی کی کمی اس سے بھی زیادہ نقصان دِہ ہوتی ہے۔ اگر جاں نثار اور تجربہ کار مل جائیں تو فَبِهَا لیکن اگر ایسے افسر نہ ملیں تو کم تجربہ کار لیکن جانثار افسر تجربہ کار لیکن بے تعلق افسر سے یقیناً بہت زیادہ بہتر ہے۔

پولینڈ جب روس اور جرمنی سے آزاد ہوا تو اُس کے پاس تجربہ کار افسر نہیں تھے کیونکہ نہ

جرمن کی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے اور نہ روسی فوجوں میں پولش لوگوں کو بڑے عہدے ملتے تھے اُس وقت پولش نے اپنی فوجوں کی کمانڈ ایک گویے کے سپرد کی اور اس گویے نے تھوڑے بہت فوجی اصول سے واقف پولش افسروں کی مدد سے اپنے مُلک کو آزاد کرالیا۔ کیا پاکستان کے مسلمان افسر اس گویے سے بھی کم قابلیت رکھتے ہیں۔ اس گویے کی کیا قابلیت تھی صرف حب الوطنی، وطن کی محبت کے بے انتہا جذبہ نے اس گویے کو ایک قابل جرنیل بنا دیا۔ کیا ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ پاکستانی فوج کے مسلمان افسروں کے دل سے وطن کی محبت کا جذبہ بالکل مفقود ہے؟ ہم مانتے ہیں کہ پُرانی روایات کا اثر اب تک افسروں کے دل پر باقی ہے۔ ابھی ان کی حب الوطنی کی روح نے ان کی آنکھیں نہیں کھولیں، ابھی اپنی قوم کو سربلند و بالا کرنے کے جذبات ان کے دل میں پوری طرح نہیں اُٹھے مگر پھر بھی ایک پاکستانی، پاکستانی ہی ہے اپنے مُلک کی خدمت کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی جان بچانے کی خواہش بھی اسے زیادہ محنت سے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر پاکستان پر کوئی حملہ ہو تو ایک پاکستانی جرنیل کو صرف اپنے مُلک کی عزت کا ہی خیال نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ بھی نظر آ رہا ہوگا کہ اگر دشمن آگے بڑھا تو اُس کے ماں باپ، اُس کی بیوی، اُس کے بھائی، اُس کی بہنیں، اُس کے بچے، اُس کے دوسرے عزیزوں کے بچے، اُس کے پڑوسی، اُس کے املاک اس کی جائدادیں یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ پس مُلکی جذبہ کے علاوہ خاندان اور قرابت کے بچانے کا جذبہ بھی اس کے اندر کام کرتا ہوگا۔ پس ہمیں اس بات کی فکر میں زیادہ نہیں پڑنا چاہئے کہ ہمارے مُلک کے آدمی ابھی پوری طرح تجربہ کار نہیں۔

جدید ٹرکی کے بانی کمال اتاترک[9] صرف ایک کرنیل تھے لیکن وطنی محبت کے جذبہ میں سرشار ہو کر اِس کرنیل نے بڑے بڑے جرنیلوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ فرانس کا مشہور مارشل شہنشاہ نپولین[10] صرف فوج کا ایک لفٹینٹ تھا لیکن اس لفٹینٹ نے دنیا کے مشہور ترین جرنیلوں کی قیادت کی صرف اس لئے کہ اس کا دل وطن کی محبت کے جذبات سے سرشار تھا۔ امریکہ کا پہلا پریذیڈنٹ اور پہلا کمانڈر انچیف جارج واشنگٹن[11] محض ایک سویلین تھا لیکن وطن کی محبت کے جذبات نے اس کے اندر وہ قابلیت پیدا کر دی کہ بڑے بڑے جرنیلوں کی راہ نمائی

کر کے اُس نے اپنے مُلک کو انگریزی غلبہ سے آزاد کروا لیا۔ ہٹلر[۱۲] کا انجام چاہے کیسا ہی خراب ہوا ہو لیکن اس میں کیا شک ہے کہ وہ فوج میں صوبیداری کا عہدہ رکھنے والا دنیا کے بہترین جرنیلوں کے پیدا کرنے کا باعث ہوا۔ گوئرنگ[۱۳] محض ایک ہوا باز تھا اور ہوا باز بھی ایسا جو ابھی صرف تجربہ ہی حاصل کر رہا تھا مگر مُلک کی محبت کے جذبات نے پائلٹ گوئرنگ کو دنیا کے سب سے زبردست ہوائی جہاز کے بیڑہ کا مارشل گوئرنگ بنا دیا۔ ہم کیوں خیال کریں کہ پاکستان کے افسر حب الوطنی کے جذبہ سے بالکل عاری ہیں یقیناً ان میں بھی اپنے وطن پر جان دینے کی خواہش رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اگر انہوں موقع دیا جائے کہ وہ اپنے مُلک کی آزادنہ خدمت کریں تو یقیناً وہ مُلک کے لئے بہترین تعویز اور فخر کا موجب ثابت ہونگے۔ فوج میں ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں جن کے لئے خاص فنون کے ماہروں کی ضرورت ہو۔ ایسے فنون کے ماہر بے شک باہر سے بھی لئے جا سکتے ہیں اور اگر ضرورت سمجھی جائے تو بعض لڑنے والے افسر بھی باہر سے لئے جا سکتے ہیں لیکن یہ افسر ایسے نہیں ہونے چاہئیں جو تقسیم ہند سے پہلے قائداعظم اور مُسلم لیگ کو سَو سَو گالیاں دیا کرتے تھے اور ہم یقین کے طور پر جانتے ہیں کہ ایسے انگریز افسر پاکستان کی فوج میں موجود ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسے انگریز افسر پاکستانی فوج میں نہ رہیں۔ بے شک اگر ضرورت ہو تو اُن کو رکھا جائے لیکن قومی دفاع کے اہم عہدوں پر ان کو مقرر نہیں کرنا چاہئے۔ ہر فوجی افسر قومی دفاع کے اہم کام پر مقرر نہیں ہوتا۔ جس طرح دوسرے کاموں میں کوئی عہدہ اہمیت والا ہوتا ہے کوئی غیر اہمیت والا ہوتا ہے یہی حالت فوج کی بھی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ جب ایسے افسر دوسرے غیر اہم کاموں پر لگائے جا سکتے ہیں تو کیوں انہیں ان کاموں پر لگا کر ایسے عہدے جو دفاع کے لحاظ سے بہت اہم ہیں مسلمان افسروں کے سپرد نہ کئے جائیں۔

مگر ایک اور بات بھی ہے اگر یہ اصلاحات کر بھی دی جائیں تب بھی پاکستان کی فوج پورے طور پر اپنی مُلکی سرحدوں کا دفاع نہیں کر سکتی۔ پاکستان کی سرحد کوہِ ہندوکش سے شروع ہو کر مانسہرہ، ہزارہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات اور سیالکوٹ کے ساتھ ہوتی ہوئی، منٹگمری، بہاولپور، سکھر، خیر پور سے گزرتی ہوئی امرکوٹ کی تحصیل کے خاتمہ پر سمندر سے جا کر ملتی ہے۔

اس تمام سرحد کی لمبائی کوئی ایک ہزار میل کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کی وہ سرحد بھی ہے جو افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ اگر خدا کرے کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے تو پاکستان کی سرحد چھوٹی ہو کر چھ سَو میل کے قریب رہ جائے گی لیکن اگر کشمیر نہ ملا تو ہزار میل کی سرحد ہو گی۔ اگر لڑنے والی فوج ۳۴ ہزار ہے تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ صرف ایک یا ڈیڑھ ڈویژن یعنی ۱۲ یا ۱۸ ہزار آدمی اگلی صف میں کام کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ایک میل کی حفاظت کیلئے ہمارے پاس ۱۲ یا ۱۸ سپاہی ہیں۔ فرانس کی جرمن سے جو سرحد ملتی تھی وہ کوئی اڑھائی سَو میل کے قریب تھی اور جرمن کی جو سرحد روس سے ملتی تھی وہ بھی کوئی تین ساڑے تین سَو میل تھی۔ ان پانچ چھ سَو میل کی سرحدات کے لئے جرمن نے ۸۰ لاکھ فوج تیار کی تھی۔ اسی طرح فرانس نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کیلئے ۷۰ لاکھ فوج تیار کی تھی۔ اگر ان فوجوں کا بیس فیصدی حصہ ایک وقت میں جنگی محاذ پر لڑتا ہو تو جرمن کی سرحدوں کے ہر میل کی حفاظت کیلئے تین ہزار آدمی کا ایک وقت میں انتظام تھا لیکن پاکستانی حدود میں فی میل کی حفاظت کیلئے صرف ۱۸ آدمی مہیا ہو سکیں گے۔ فرق ظاہر ہے اور نتائج کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارے پاس روپیہ نہیں یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن جب مشکلیں پڑتی ہیں، جب قوموں کی زندگی اور موت کا سوال پیدا ہوتا ہے تو حکومتوں اور مُلک کے باشندوں کا فرض ہوتا ہے کہ روپیہ کی عدم موجودگی کی صورت میں وہ قومی کاموں کو قومی قربانیوں سے پورا کریں۔ پاکستان کے لئے اِس سے زیادہ نازک وقت اور کونسا ہو گا اگر پاکستان کے باشندے اب بھی بیدار نہ ہوئے تو کب بیدار ہونگے۔ یہ جو ۲ لاکھ آدمی بے کار مشرقی پنجاب میں مارا گیا ہے اور وہ اربوں کی جائدادیں جو مشرقی پنجاب میں تباہ ہوئی ہیں اگر وہی آدمی اور وہی جائدادیں اور وہی روپیہ مُلکی دفاع میں صَرف کیا جاتا تو پاکستان یقیناً ایک لمبے عرصہ کیلئے اپنے مُلک کی بنیادوں کو مضبوط کر لیتا۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیا صورت ہے جس سے یہ ضرورت پوری کی جا سکے۔ ہم اس بارہ میں اپنے خیالات اگلے مقالہ میں اِنْشَاءَ اللّٰہ ظاہر کریں گے۔

(الفضل لاہور ۱۵/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

ہم اپنے پہلے مقالہ میں لکھ چکے ہیں کہ پاکستان کی سرحد کشمیر اور افغانستان کی سرحدوں کو ملا

کر سولہ سَو میل لمبی ہے بلکہ بلوچستان اور افغانستان کی سرحدوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو انیس سَو میل لمبی ہے اگر کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے اور اس کی سرحد کو نکال دیا جائے تو پھر یہ سرحد پندرہ سَو میل لمبی ہے اور اگر افغانستان کی سرحد کو بھی نکال دیا جائے تو پھر بھی ہندوستان سے ملنے والی سرحد چھ سَو میل ہے اور پاکستان کی موجودہ فوج میں سے جو فوج ایک وقت میں سرحد پر رکھی جا سکتی ہے اُس کی تعداد کسی وقت میں ۱۸ ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتی بلکہ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ ایک وقت میں صرف ۱۲ ہزار فوج استعمال کی جا سکے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر میل کی حفاظت کیلئے صرف تیس سپاہی ہونگے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کوئی فوج ساری سرحد پر پھیل کر کھڑی نہیں ہوتی لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اتنی لمبی سرحد میں بیسیوں چوکیاں بنانی پڑیں گی اگر پچاس چوکی رکھی جائیں اور فی چوکی دو پلٹنیں رکھی جائیں تو سات ہزار فوج تو صرف اسی میں لگ جائے گی۔ باقی پانچ ہزار فوج رہ گئی، پانچ ہزار فوج اتنے بڑے علاقہ میں لڑ ہی کیا سکتی ہے۔ صرف چھ سَو میل لمبی سرحد کی حفاظت کے لئے بھی ہمارے پاس کم سے کم ایک لاکھ سپاہی اگلی صف میں ہونا چاہئے۔ پاکستان کی آبادی صوبہ سرحد اور سندھ کو ملا کر دو کروڑ ۸۰ ہزار رہے۔ اگر قبائلی علاقوں کو بھی ملا لیا جائے تو تقریباً ۳ کروڑ ہو جائے گی۔ اگر کشمیر بھی شامل ہو جائے تو کشمیر کی ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی مل کر یہ تعداد ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آبادی میں سے صرف ۶۰ لاکھ آبادی ایسی ہے جس میں سے اچھا سپاہی نہیں مل سکتا۔ باقی ۲ کروڑ ۷۰ لاکھ کی آبادی ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت ہی شاندار سپاہی پیدا کرتی رہی ہے اور کر سکتی ہے۔ سرحد کا پٹھان، آزاد علاقہ کا قبائلی، پونچھ، میرپور، کوٹلی اور مظفر آباد کا پہاڑی، پنجاب کا پٹھان، راجپوت، بلوچ اور جاٹ یہ سب کے سب نہایت اعلیٰ درجہ کے سپاہی ہیں اور صرف مرنا ہی نہیں جانتے بلکہ دشمن کو مارنا بھی جانتے ہیں۔ قومی جنگوں میں چھ فیصدی سے لے کر ۱۶ فیصدی تک کی آبادی لڑائی میں کار آمد ہوتی ہے اوسطاً اگر ۱۰ فیصدی سمجھی جائے تو مشرقی پاکستان میں سے ۲۷ لاکھ سپاہی مہیا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مقابل میں ہندوستان کی جنگی نفری بہت کم ہے۔ ہندوستان کا ساٹھ فیصدی آدمی ایسا ہے جو جنگ کے قابل نہیں۔ ریاستوں کو نکال کر ہندوستان کی آبادی کوئی ۲۰ کروڑ ہے جس میں سے ۱۲ کروڑ آدمی تو کسی صورت میں بھی لڑنے کے قابل

نہیں۔ باقی رہ گئے آٹھ کروڑ ان میں سے بھی اکثر حصہ ناقص سپاہی ہے صرف تین چار کروڑ آدمی ان کا ایسا ہے جس میں سے اچھا سپاہی لیا جا سکتا ہے۔ مگر وہ بھی اس پایہ کا نہیں ہے جس پایہ کا مسلمان سپاہی ہے۔ پس ہندوستان میں سے بھی پورا زور لگانے کے بعد ۳۰، ۳۵ لاکھ سپاہی مل سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں لیکن جب لڑائی کے سوال پر غور کیا جاتا ہے تو صرف نفری نہیں دیکھی جاتی بلکہ سرحد کی لمبائی بھی دیکھی جاتی ہے۔ جس طرح لمبی سرحد کی حفاظت تھوڑے سپاہی نہیں کر سکتے اس طرح چھوٹی سرحد پر ساری فوج استعمال نہیں کی جاتی۔ چھ سَو میل لمبی سرحد پر ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ ۶۔ ۷ لاکھ فوج استعمال کی جا سکتی ہے۔ باقی ساری فوج ریز رو میں رہے گی اور راستوں کی حفاظت کا کام کرے گی۔ پس اگر خدانخواستہ کبھی ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو جہاں تک نفری کا سوال ہے ان دونوں کے درمیان کی سرحد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی آبادی کی کثرت ہندوستان کو یہ نفع تو پہنچا سکتی ہے کہ وہ جنگ کو زیادہ دیر تک جاری رکھ سکے یا زیادہ آدمیوں کی قربانی برداشت کر سکے لیکن جہاں تک جنگ کا تعلق ہے وہ پاکستان کی فوج سے زیادہ تعداد والی فوج نہیں بھیج سکتا کیونکہ درمیان کی سرحد کی لمبائی اِس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ ایک وقت میں اس جگہ اتنی فوج کو استعمال کیا جا سکے خصوصاً اس لئے کہ جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے یہ دونوں مُلک عمدہ سڑکوں سے محروم ہیں اور گو سرحد چھ سَو میل لمبی ہے لیکن ایک مُلک سے دوسرے مُلک تک پہنچنے کے جو راستے ہیں وہ بہت محدود ہیں اور جنگ زیادہ تر رستوں سے ہی کی جا سکتی ہے۔ جہاں سے توپ خانہ اور سامان وغیرہ موٹروں پر آگے پیچھے بھیجا جا سکتا ہے اور جہاں پر سے فوج قطاروں میں مارچ کر سکتی ہے۔ غرض جہاں تک فوجی نفری کا سوال ہے، صرف مشرقی پاکستان ہی تمام پاکستان کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور اس معاملہ میں کسی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ ہاں سوال صرف یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ دونوں مُلکوں میں جنگ چھڑ جائے تو اتنی فوج مہیا کس طرح کی جائے گی۔ سپاہیانہ قابلیت کا آدمی موجود ہونا اور بات ہے اور سپاہی کا موجود ہونا اور بات ہے۔ ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی بننے کی قابلیت رکھتا ہے لیکن ہر جاٹ اور بلوچ سپاہی تو نہیں اس لئے بغیر فوجی مشق کے جنگ کے وقت میں وہ کام نہیں آ سکتا۔ اور جنگ کے وقت فوری طور پر سپاہی کو فنونِ

جنگ سکھائے نہیں جا سکتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ ہے کہ افسر فوراً تیار کئے جا سکیں۔ افسروں کی تعداد بِالعموم ڈیڑھ فیصدی ہوتی ہے۔ ۲۷ لاکھ فوج کے لئے چھوٹے بڑے افسر ۴۰ ہزار کے قریب ہونے چاہئیں۔ ہماری تو ساری فوج ہی ۳۰ ہزار ہے اگر خطرے کا موقع آیا تو کسی صورت میں بھی اس فوج کو معقول طور پر وسیع نہیں کیا جا سکتا اور اس کا علاج ضروری ہے۔ یہ علاج کس طرح ہوسکتا ہے اس کے لئے یہ مختلف سکیمیں پیش کی جارہی ہیں اور پیش کی جا سکتی ہیں۔

اوّل: مُلک کے تمام افراد کو رائفلیں رکھنے کی کھلی اجازت دی جائے اور جہاں تک ہو سکے گورنمنٹ خود رائفلیں سستے داموں پر مہیا کرے۔

دوم: نیشنل گارڈز کے طریق کو رائج کیا جائے جو مسلم لیگ کے ماتحت ہو۔

سوم: ہوم گارڈز کے اصول پر نوجوانوں کو فوجی ٹریننگ دی جائے جو گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو۔

چہارم: ایک ٹیریٹوریل فورس فوجی انتظام کے ماتحت تیار کی جائے۔

پنجم: جبری بھرتی مُلک میں جاری کی جائے اور اس کا انتظام ملٹری کے ماتحت ہو۔

یہ پانچ طریق ہیں جن سے مُلک کی جنگی نفری کو منظّم کیا جا سکتا ہے اور وقت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اب ہم اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ ان پانچوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا۔

(۱) پہلا مجوزہ طریق یہ ہے کہ مُلک میں کثرت سے رائفلیں رکھنے کی تحریک کی جائے اور گورنمنٹ سستے داموں لوگوں کو رائفلیں مہیا کر کے دے۔ یہ طریق جس مُلک میں بھی رائج ہوا ہے کامیاب نہیں ہوا اور ہمیشہ اس کے نتیجہ میں فساد اور دنگے کا رستہ کھلتا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہتھیار رکھنے کا حق عام شہریوں کو حاصل ہونا چاہئے اور صرف ان لوگوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ دینی چاہئے جو مجرمانہ حیثیت رکھتے ہیں یا ناقابلِ اعتبار ہیں اور جب یہ شرط ہو تو لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہتھیار کے لئے لائسنس ضروری ہے اور ہتھیار رکھنے کے متعلق کچھ نہ کچھ نگرانی کی طاقت گورنمنٹ کے ہاتھ میں ضرور ہونی چاہئے ورنہ بدمعاش اور چور طبقہ مُلک

کے امن میں خلل ڈال دے گا بلکہ زیادہ تر ہتھیار یہی لوگ رکھیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض باغیانہ ذہنیت والی انجمنیں پیدا ہو جائیں اور وہ اسلحہ کی طاقت سے مُلک کی جائز حکومت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ پس یہ تجویز مُلک کے لئے مضر ہے اور یقیناً ہر سمجھدار انسان کو اس کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ لائسنس ضرور رہنا چاہئے گو اس سختی سے لائسنس نہیں دینے چاہئیں جس سختی سے برطانوی حکومت ہندوستانیوں کو لائسنس دیا کرتی تھی اس سے بہت زیادہ لائسنس ملنے چاہئیں۔ غریب اور امیر کی کوئی تمیز نہیں ہونی چاہئے۔ اس بات کی کوئی شرط نہیں ہونی چاہئے کہ جو شخص ڈپٹی کمشنر کا منہ چڑھا ہو یا افسروں کو خوشامد کرتا ہو یا پولیس کے ساتھ کام کرتا ہو صرف اُس کو لائسنس دیا جائے۔ جیسے یورپ میں قاعدہ ہے عام طور پر نام رجسٹرڈ کرانے سے لائسنس مل جاتا ہے اور نام رجسٹرڈ ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ کو موقع حاصل رہتا ہے کہ وہ ایسے شخص کی نگرانی کر سکے اور دیکھ سکے کہ وہ ہتھیار کا ناجائز استعمال تو نہیں کرسکتا۔

(۲) یہ تجویز کہ نیشنل گارڈز کی سکیم کو مسلم لیگ کی نگرانی میں منظّم کیا جائے جمہوری اصول کے خلاف ہے۔ جمہوری اصول کے مطابق پارلیمنٹ کے انتخابات تک پارٹیاں الگ الگ کام کرتی ہیں جب کوئی پارٹی برسر اقتدار آ جاتی ہے تو اُسی دن سے وہ سارے مُلک کی نمائندہ بن جاتی ہے صرف اپنی پارٹی کی نمائندہ نہیں ہوتی۔ پس کوئی فوجی تنظیم کسی پارٹی کے قبضہ میں نہیں ہونی چاہئے ورنہ جمہوریت ختم ہو جائے گی اور فاسزم اور ناٹسزم شروع ہو جائے گا۔ کسی حکومت کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنی سیاسی پارٹی کو فوجی تنظیم کی اجازت دے اور دوسروں کو اس سے منع کر دے اگر وہ ایسا کرے گی تو لازمی طور پر دوسری پارٹیاں مخفی طور پر اپنی تنظیم شروع کر دیں گی تا کہ وقت آنے پر وہ اپنی حفاظت کرسکیں پھر یا تو گورنمنٹ کو ایسی پارٹیوں کو دبانا پڑے گا اور اس پر بے جا رعایت اور بے جا دشمنی کا الزام لگے گا اور یا وہ دوسری پارٹیوں کے فعل پر چشم پوشی سے کام لے گی۔ اس صورت میں قانون کا احترام مُلک سے جاتا رہے گا اور قانون شکنی کی روح مُلک میں بڑھتی جائے گی۔

(۳) تیسری تجویز ہوم گارڈز کی ہے جو ایک قسم کی ملٹری ملیشیا ہوتی ہے اور صوبہ جاتی حکومتوں کے انتظام کے نیچے ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تجویز بھی ناقص ہے۔ اوّل تو ہوم گارڈز

کی ٹریننگ بہت ادنیٰ ہوتی ہے دوسرے ہوم گارڈز چونکہ سول اور صوبہ جاتی گورنمنٹ کے ماتحت ہوتے ہیں ان میں اور فوج میں اکثر رقابت پیدا ہو جاتی ہے اوران کا وجود فوج کو سیاسی کاموں میں دخل دینے کی طرف مائل کر دیتا ہے۔اس سے پوری طرح بچنا چاہئے۔

(۵،۴) چوتھی تجویز ٹیرٹیوریل فورس کی ہے اور پانچویں عام جبری فوجی تعلیم کی۔ یہ دونوں تجویزیں چونکہ آپس میں ملتی ہیں اس لئے ہم ان کا اکٹھا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ابھی وقت نہیں آتا کہ عام جبری فوجی تعلیم دی جائے۔ نہ اتنے افسر ہمارے پاس مہیا ہیں اور نہ ابھی اتنا روپیہ ہے۔ پس ہمارے نزدیک بہترین تجویز ٹیرٹیوریل فورس کی ہے۔ ٹیریٹوریل فورس دفاعِ مُلکی کے اصول پر تیار کی جاتی ہے یعنی اس فوج کو اوراس کے افسروں کو حملے کا کام تو نہیں سکھایا جاتا لیکن دفاع کے تمام ہنر اُن کو سکھائے جاتے ہیں اس لئے اس میں شامل ہونے والے لوگ بغیر اپنے نجی کاموں کو نقصان پہنچانے کے فوجی ٹریننگ حاصل کر لیتے ہیں اوراس ٹریننگ میں مناسب تعداد میں افسر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔اس فوج کی موجودگی میں باقاعدہ فوج کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشینی دستوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اورزیادہ سے زیادہ حملہ کرنے کے اصول میں ماہر بنانے پر زور دیا جا سکتا ہے کیونکہ جنگ کی صورت میں دفاع کے مورچے فوراً ٹیریٹوریل فوج سنبھال لیتی ہے اور باقاعدہ فوج آگے بڑھنے کے لئے آزاد ہو جاتی ہے۔ ٹیریٹوریل فوج چونکہ بہت حد تک فوجی فنون سے واقف ہوتی ہے اور مختلف قسم کے دستوں میں تعاون بھی قائم ہو چکا ہوتا ہے اس لئے صرف تین تین چار چار مہینہ کی ٹریننگ سے یہی فوج حملہ آور فوج کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہے۔اس فوج کی ٹریننگ سے کسی قسم کی بغاوت وغیرہ کا خطرہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ فوجی سپاہی کا ہتھیار اس کے پاس نہیں ہوا کرتا۔ پریکٹس کے بعد اس سے ہتھیار لے لیا جاتا ہے اور فوجی مخزن میں رکھ دیا جاتا ہے جس پر گورنمنٹ کی نگرانی ہوتی ہے اور ٹیریٹوریل فورس پر خرچ بھی بہت کم ہوتا ہے۔اگر طوعی طور پر ایسی بھرتی شروع کر دی جائے تو پہلے سال پچاس ہزار آدمی کی فوج کا تیار کرنا مناسب ہوگا۔ جسے ہر سال بڑھایا جا سکتا ہے اور چار پانچ سال میں دس لاکھ تک فوج تیار کی جا سکتی ہے۔اس فوج کی ٹریننگ کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ عام سپاہی روزانہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ فوجی تربیت

کے لئے دے۔ یہ ٹریننگ مقامی ہونی چاہئے یعنی کسی سپاہی کو اپنا شہر چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو تا کہ وہ اپنا کام چھوڑے بغیر ایسی ٹریننگ حاصل کر سکے۔ اس صورت میں زیر تعلیم سپاہیوں پر کچھ بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور چھ ماہ کی ٹریننگ کے بعد وہ ایک اوسط درجہ کے سپاہی بن جائیں گے۔ افسروں کی ٹریننگ کا اصول یہ ہو کہ اس طرح چھ مہینہ کی ٹریننگ لینے کے بعد دو مہینے کا مستقل کورس ان کے لئے مقرر کیا جائے جس پر انہیں کمان کرنے کے اصول سکھائے جائیں۔ اگر اس تجویز کے مطابق پچاس ہزار کی ٹریننگ کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے بیس ہزار آدمی کی ٹریننگ شروع کی جائے تو ایک ہزار معلم رکھنا پڑے گا جن کا عہدہ جمعدار کا ہوگا اور ایک لاکھ روپیہ ماہوار ان لوگوں کی تنخواہوں اور راشنوں پر خرچ ہوگا۔ بیس ہزار رائفل اور وردی وغیرہ پر کوئی ۳۰۔۳۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا چونکہ سکھانے والے افسر تنخواہ دار ہوں گے وہ ایک حصہ کی صبح ٹریننگ کر سکتے ہیں اور ایک حصہ کی شام کو۔ اس طرح آدھے افسر کام آ سکتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ بجائے ایک ہزار آدمی کے پانچ سَو آدمی سے ہی کام چل سکتا ہے اور بجائے ایک لاکھ روپیہ کے پچاس ہزار روپیہ ماہوار سے کام چل سکتا ہے۔ اتنے افسر چھ ماہ میں بیس ہزار آدمی کو ٹریننگ دے سکتے ہیں اور سارا خرچ اس ٹریننگ پر کوئی چالیس لاکھ روپیہ سالانہ ہوگا۔ جب مقامی لوگ کام سیکھ جائیں تو اگلے چھ ماہ میں ان میں سے ہوشیار آدمیوں کو ایک ایک مہینہ کی خاص تعلیم دلا کر فوجی معلّم کا کام سکھایا جا سکتا ہے اور پھر اپنے اپنے علاقہ میں ان کو فوجی معلّم مقرر کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص طوعی طور پر کام کرنے کیلئے تیار نہ ہو تو اسے ۲۰، ۲۵ روپے ماہوار الاؤنس دینے سے کام لیا جا سکے گا۔ ایسے لوگوں کی امداد کے ساتھ سال نہیں تو ڈیڑھ سال میں ایک لاکھ آدمی ٹیریٹوریل فورس کا تیار کیا جا سکتا ہے اور پھر اگلے سالوں میں یہ طاقت اور بھی وسیع کی جا سکتی ہے۔ دوسرے اس ٹیریٹوریل فورس کے علاوہ تمام مُلک میں فوجی کلبیں بنا دینی چاہئیں۔ ان فوجی کلبوں کا اصول یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ اس کے ممبر ہوں وہ اپنے خرچ پر ٹریننگ لیں۔ گورنمنٹ ان کے لئے صرف معلّم مہیا کرے یا رائفل اور کارتوس، باقی وردی وہ خود اپنے روپیہ سے خریدیں۔ یہ فوجی کلبیں بڑے اور چھوٹے شہروں میں ہو سکتی ہیں۔ گاؤں میں ان کا چلنا ممکن نہیں لیکن پاکستان

کے شہروں کی آبادی بھی ۳۵۔ ۴۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اگر فوجی کلبوں کا رواج قائم کر دیا جائے تو صرف ۲۰۔ ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ کے خرچ سے دو لاکھ کے قریب سپاہی اور افسر اَور تیار ہو جائے گا جو ٹیریٹوریل فورس کے برابر تو تجربہ کار نہیں ہوگا لیکن ایسا ضرور ہوگا کہ جنگ کے موقع پر دو تین مہینہ کی تربیت کے بعد وہ ٹیریٹوریل فورس کی جگہ کام کرنے کے قابل ہو جائے جبکہ اس عرصہ میں ٹیریٹوریل فورس اعلیٰ تربیت کے بعد حملہ آور فوج کی جگہ لینے کیلئے تیار ہو جائے گی۔ اگر یہ ہو جائے تو یقیناً جنگ کی صورت میں مُلک کو اتنا وقت مل جائے گا کہ آرمی کلب کے ممبر دفاع سنبھالنے کے قابل ہو جائیں اور دفاع کے لئے تیار کی ہوئی ٹیریٹوریل فورس حملہ آور فوج کی صورت میں تبدیل ہو جائے۔ اس عرصہ میں نئی ٹیریٹوریل فورس کی تیاری کا موقع مل جائے گا اور ضرورت کے مطابق نئی فوج تیار ہوتی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مُلک میں اسلحہ کو بالکل آزاد کر دینا اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مُلکوں میں بھی کبھی بابرکت ثابت نہیں ہوا۔ لائسنس کی شرطیں ضرور رہنی چاہئیں۔ فسادی یا غیر معتبر لوگوں کو لائسنس نہیں ملنے چاہئیں۔ نیشنل گارڈز جو ایک سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں ان کی اجازت ہرگز نہیں ہونی چاہیئے اگر ایک سیاسی پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو تو ہر پارٹی کو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ یہ درست نہیں کہ جو پارٹی برسر اقتدار آ جائے اسے تو فوج بھرتی کرنے کی اجازت ہو اور دوسری پارٹیوں کو نہ ہو۔ اس طرح سیاسی آزادی خطرہ میں پڑ جائے گی اور ڈکٹیٹر شپ اور فاسزم کے اصول جاری ہو جائیں گے۔ ہوم گارڈز کا اصول بھی غلط ہے کیونکہ ایک تو ان کی ٹریننگ ناقص ہوتی ہے دوسرے ان کا انتظام سویلین لوگوں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے ان کا فوج کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے اور فوج کو اس بات کی تحریک ہوتی ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں دخل دینے لگ جائے اور یہ نہایت خطرناک بات ہے۔ جبری بھرتی بھی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ مُلک ابھی اس کے لئے تیار نہیں لیکن ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کا اجراء فوراً شروع ہو جانا چاہیئے۔ ان دونوں چیزوں پر ایسی صورت میں کہ دو تین لاکھ آدمی کی ٹریننگ مدِ نظر ہو۔ ایک کروڑ روپیہ سالانہ سے زیادہ خرچ نہیں ہوگا کیونکہ سوائے معلّموں اور سوائے رائفل اور کارتوس کے خرچ کے اور ایک حصہ کے وردی کے خرچ کے اور

کوئی بوجھ مُلک پر نہیں ہوگا۔اس فوج کی بڑی تعداد ایسے خدمتگاروں کی ہوگی جو اپنی وردیوں کا خرچ خود اُٹھائیں گے اور جب تک ٹریننگ کا سوال ہے ۲۵ رائفلیں سَو آدمیوں کو کام سکھائیں گی کیونکہ پریڈیں مختلف وقتوں میں اور آگے پیچھے ہونگی اور ایک ہی رائفل چار دفعہ استعمال ہو سکے گی۔اس طرح لوگوں کو حب الوطنی کے جذبات دکھانے کا بھی موقع مل جائے گا اور پاکستان کی آبادی میں جنگی فنون کا میلان بھی پیدا ہو جائے گا اور ہر محلے اور گلی میں ایک طوعی سپاہی کی موجودگی اور بیسیوں آدمیوں کے دلوں میں فوجی زندگی کی خواہش پیدا کر دے گی اور موت کے ڈر کو دلوں سے نکالتی چلی جائے گی۔

(الفضل لاہور ۱۶؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستانی فوج اور فوجی مخزن

کل ۱۵/ تاریخ کو پاکستانی فوج کے ایک سَو چودھویں بریگیڈ کا مظاہرہ ہوا اس میں پاکستانی فوج نے وزیر دفاع نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب کو سلامی دی۔ پاکستانی فوج کی راہنمائی بریگیڈیر نذیر احمد نے کی جو اِس وقت پاکستانی فوج کے سب سے سینئر مسلمان بریگیڈیر ہیں۔ جہاں تک مظاہرہ کی شان اور عظمت کا سوال ہے ہمارے نزدیک اس موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اور لاہور شہر کی بڑائی کو دیکھتے ہوئے یہ مظاہرہ اس سے زیادہ شاندار ہونا چاہئے تھا جتنا کہ ہوا۔ اس مظاہرہ میں مختلف بٹالینز (Batalians) کے نمائندوں کی کُل تعداد اندازاً آٹھ سَو کے قریب تھی اور مظاہرہ کی لمبائی اور وسعت صرف موٹروں ٹینکوں کے استعمال اور ان کی سست رفتاری کے سبب سے تھی۔ بعض پاکستانی افسر بشمولیت بریگیڈیر نذیر نہایت چست اور اپنے کام کے قابل اور اہل نظر آتے تھے اور بعض افسروں کے اندر وہ چستی نظر نہ آتی تھی جو ہونی چاہئے تھی۔ دو تین افسروں نے تو یہاں تک غفلت کی کہ وزیر دفاع کے پاس سے گزر گئے اور سلامی تک نہ دی۔ بعضوں نے سلامی میں اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ وزیر دفاع کے پاس پہنچنے سے بہت پہلے ہی سلامی دینی شروع کر دی حالانکہ مناسب طریق یہ تھا کہ وہ وزیر دفاع کے پاس پہنچتے وقت دو تین گز پہلے سے سلامی دینی شروع کرتے۔ بعض لطائف بھی اس موقع پر ہو گئے۔ کرنل فلچ ایک انگریز افسر مجمع کو دیکھتے ہوئے مسکراتے چلے جاتے تھے اور نظارہ کی کیفیت نے اُن پر کچھ ایسا اثر کیا ہوا تھا کہ سلامی کا اُن کو خیال ہی نہیں آیا۔ مسکراتے مسکراتے وہ عین وزیر دفاع کے سامنے پہنچ گئے اور یکدم انہیں اپنے فرض کی طرف توجہ ہوئی۔ چہرہ سنجیدہ بنا لیا اور سلامی کی جگہ سے آگے گزرتے ہوئے سلام کرتے چلے گئے۔ بہرحال عام اثر یہی تھا کہ پاکستانی سپاہیوں نے بہت اچھی نمائش کی ہے۔ ان کے سُتے ہوئے جسم اور بَل کھاتے ہوئے

پیچھے اس بات کے شاہد تھے کہ پاکستان پر حملہ کرنا کسی کے لئے آسان بات نہ ہوگی۔ ان لوگوں کی آنکھوں سے ظاہر تھا کہ وہ پاکستان کی فوج کا حصہ ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور وقت آنے پر پاکستان کی عظمت کے قیام کے لئے ہر قربانی کرنے کیلئے تیار ہوں گے۔ ایک بڑا فائدہ اس مظاہرہ کا یہ بھی ہوا کہ لوگوں میں جو بے چینی پیدا تھی کہ پاکستان کی سرحدیں غیر محفوظ ہیں، اس کا ایک حد تک ازالہ ہوگیا اور پاکستان کے باشندوں کو معلوم ہوگیا کہ ان کے گھروں کی حفاظت کے لئے ان کے محافظ سپاہی سرحد پر موجود ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ پاکستانی سپاہی سکھ سپاہی کی طرح موٹے نہیں تھے ان کا عام قد بھی اتنا لمبا نہیں تھا جتنا کہ عام سکھ سپاہی کا ہوتا ہے لیکن ان کا جسم بہت گٹھا ہوا اور ورزشی تھا اور ہر دیکھنے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ استقلال کے ساتھ لمبا کام کرنے کی اہلیت مسلمان سپاہی میں سکھ سپاہی سے زیادہ پائی جاتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سکھ سپاہی کی ساری بہادری اس کی وحشت اور درندگی پر مبنی ہے اور اس وحشت اور درندگی کا کمال بھی اس کی اندرونی طاقتوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ شراب کے استعمال سے اس کے اس جوہر کو مدد پہنچائی جاتی ہے جو سپاہی موت کا خوف شراب کے نشہ سے دور کرنا چاہتا ہے وہ ہرگز بہادر سپاہی نہیں کہلا سکتا۔ وہ انسان نہیں ایک مشین ہے جسے دوسرا ہاتھ چلاتا ہے۔ مسلمان سپاہی کی بہادری اُس کا ذاتی جوہر ہے لڑائی کے وقت اس کا دماغ صاف ہوتا ہے، شراب نے اُس کے حواس پر قابو نہیں پایا ہوتا، وہ سارے نتائج کو دیکھتے ہوئے اور سارے خطرات کو جانچتے ہوئے دشمن کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھتا ہے اور بسا اوقات اگر وہ دشمن پر غالب نہیں آسکتا تو اپنی جان کو قربان کر کے اس کے بڑھنے کی رفتار کو سست کر دیتا ہے اور اسی طرح اپنے مُلک کے لئے دفاع کی تیاری کا ایک موقع پیدا کر دیتا ہے اس وقت ساری دنیا میں مسلمان سپاہی ہی ایک ایسا سپاہی ہے جو غیر طبعی ذرائع کے استعمال کئے بغیر بہادری کا نمونہ دکھلاتا ہے۔ مسلمان کے سِوا ساری دنیا میں شراب کا عام رواج ہے اور حکومتیں سپاہیوں کو لڑائی کے وقت خاص طور پر شراب مہیا کر کے دیتی ہیں تا کہ موت کا ڈر ان کے دل سے جاتا رہے اور وہ شراب کے نشہ میں دشمن کی طرف آگے بڑھیں، انسانوں کی طرح نہیں بلکہ درندوں کی طرح۔ پس ہم یقین رکھتے ہیں کہ مسلمان فوجوں کی تربیت جب بھی مکمل ہو جائے گی وہ دنیا کے

دوسرے سپاہیوں سے بہتر ثابت ہوں گی کیونکہ انسان ہمیشہ درندوں پر فوقیت رکھتا چلا آیا ہے۔ شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر لڑنے والا سپاہی اور شراب کو چھوئے بغیر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے والا سپاہی مساوی نہیں ہو سکتے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس ہمارے لئے امیدوں کا ایک وسیع دروازہ کھلا ہے، ہماری ترقی کی راہیں بہت زیادہ کشادہ اور بہت دور تک جانے والی ہیں کیونکہ ہمارے دشمن نے وہ تمام ذرائع استعمال کر لئے ہیں جو اس کی ترقی میں مدد دے سکتے تھے مگر ہمارے خزانے ابھی زمین میں مدفون ہیں جب ہم وہ تمام ذرائع استعمال کر لیں گے جن سے ایک اچھا سپاہی بہت ہی اچھا بنایا جا سکتا ہے تو ہمارا سپاہی یقیناً دوسری قوموں کے سپاہی سے بہت اچھا ثابت ہوگا۔

اس مظاہرہ کے دیکھنے والوں کے لئے ایک اور امر بھی نہایت خوشی کا موجب تھا لاکھوں مسلمان اس مظاہرہ کو دیکھنے کے لئے میلوں میل سڑکوں پر کھڑے تھے ان میں سے اکثر نوجوان تھے جن کے جسموں کی بناوٹ اور جن کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ سب یا ان میں سے اکثر سپاہی ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں یہ میلوں میل لمبا انسانوں کا مجموعہ ہندوؤں اور سکھوں کے وجود سے کُلّی طور پر خالی تھا۔ اس میں مسلمان ہی مسلمان تھے گو اکثر کے سر ننگے تھے بہتوں کے کپڑے بوسیدہ تھے لیکن پھر بھی جو اختلاف ایسے مجمعوں میں پہلے زمانوں میں نظر آتا تھا، ان میں نظر نہ آتا تھا۔ وہ مرجھائے ہوئے چہرے اور ڈرتی ہوئی آنکھیں جو دوسری اقوام کے اختلاف کی وجہ سے بڑے مجمعوں کی خوبصورتی کو خراب کر دیا کرتی تھیں وہ کل مفقود تھی۔ مجمع کا ہر شخص سپاہی بننے کے قابلیت رکھتا تھا اور آئندہ ہونے والا سپاہی نظر آتا تھا۔ اگر ان نوجوانوں کی صحیح تربیت کی جائے اور ان کے اخلاق کو بلند کیا جائے اور ٹیریٹوریل فورس[۱۴] اور فوجی کلبوں کے ذریعہ سے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، ان کو مُلک کی فوجی خدمت میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے تو یقیناً لاہور ہی سے ایک لاکھ پاکستانی سپاہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لاہور کے ضلع کی سرحد جو ہندوستان سے ملتی ہے، وہ پچاس میل کے قریب ہوگی۔ اگر لاہور سے اتنا سپاہی پیدا ہو جائے تو لاہور، قصور، اور چونیاں کی تحصیل سے بھی یقیناً پچاس ساٹھ ہزار سپاہی مل سکتا ہے۔ ان سپاہیوں کے ذریعہ سے نہ صرف لاہور کی حفاظت کی جا سکتی ہے بلکہ سارا پاکستانی مُلک محفوظ ہو

سکتا ہے اور پاکستانی فوج کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ٹیریٹوریل فورس اور فوجی کلبوں کے قیام میں بالکل دیر نہیں کرنی چاہئے۔ فوج کے مہیا کرنے کا یہ ایک بہترین اور سہل ترین ذریعہ ہے اس کا انتظام کُلّی طور پر فوج کے محکمہ کے ماتحت ہونا چاہئے اور سول محکموں کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تا کہ دوعملی پیدا نہ ہو اور فوج کو سیاسی مسائل سے بالکل الگ رکھا جا سکے۔ ہمارے پاس سپاہیوں کا ایک وسیع مخزن ہے اگر اس وسیع مخزن کو استعمال نہ کیا گیا اور وقت پر اسے کام میں لانے کے لئے کوشش نہ کی گئی تو یہ پاکستان سے غداری ہوگی اور ذمہ دار لوگوں کا یہ قصور قوم کبھی معاف نہیں کر سکے گی۔ ذمہ دار لوگوں کو یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قوم کی جہالت سے فائدہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ ایک وقت میں اگر قوم جاہل ہو اور اپنے فوائد کو نہ سمجھتی ہو تو دوسرے وقت میں وہ بیدار اور ہوشیار بھی ہو سکتی ہے۔ اس بیداری اور ہوشیاری کے زمانہ میں وہ ہرگز یہ عذر نہیں سنے گی کہ چونکہ ہم غافل اور حالات سے جاہل تھے اس لئے ہمارے ذمہ دار حُکّام نے کام کو صحیح طریقوں پر نہیں چلایا وہ اپنے ذمہ دار افسروں پر یہ اعتراض کرے گی کہ اگر ہم غافل اور جاہل تھے تو تمہاری ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ جب قومیں ہوشیار ہوتی ہیں تو وہ اپنے حقوق کی خودنگہداشت کر لیتی ہیں لیکن تربیت اور تنظیم کی طرف سے جب قومیں غافل ہوتی ہیں تو مُلک کے افسروں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان ذمہ داریوں کو خود بھی ادا کریں جو بیدار قومیں حکومت کی مدد کے بغیر ادا کرتی ہیں۔

(الفضل ۱۷/ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر اور حیدر آباد

حیدر آباد اور کشمیر کے حالات بالکل ایک سے ہیں۔ حیدر آباد کے والی مسلمان ہیں وہاں کی آبادی کی اکثریت ہندو ہے یعنی قریباً ۸۵ فیصدی ہندو اور ۱۵ فیصدی مسلمان۔ جاگیر دار زیادہ تر مسلمان ہیں اور تجارت میں مسلمانوں کا کافی حصہ ہے۔ یہ مُلک بہت وسیع ہے پونے دو کروڑ کے قریب اس کی آبادی ہے اور مُلک کی آمد ۲۵ کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ کشمیر کا حال اس کے اُلٹ ہے کشمیر کا رقبہ حیدر آباد سے بھی زیادہ ہے لیکن آبادی صرف چالیس لاکھ ہے آبادی کے لحاظ سے کشمیر کی ریاست ہندوستان میں تیسرے نمبر پر ہے۔ دوسرے نمبر پر میسور ہے جس کی آبادی ۷۳ لاکھ ۲۸ ہزار ہے۔ صنعت وحرفت اور جنگلات اور جڑی بوٹیوں کے لحاظ سے کشمیر حیدر آباد پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ پھلوں کی پیداوار اور یہاں کی تجارت سارے ہندوستان میں اوّل نمبر پر ہے۔ اس کی سرحدیں چونکہ روس سے ملتی ہیں اس لئے سیاسی طور پر یہ ایک نہایت ہی اہم مرکز ہے پنجاب کے ساتھ ساتھ اس کی سرحدیں پانچ سَو میل تک لمبی چلی گئی ہیں۔ اگر کشمیر انڈین یونین میں چلا جائے تو پنجاب کا دفاع قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ حیدر آباد کے برخلاف کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور راجہ ہندو ہے مسلمان ۸۰ فیصدی اور ہندو ۲۰ فیصدی ہیں۔ اِس وقت یہ دونوں ریاستیں محلِ نزاع بنی ہوئی ہیں حیدر آباد بھی پوری آزادی کا مطالبہ کرتا ہے اور کشمیر بھی پوری آزادی کے ارادے ظاہر کر چکا ہے۔ بعد کے حالات نے دونوں ریاستوں کے ارادوں میں تذبذب پیدا کر دیا ہے۔ حیدر آباد اور کشمیر دونوں محسوس کر رہے ہیں کہ اقتصادی دباؤ سے ان دونوں حکومتوں کو تباہ کیا جا سکتا ہے اس لئے لازمی طور پر ان کو کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہندوستان یا پاکستان سے کرنا پڑے گا۔ کشمیر کی سرحدیں چونکہ دونوں مُلکوں سے ملتی ہیں۔ ہندوستان سے کم اور پاکستان سے زیادہ اس لئے بوجہ اس کے کہ اس کا راجہ ہندو ہے اس

کی کوشش یہ ہے کہ اگر کسی حکومت سے ملنا ہی پڑے تو وہ ہندوستان سے ملے۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان میں سے ایک حصہ کو ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کی تائید میں کھڑا کیا جا رہا ہے۔ مگر ظاہری طور پر ان سے یہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ ملنا نہیں چاہتے اور آخری فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں، حقیقت یہی ہے کہ کشمیر مخفی سمجھوتہ ہندوستان سے کر چکا ہے اور دنیا کو یہ دکھانے کے لئے کہ کشمیر نے جو فیصلہ کیا ہے مُلک کی اکثریت کی رائے کے مطابق کیا ہے اس فیصلہ کو چھپایا جا رہا ہے اور یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا کچھ حصہ توڑ کر مُلک کی اکثریت سے بھی یہ اعلان کروا دیا جائے کہ وہ انڈین یونین میں ملنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ مسلمان اِس وقت اس فیصلہ کے ساتھ اتفاق ظاہر کرنے کیلئے تیار نہیں پہلے ان سے یہ منزل طے کروائی جا رہی ہے کہ ہم نہ ہندوستان میں ملنا چاہتے ہیں نہ پاکستان میں۔ جب یہ منزل طے ہو جائے گی اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا تو پھر اس تفرقہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ مسلمان جو اپنے بھائیوں سے پھٹ چکے ہونگے اور پاکستان کی مخالفت کر چکے ہونگے انہیں ہندوستان یونین میں شامل ہونے کے فیصلہ پر آمادہ کر لیا جائے گا۔

ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حیدرآباد اور کشمیر کے سوال متوازی ہیں اور ایک کا فیصلہ دوسرے کے فیصلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے جب تک ان میں سے کوئی ایک حکومت فیصلہ نہیں کرتی اُس وقت تک پاکستان کے ہاتھ مضبوط ہیں۔ عقلی طور پر ان دونوں ریاستوں کے فیصلے دو اصول میں سے ایک پر مبنی ہو سکتے ہیں یا تو اس اصل پر کہ جدھر راجہ جانا چاہے اُس کو اجازت ہو۔ اگر یہ اصل تسلیم کر لیا جائے تو حیدرآباد پاکستان میں شامل ہوسکتا ہے یا آزادی کا اعلان کر کے پاکستان سے معاہدہ کرسکتا ہے اور کشمیر ہندوستان یونین میں شامل ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں پاکستان کی آبادی میں پونے دو کروڑ کی زیادتی ہو جائے گی اور ایک طاقتور حکومت جس میں کثرت سے معدنیات پائی جاتی ہیں پاکستان کو مل جائیں گی اور بوجہ پاکستان میں شمولیت کے ہندوستان اس کے ذرائع آمد و رفت کو بھی بند نہیں کر سکے گا کیونکہ اس طرح وہ پاکستان سے جنگ کرنے والا قرار پائے گا دوسرے اس اصل پر فیصلہ ہوسکتا ہے کہ

مُلک کی اکثریت جس امر کا فیصلہ کرے اُسی طرف ریاست جاسکتی ہے اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا جائے تو کشمیر پاکستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اور حیدر آباد ہندوستان کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوگا اگر ایسا ہوا تو پاکستان کو یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ۳۲ لاکھ مسلمان آبادی اس کی آبادی میں اور شامل ہو جائے گی۔ لکڑی کا بڑا ذخیرہ اس کو مل جائے گا، بجلی کی پیداوار کے لئے آبشاروں سے مدد حاصل ہو جائے گی اور روس کے ساتھ اس کی سرحد کے مل جانے کی وجہ سے اسے سیاسی طور پر بڑی فوقیت حاصل ہو جائے گی۔ پس پاکستان کے لئے ان دونوں ریاستوں میں سے کسی ایک کا مل جانا نہایت ہی ضروری ہے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس معاملہ کی طرف پاکستان گورنمنٹ نے توجہ نہیں کی اور ہندوستانی گورنمنٹ جلد جلد ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ شاید دونوں ریاستیں ہی ہندوستان میں شامل ہو جائیں۔ پاکستان گورنمنٹ کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ویسی ہی جلدی سے کام لیتی جیسا کہ ہندوستان لے رہا ہے اور ہندوستان پر یہ زور ڈالتی کہ ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی اصل سے کام لیا جائے گا یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ حکمران کے فیصلہ کے مطابق ہوگا یا دونوں ریاستوں کا فیصلہ آبادی کی اکثرت کے فیصلہ کے مطابق ہوگا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اب یہ تشویشناک اطلاعیں آ رہی ہیں کہ چار پانچ دن کے اندر اندر حیدر آباد اپنا آخری فیصلہ کر دے گا بلکہ شاید آج ۱۶ تاریخ کو ہی اس کا آخری فیصلہ شائع ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا اور حیدر آباد ہندوستان کے ساتھ مل گیا تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہندوستان یونین رعایا کی اکثریت کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے اس امر پر زور دینے لگے گی کہ جو والی ریاست کہے اسی کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور کشمیر کا والی ریاست یقیناً ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کرے گا۔ جب تک حیدر آباد ہندوستان یونین میں شامل نہیں ہوتا ہندوستان یونین اس دلیل کو کبھی تسلیم نہیں کرے گی کیونکہ اگر وہ کشمیر کو ملانے کے لئے اس دلیل پر زور دے تو حیدر آباد اس کے ہاتھ سے جاتا ہے لیکن جب حیدر آباد اس کے ساتھ مل گیا تو پھر وہ اسی دلیل پر زور دے گا خصوصاً اس لئے کہ پاکستان کے بعض لیڈر یہ اعلان کر چکے ہیں کہ موجودہ قانون کے لحاظ سے فیصلہ کا حق والی ریاست کو ہے نہ کہ مُلک کی اکثریت کو۔ اس صورت میں کشمیر کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے ہمارے پاس کوئی دلیل

باقی نہیں رہے گی۔ پس ہمارے نزدیک پیشتر اس کے کہ حیدرآباد کے فیصلہ کا اعلان ہو حکومتِ پاکستان کو اعلیٰ سیاسی سطح پر ان دونوں ریاستوں کے متعلق ایک ہی وقت میں فیصلہ کرنے پر اصرار کرنا چاہئے اور ہندوستانی یونین سے یہ منوا لینا چاہئے کہ وہ دونوں طریق میں سے کس کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے کہ آیا والیٔ ریاست کی مرضی کے مطابق یا آبادی کی کثرت رائے کے مطابق۔ اگر والیٔ ریاست کی مرضی کے مطابق فیصلہ ہو تو حیدرآباد اور جونا گڑھ کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہئے کہ یہ پاکستان میں شامل ہوں اور اگر آبادی کی کثرتِ رائے کے مطابق فیصلہ ہو تو پھر کشمیر کے متعلق ان کو اصرار کرنا چاہئے کہ وہ پاکستان میں شامل ہو۔

ہم جو کچھ اوپر لکھ آئے ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کا فائدہ اسی میں ہے کہ کشمیر اس کے ساتھ شامل ہو۔ حیدرآباد کی حفاظت کرنی اس کے لئے مشکل ہے اور پھر کسی ایسی حکومت کو دیر تک قابو میں نہیں رکھا جا سکتا جس کی آبادی کی اکثریت ایسے اتحاد کے مخالف ہو۔ تیسرے حیدرآباد چاروں طرف سے ہندوستان یونین میں گھرا ہوا ہے اس کے برخلاف کشمیر کی اکثر آبادی مسلمان ہے کشمیر کا لمبا ساحل پاکستان سے ملتا ہے۔ کشمیر کی معدنی اور نباتاتی دولت ان اشیاء پر مشتمل ہے جن کی پاکستان کو اپنی زندگی کے لئے اشد ضرورت ہے اور کشمیر کا ایک ساحل پاکستان کو چین اور روس کی سرحدوں سے ملا دیتا ہے۔ یہ فوائد اتنے عظیم الشان ہیں کہ ان کو کسی صورت میں بھی چھوڑنا درست نہیں۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ پاکستان کی سرحدیں کشمیر کے ہندوستان یونین میں مل جانے کی وجہ سے بہت غیر محفوظ ہو جاتی ہیں۔ پس مُلک کے ہر اخبار، ہر انجمن، ہر سیاسی ادارے اور ہر ذمہ دار آدمی کو پاکستان حکومت پر متواتر زور دینا چاہئے کہ حیدرآباد کے فیصلہ سے پہلے پہلے کشمیر کا فیصلہ کروا لیا جائے ورنہ حیدرآباد کے ہندوستان یونین سے مل جانے کے بعد کوئی دلیل ہمارے پاس کشمیر کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے باقی نہیں رہے گی۔ سوائے اس کے کہ کشمیر کے لوگ خود بغاوت کر کے آزادی حاصل کریں لیکن یہ کام بہت لمبا اور مشکل ہے اور اگر کشمیر گورنمنٹ ہندوستان یونین میں شامل ہوگئی تو پھر یہ کام خطرناک بھی ہو جائے گا کیونکہ ہندوستان یونین اس صورت میں اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دے گی اور کشمیر کو فتح کرنے کا صرف

یہی ذریعہ ہوگا کہ پاکستان اور ہندوستان یونین آپس میں جنگ کریں، کیا ایسا کرنا دُوراندیشی کے مطابق ہوگا؟ کیا ایسا کرنا موجودہ وقت میں ہمارے لئے مناسب ہوگا۔ جو کام تھوڑی سی دُوراندیشی اور تھوڑی سی عقلمندی سے اِس وقت آسانی سے ہوسکتا ہے، اسے تغافل اور سستی کی وجہ سے لٹکا دینا ہرگز عقلمندی نہیں کہلا سکتا۔

(الفضل لاہور ۱۹/اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر کی جنگ آزادی

ایک ماہ کے قریب عرصہ سے کشمیر کے لوگوں نے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کرنی شروع کی اور یہ جدوجہد ان مظالم کے نتیجہ میں ہے جو ریاست کشمیر کی طرف سے مسلمانوں پر کئے جا رہے تھے۔ پٹھان کشمیر کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر ان مظالم سے متأثر ہوئے خصوصاً اس لئے کہ مظفر آباد، ریاست کشمیر اور ہزارہ علاقہ سرحد کے ہزاروں آدمی آپس میں رشتہ داری کا تعلق رکھتے ہیں۔ بِالخصوص ضلع مظفر آباد کے مسلمان رؤساء اور ضلع ہزارہ کے مسلمان رؤساء کے درمیان کثرت سے شادی بیاہ ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کشمیر سے اوپر کے رہنے والوں کے نہایت ہی قریبی تعلقات سرحد کے بعض قبائل سے ہیں ان تعلقات کی بناء پر یہ ممکن نہ تھا کہ کشمیر کے واقعات سے صوبہ سرحد متأثر نہ ہوتا یا پونچھ اور میر پور کے واقعات سے راولپنڈی، جہلم اور گجرات متأثر نہ ہوتے تو لازماً ان علاقوں میں بھی جوش پھیلا اور سرحد کے کچھ قبائل کشمیر میں اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے داخل ہو گئے۔ کشمیر کی حکومت نے بجائے اصلاح کرنے کے ہندوستان یونین کے ساتھ اِلحاق کا فیصلہ کر دیا اور اس کی مدد طلب کی اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب مشہور لیڈر کشمیر اس موقع پر صحیح طریق عمل اختیار کرنے سے قاصر رہے اور انہوں نے کشمیر کے راجہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ دنیا کی ساری حکومتوں میں شاید کشمیر ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اِس میں ایک وقت میں دو وزیراعظم ہیں۔ مسٹر مہر چند مہاجن دیوان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور شیخ عبداللہ صاحب پرائم منسٹر کے نام سے۔ حالانکہ دیوان اور پرائم منسٹر ایک ہی چیز کا نام ہے۔ ہمیں اس واقعہ پر ایک پُرانا لطیفہ یاد آتا ہے۔ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے جب پنجاب میں انجمنوں کا نیا نیا رواج شروع ہوا تو ایک بزرگ جو بھیرہ کے رہنے والے تھے اور جموں میں ایک بہت بڑے عہدہ پر ملازم تھے

جب کچھ دنوں کے لئے اپنے وطن بھیرہ میں آئے تو انہیں ایک نئی انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھے جانے کی خبر ملی اور اس کے عہدہ داروں کو اُن سے ملوایا گیا۔ ایک صاحب کو پیش کیا گیا کہ یہ صاحب صدر مجلس اسلامیہ ہیں۔ دوسرے صاحب کو پیش کیا گیا کہ یہ پریذیڈنٹ مجلس اسلامیہ ہیں۔ اسی طرح ایک مجلس اسلامیہ کے مربی کے طور پر اور ایک صاحب پیٹرن [۱۵] کے طور پر پیش کئے گئے۔ ان بزرگ نے علیحدگی میں سیکرٹری سے پوچھا کہ یہ کیا تماشہ ہے ایک مجلس کے دو دو صدر تو ہم نے کبھی سنے نہ تھے۔ سیکرٹری نے جواب دیا کہ صاحب! جانے دیجئے جاہلوں کو اسی طرح بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ جب ہم نے انجمن اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو ہمیں محسوس ہوا کہ فلاں فلاں دو شخصوں کو ملائے بغیر کام نہیں چل سکے گا مگر وہ دونوں صاحب برابر کے جوڑ تھے اس لئے ان میں سے کسی ایک کو صدر اور کسی کو نائب صدر نہیں بنایا جا سکتا تھا اس پر ہم نے ان کی جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ تدبیر کی کہ ایک کا نام صدر رکھ دیا اور ایک کا نام پریذیڈنٹ رکھ دیا اور صدر صاحب کے کان میں یہ کہہ دیا کہ یہ انجمن اسلامیہ ہے اور صدر اسلامی نام ہے اس لئے یہی عہدہ بڑا ہے اور پریذیڈنٹ صاحب کے کان میں کہہ دیا کہ آجکل انگریزی راج ہے عربی کے ناموں کو کون پوچھتا ہے اصل عہدہ تو پریذیڈنٹ کا ہی ہے۔ اب ان دونوں صاحبان سے ہم کام لے رہے ہیں اور ہمارا کام چل رہا ہے۔ کانگرس اور مہاراجہ جموں نے بھی اسی تدبیر سے کام لیا ہے ایک صاحب کو دیوان کا عہدہ ملا ہوا ہے اور ایک صاحب کو پرائم منسٹر کا۔ اعلان پرائم منسٹر سے کروائے جا رہے ہیں اور کام دیوان سے لیا جا رہا ہے۔ ایک شہرت کی رشوت کا شکار ہے اور ایک اقتدار کے حاصل ہونے میں مگن ہے۔ یہ دونوں خوش ہیں تو باقی لوگوں کے اعتراض کی حقیقت ہی کیا ہے۔ بہرحال اس چال سے ایک طرف مہاراج نے اپنے اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے ہوئے ہیں تو دوسری طرف وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہوگئے ہیں مگر یہ چال اتنی خطرناک نہیں جتنی خطرناک یہ بات ہے کہ بوجہ آزاد حکومت کشمیر کے منظّم نہ ہونے کے کشمیر اور پاکستان دونوں جگہوں پر گھبراہٹ کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ لاہور تو اس وقت غلط افواہوں اور جھوٹی خبروں کا مرکز بن رہا ہے۔ ذرا کسی شخص کو کشمیر کے معاملات سے دلچسپی لیتے ہوئے دیکھیں تو لوگ جھٹ اس کے پیچھے دَوڑ پڑتے ہیں اور

تجسس شروع کر دیتے ہیں ۔ ہمارے نزدیک مسلمانوں کو اپنے فائدہ کے لئے اس سے بچنا چاہئے ۔ کام کرنے والے ناتجربہ کار ہیں آگے ہی ان پر حد سے زیادہ بوجھ ہے ۔ اگر ان سے یہ امید کی جائے کہ وہ ہر تجویز کو عَلَی الْاِعلان بیان کریں تو وہ کام کرہی کس طرح سکتے ہیں ۔ اگر یہی کنسوئیاں لینے اور ہر کسی کے پھٹے میں پاؤں اَڑانے کا سلسلہ جاری رہا تو کشمیر کی آزادی کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ۔

ہمارے نزدیک اس وقت خبر دینے والوں اور خبریں لینے والوں اور خبریں چھاپنے والوں کا سب سے اہم فرض یہ ہونا چاہئے کہ سچی خبریں دیں ۔ سچی خبریں سنیں اور سچی خبریں چھاپیں ۔ ہمارے بعض اخبارات میں کشمیر کی فتوحات کے متعلق بعض خبریں قبل از وقت شائع ہو گئیں ۔ اخبارات تو مجبور تھے ان کو جو خبریں آئیں انہوں نے چھاپ دیں لیکن خبریں بھجوانے والے خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے ۔ ان کی غلط خبروں نے آخر قوم کے حوصلہ کو پست کرنا شروع کر دیا جو لوگ دس دن پہلے سے سرینگر کی فتح اور ایروڈروم کے قبضہ کی خبریں سنا رہے تھے جب دن کے بعد دن گزرتا گیا اور وہ اپنے سروں پر ہندوستان کے ہوائی جہازوں کو اُڑتے ہوئے دیکھتے رہے اور تازہ دم فوجوں کے پہنچنے کی خبریں سنتے رہے اور سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ اور اُن کی گورنمنٹ کے کام کی اطلاعات پڑھتے رہے اور مسٹر پٹیل [16] اور سردار بلدیو سنگھ کے سرینگر کے دورہ کا حال انہوں نے پڑھا تو انہوں نے لازمی طور پر یہ سمجھا کہ آزاد کشمیر کی فوجیں کشمیر فتح کرنے کے بعد شکست کھا گئی ہیں اور واپس لوٹ آئی ہیں ۔ کشمیر ایک مُلک ہے اور مُلکوں کا فتح کرنا چند دن کا کام نہیں ہوتا ۔ بارہ مولا پر آزاد فوجوں کا قبضہ دیر سے ہوا ہوا ہے ۔ اگر آج بھی اس بات کا اعلان کیا جاتا کہ بارہ مولا آج فتح ہوا ہے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوتا اور یقیناً مسلمانوں کے حوصلے اس سے گھٹتے نہ بلکہ بڑھتے لیکن سرینگر کی فتح کی خبریں سننے کے دس دن بعد یہ خبریں سننا کہ ابھی مجاہد فوج بارہ مولا کے اِردگرد پھر رہی ہے اور یہ کہ ہندوستانی یونین کی فوجیں برابر اڈہ میں اُتر رہی ہیں ایک سخت ہمت توڑنے والی بات تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی زبان چاٹنے والے چیتے کی طرح وہ لوگ بھی جو حقیقت حال سے واقف تھے پہلے تو ان خبروں کے اشاعتی اثر کا خیال کر کر کے مزے لیتے رہے مگر کچھ دنوں کے بعد خود ہی روایتی چیتے کی طرح

اپنی زبان کو کھوئے جانے پر حسرت سے ہاتھ ملنے لگے اور اِدھر اُدھر گھبرائے ہوئے پھرنے لگے کہ اب کیا ہوگا۔ یہ حالت اگر دُور نہ ہوئی تو اس سے آزادی کشمیر کی کوششوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ پس ہم باادب تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ:۔

اوّل اخباروں یا دوسرے اداروں کو ہرگز کوئی ایسی خبر نہ بھیجیں جو ثابت شدہ حقیقت نہ ہو جس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، ایسی خبروں سے قوم کے حوصلے نہیں بڑھتے بلکہ جب اُن کی غلطی ثابت ہوتی ہے تو قوم کے حوصلے گر جاتے ہیں اور عارضی طور پر بڑھا ہوا حوصلہ ایک مستقل شکست خوردہ ذہنیت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور قوم ایک ایسے گڑھے میں گر جاتی ہے جس میں سے اُس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

دوم اخبارات کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر نامہ نگار کی خبر کو تسلیم نہ کر لیا کریں بلکہ اگر کوئی نامہ نگار غلط خبر دے تو اس سے سختی سے باز پُرس کیا کریں تاکہ آئندہ کیلئے نامہ نگاروں کو کان ہو جائیں اور وہ اخبار کی بدنامی اور قوم کی تباہی کا موجب نہ بنیں۔

سوم ہمیں یہ عادت ترک کر دینی چاہئے کہ چاروں طرف سے حقیقت حال کے معلوم کرنے کے لئے قوتِ شنوائی کا جال پھیلاتے پھریں یا تو کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے یا ہمیں اعتبار نہیں۔ اگر کام کرنے والوں پر ہمیں اعتبار ہے تو ہمیں اُن کو کام کرنے دینا چاہئے اور ان کے راستہ میں مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں اور اگر ہمیں کام کرنے والوں پر اعتبار نہیں تو ہمیں دوسرے کام کرنے والے پیدا کرنے چاہئیں یا کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہئے جس سے کام کرنے والوں کی اصلاح ہو لیکن جہاں معلوم ہو کہ کوئی شخص کشمیر کا کام کر رہا ہے اور اس کے پیچھے بیسیوں جاسوس دَوڑ پڑے اور چاروں طرف سے سوالات کی اُس پر بھرمار ہوگئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس کا اس کام سے تعلق نہیں اُسے بیسیوں خبریں اِن سوال کرنے والوں سے مل جائیں گی اور خود سوال کرنے والوں کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا اس کام سے کوئی تعلق ہے تو اُسے یکدم یوں معلوم ہوگا کہ وہ ایک شیشہ کی دیواروں والے حمام میں ننگا نہا رہا ہے جس کے چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگ اُسے دیکھ رہے ہیں۔ ایسا آدمی نہا نہیں سکتا اور اگر یہ آدمی نہا نہیں سکتا تو وہ آدمی ایک اہم سیاسی کام کس طرح کر سکتا ہے۔ قوم کے

وفاداروں کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ اگر اُن کی نظر اتفاقی طور پر کسی ایسی چیز پر پڑ بھی جائے تو وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایک محکمہ جسے خبروں کے معلوم کرنے کے بہت سے ذرائع حاصل ہیں جب اُس کے افسر سے کسی نے یہ کہا کہ ہماری اس معاملے میں مدد کریں کہ فلاں بات بغیر مشہور ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے تو اُس افسر نے آگے سے یہ جواب دیا کہ یہ احتیاط فضول ہے آجکل کونسی بات چھپی رہتی ہے۔ دیکھئے تو فلاں نے فلاں کو اس اس قسم کی ہدایت جاری کی اور وہ بھی سب کو معلوم ہوگئی۔ وہ بات جو بتانے والے نے بتائی نہایت ہی اہم تھی۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ جب وہ ہدایت منزلِ مقصود تک پہنچی تو ایک ذمہ دار افسر نے ایک اور ذمہ دار افسر کو یوں فون کیا کہ ہمیں بڈھے نے فلاں کام کرنے کا حکم دیا تھا مگر ہم نے وہ کام نہیں کیا۔ یہ فون کرنے والا پاکستان کا افسر تھا اور جس کو فون گیا گیا تھا وہ انڈین یونین کا افسر تھا۔ ہر ایک پاکستان کا خیر خواہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ صورتِ حالات نا قابلِ برداشت ہے ہم اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ ذہنیت بدلنی چاہئے یہ حالات تبدیل ہونے چاہئیں ورنہ کام کو نقصان پہنچے گا۔ یہ اصول جو ہم نے بیان کئے ہیں ایسے نہیں جن سے صرف راز دانوں کو واقفیت ہو ہم نہ کشمیر میں ہیں نہ آزاد گورنمنٹ سے ہمارا کوئی تعلق ہے مگر ہم اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے ان باتوں کو سمجھ رہے ہیں اور ہر مسلمان ہماری طرح سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ سمجھنا چاہے اور بشرطیکہ اپنی قوم کی وفاداری کا جذبہ اس کے دل میں موجزن ہو۔

(الفضل ۷؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

پاکستان کی اقتصادی حالت

جب ہندوستان کے دو ٹکڑے ہونے کا سوال پیش تھا اُس وقت متحدہ ہندوستان کے مدعی اسی بات پر زور دیا کرتے تھے کہ اگر ہندوستان کے دو ٹکڑے ہوئے تو پاکستان اقتصادی طور پر اتنا کمزور ہوگا کہ وہ اپنی آزاد ہستی کو قائم نہیں رکھ سکے گا۔ انگریز کا بھی یہی خیال تھا اور اسی وجہ سے وہ پاکستان کا مخالف تھا اس لئے نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے بلکہ اس لئے کہ انگریز ہندوستان کو آزادی صرف روس کے ڈر کی وجہ سے دے رہا تھا۔ انگریز اس بات کو سمجھ چکا تھا کہ آئندہ جنگ میں روس ہندوستان کو لپیٹ میں لانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ جرمن کے ساتھ جنگ میں ہندوستان کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ وہ جرمنی سے بہت دور تھا۔ جاپان کے ساتھ جنگ میں بھی ہندوستان ایسی اہمیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ جاپانی فوجیں ہندوستان میں صرف ایک لمبا اور دشوار گزار راستہ طے کر کے داخل ہو سکتی تھیں اور اس وجہ سے کوئی بڑی فوج ہندوستان پر حملہ آور نہیں ہو سکتی تھی لیکن روس کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی ہیں۔ پامیر کی طرف سے گو ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ طے کرنا پڑتا ہے اور افغانستان کی طرف سے۔ گو ایک آزاد قوم کے ساتھ ٹکرانا پڑتا ہے لیکن بہرحال یہ مشکلات اتنی سخت نہیں جتنی کہ جرمن اور جاپان کے راستہ میں تھیں۔ پس آئندہ جنگ جو روس کے ساتھ ہوتی نظر آتی ہے اس میں ہندوستان ایک نہایت ہی اہم حیثیت رکھے گا۔ انگریز سمجھتا تھا کہ پاکستان کی اقتصادی حالت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے وہ مضبوط اور بڑی فوج نہیں رکھ سکتا اور ہندوستان اپنے اعلیٰ رنگروٹوں سے محروم ہو جانے کی وجہ سے باوجود وسیع مالی ذرائع کے کوئی بڑی فوج نہیں رکھ سکتا۔ ہندوستان بڑی فوج تبھی رکھ سکتا ہے جب کہ ہندوستان کا وہ حصہ جو اَب پاکستان کہلاتا ہے اس کے ساتھ شامل ہو۔ روپیہ ہندو قوم مہیا کرے اور سپاہی مسلمان قوم مہیا کرے۔ روس جیسے مُلک کے ساتھ لڑائی کرنے کے

لئے پندرہ بیس لاکھ کی فوج ضروری ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اتنی فوج انگریز کے نزدیک پاکستان کبھی بھی نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے انگریز چاہتا تھا کہ کسی طرح ہندو اور مسلمان اکٹھے رہیں اور ہندوستان تقسیم نہ ہو اور جب یہ نہ ہوا تو پھر اس نے یہ خواہش شروع کی کہ کسی طرح پاکستان کمزور ہو کر ہندوستان کیساتھ دوبارہ مل جانے کی طرف مائل ہو جائے۔ چنانچہ یہ کھیل جاری ہے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ پاکستان کی اقتصادی حالت کو درست کیا جائے لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی طرف پوری توجہ نہیں کی جارہی۔ پاکستان کی سب سے بڑی صنعت اور اس کی دولت کا مدار کپاس پر ہے کپاس کے کارخانے اکثر ہندوؤں کے پاس تھے جو انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ یہ کارخانے اب تک مقاطعہ پر لوگوں کو نہیں دیئے گئے اور کپاس زمیندار چننے لگ گئے ہیں چونکہ زمیندار زیادہ دیر تک گھر میں جنس نہیں رکھ سکتا زمینداروں نے تنگ آ کر کپاس سستے نرخوں پر بیچنی شروع کر دی ہے اور چونکہ گاہک کو نہیں پتہ کہ کارخانہ کب شروع ہوگا اور آیا اسے کوئی نفع مل سکے گا یا نہیں وہ دبا کر بہت ہی سستے داموں پر کپاس لے رہا ہے۔ اِس وقت منٹگمری میں آٹھ روپے من، سرگودھا میں چار روپے من اور شیخوپورہ میں پانچ روپے من کپاس بِک رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اِن حالات میں زمیندار کو اتنی رقم بھی نہیں ملے گی جتنی کہ اس نے گورنمنٹ کو بطور معاملہ ادا کرنی ہے۔ ان پریشان کُن حالات میں جب کہ انسان پہلے ہی دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھتا ہے اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوتا ہے اگر زمیندار پر ایسی تباہی آئی تو اس کے نتائج ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ گزشتہ سال کپاس کی قیمت ۲۲ روپے کے قریب تھی کُجا بائیس روپیہ اور کُجا سات آٹھ روپیہ دونوں قیمتوں میں کوئی بھی تو نسبت نہیں۔ سندھ کے کارخانوں کو چلے ہوئے پندرہ بیس دن گزر چکے ہیں سینکڑوں بیلز وہ نکال چکے ہیں اور ان کی روئی منڈی میں جا رہی ہے۔ وہاں اس سال بھی بائیس روپے من کپاس کی قیمت مل رہی ہے۔ اب قیمتوں کے اس اختلاف کی وجہ سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو سندھ کے روئی کے تاجر جو اس سال کثرت سے مسلمان ہونگے، بالکل تباہ ہو جائیں گے کیونکہ اُنہوں نے بائیس روپیہ پر روئی خریدی ہوگی اور پنجاب کی قیمتیں منڈی کی قیمتوں کو گرا دیں گی یا پھر پنجاب کی روئی تاجر سستے داموں خرید کر بڑی قیمتوں پر بیچے گا اور

پنجاب کا زمیندار بالکل تباہ ہو جائے گا۔ بہر حال یا سندھ کا تاجر تباہ ہو گا یا پنجاب کا زمیندار تباہ ہو گا۔ اس کا ایک ہی علاج ہے کہ پنجاب کے روئی کے کارخانے فوراً چلنے شروع ہو جائیں اور اتنی کثرت سے کارخانے چلیں کہ مقابلہ قائم رہے۔ اگر ہر منڈی میں ایک ایک کارخانہ چلایا گیا اور جو کارخانے کھلے وہ ایک دوسرے سے دُور دُور واقع ہوئے تو پھر بھی کارخانہ دار قیمتوں کو بزور گرانے کی کوشش کریں گے۔ پس پنجاب کے زمیندار کی حالت کو درست رکھنے کیلئے کپاس کے کارخانے فوراً چلائے جانے چاہئیں اور اتنی تعداد میں چلائے جانے چاہئیں کہ کارخانوں کا مقابلہ قائم رہے اور زمیندار کو مناسب قیمت مل سکے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پنجاب گورنمنٹ جننگ کے کارخانوں کو بھی ایک قومی صنعت بنانا چاہتی ہے اس میں تو کوئی شُبہ نہیں کہ مُلک کی چند صنعتوں کو قومی بنانا مفید ہو سکتا ہے لیکن تمام صنعتوں کو قومی بنانا کبھی بھی مفید نہیں ہوتا۔ اس سے مقابلہ کی روح ماری جاتی ہے اور جمہوریت کو سخت نقصان پہنچتا ہے مگر اس مضمون کے بارہ میں ہم اِس وقت کچھ لکھنا نہیں چاہتے۔ ہم صرف اِس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اگر روئی کے کارخانے سرکاری ہوئے تو لازماً روئی کی قیمتیں گر جائیں گی کیونکہ قیمتیں گاہکوں کی زیادتی کی وجہ سے بڑھتی ہیں۔ جب ایک چیز کے حد سے زیادہ گاہک ہوں تو اُس کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جب ایک چیز کے حد سے کم گاہک ہوں تو اُس کی قیمت حد سے زیادہ گر جاتی ہے۔ اگر جننگ کے کارخانوں کی مالک گورنمنٹ ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ سارے پنجاب میں گاہک ایک ہی شخص ہو گا یعنی حکومت۔ اور جب گاہک ایک شخص ہوا تو لازماً ہر زمیندار کو اس کے پاس اپنی کپاس بیچنی پڑے گی اور جب گاہک کو پتہ ہو گا کہ میرے سوا یہ زمیندار کسی اور کے پاس کپاس نہیں بیچ سکتا تو یقیناً گاہک جو چاہے گا قیمت تجویز کرے گا اور زمیندار مجبور ہو گا کہ اُسی قیمت پر اپنی جنس کو بیچے اور اس سے پاکستان کی اقتصادیات بالکل تباہ ہو جائے گی اور انگریز کا وہ خدشہ بلکہ اب تو یوں کہنا چاہئے کہ وہ خواہش جو وہ پاکستان کی اقتصادی تباہی کے متعلق اپنے دل میں رکھتا تھا اور جس کے بغیر ہندوستان کے اتحاد اور روس کے دفاع کے مسائل حل نہیں ہوتے تھے پوری ہو جائے گی اور مسلمان اس آزادی کو کھو بیٹھیں گے جس کے لئے اُنہوں نے اتنی قربانی اور جدوجہد کی ہے۔

پس پاکستان کی اقتصادی حالت کو درست کرنا گورنمنٹ کے اہم ترین فرائض میں سے ہے اور اس کی طرف جتنی بھی توجہ دی جائے کم ہے لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ اب تک فیکٹریاں کرائے پر بھی نہیں دی گئیں اور نہ لوہے کی پتیوں کا انتظام کیا گیا ہے نہ کوئلے کا انتظام کیا گیا ہے جس کی وجہ سے کارخانوں کے تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کام فوراً نہیں چل سکے گا۔ اوّل تو کم سے کم دو ہفتے کارخانوں کی صفائی پر لگیں گے پھر عملہ تلاش کرنے میں بھی ٹھیکیداروں کا وقت خرچ ہوگا بلکہ اگر ہماری اطلاعات ٹھیک ہیں تو بہت سی جگہوں پر ہندو مالکانِ کارخانہ نے بعض اہم پُرزے مشینوں میں سے نکال کر چھپا دیئے ہیں جس کی وجہ سے کارخانوں کے چلانے میں دِقّت ہوگی اور جب انجینئر مشینوں کو صاف کرنے لگیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ مشینیں اس وقت تک چلنے کے قابل ہی نہیں جب تک کہ بیرونی ممالک سے نئے پُرزے لا کر ان میں نہ ڈالے جائیں۔ جس کے دوسرے معنی یہ ہونگے کہ اس سال روئی کے بہت سے کارخانے چل ہی نہیں سکیں گے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو زمیندار کی تباہی میں کوئی شُبہ ہی نہیں رہتا اور پاکستان کی مالیات کو بھی سخت نقصان پہنچنے کا امکان ہے کیونکہ پاکستان کی بڑی دولتوں میں سے ایک دولت اس کی کپاس ہے لیکن اگر یہ اطلاعات درست نہیں، تب بھی بغیر کوئلہ اور بغیر لوہے کی پتیوں اور بغیر ان کے وقت پر مہیا ہو جانے کے اور کارخانوں کے فوراً جاری ہو جانے کے زمیندار کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ پس ہم حکومت کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس معاملہ میں زیادہ دیر نہ کرے اور فوراً کارخانے جاری کروا دے ورنہ زمیندار تو تباہ ہی ہو جائیں گے، حکومت کی اپنی مالی حالت کو بھی سخت دھکا لگے گا اور اسے بہت سے مقامات پر معاملہ اور آبیانہ معاف کرنا پڑے گا کیونکہ ان حالات میں زمیندار معاملہ دے کر اگلے چھ مہینے روٹی نہیں کھا سکتا اور اگلے چھ مہینے وہ روٹی کھائے گا تو گورنمنٹ کا معاملہ ادا نہیں کر سکے گا۔

ہماری سب سے بڑی طاقت قرآن کریم ہے

الفضل کی کسی گزشتہ اشاعت میں ہم نے ان کالموں میں لکھا تھا کہ پاکستان کی سب سے بڑی دولت قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس کے متعلق ہم کو ایک بنا بنایا اصول اس تعلیم میں نہ ملتا ہو۔ انسان کے بنائے

ہوئے قانونوں میں افراط تفریط کا خدشہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ انسانی عقل ایک نہایت ہی محدود چیز ہے اور چونکہ ایک وقت میں ایک سوال کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھنا اس کے احاطۂ اقتدار سے باہر ہے اس لئے عقل جو بھی اصول بناتی ہے اس میں کچھ نہ کچھ خامی رہ جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ ایک وقت اور ایک حالات میں جو بات نہایت مستحسن معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے وقت اور دوسرے حالات میں وہی بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ ایک زمانہ میں سائنس اور فلسفہ کے جو نتائج ہم کو آخری معلوم ہوتے ہیں زمانہ مابعد میں ان کی تردید ہو جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں جو باتیں کہی گئیں ہیں اٹل ہیں۔ زندگی کے جو اصول بیان کئے گئے ہیں وہ آخری ہیں۔ یہ صرف زبانی دعویٰ نہیں بلکہ چودہ سَو سال کی اسلامی تاریخ کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ جب کبھی انسانی عقل نے اس آفتاب کے چہرے پر پردے ڈالنے کی کوشش کی ہے تو اس کی جاودانی شعاعوں نے ان پردوں کو تار تار کر کے ہوا میں اُڑا دیا ہے۔ ہندوستان میں شہنشاہِ اکبر [17] کے عہد میں اسلامی تعلیم کو سیاسی مصالح پر قربان کرنے کی انتہائی کوشش ہو چکی ہے، شاہی دربار سے الحاد کی جو تاریک گھٹا اُٹھی تھی اُس نے ایک وقت کے لئے تو بے شک آفتاب کی روشنی کو دنیا کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا مگر تاریکیوں کے یہ بادل زیادہ دیر تک مطلع پر چھائے نہ رہ سکے۔ حضرت سیّد احمد سرہندی [18] مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے ایک ہی اشارے میں ان بادلوں کو پھاڑ کر رکھ دیا اور آفتابِ اسلام کا درخشاں چہرہ دنیا کے سامنے کر دیا اور اس کی روح پرور شعاعیں کوہ ودمن کو منور کرنے لگیں۔ یہ چشمۂ فیض حضرت سیّد احمد بریلوی علیہ الرحمۃ [19] کے عہد سعید تک جاری رہا۔ پھر مغربی الحاد کا طوفان اُٹھا جس نے ایک دفعہ پھر مسلمانانِ ہند کی نگاہوں سے آفتابِ عالمتاب کو پنہاں کر دیا۔ یہ سب سے بڑا طوفان ہے جو دنیا کی پیدائش سے لے کر عقل کے طاغوت نے آج تک بپا کیا ہے لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ اس طوفان کی بھی آخری گھڑیاں آن پہنچی ہیں۔ دنیا میں جو انقلابات رونما ہو رہے ہیں اگرچہ بظاہر وہ نہایت بھیانک مناظر کے حامل نظر آتے ہیں لیکن صرف انسانی تجربہ کی کسوٹی پر رکھنے سے بھی ہر صاحب ادراک محسوس کر سکتا ہے کہ طاغوتی طاقتیں اپنے حدِ کمال کو عبور کر کے انحطاط کی طرف مائل ہو چکی ہیں اور عقل وخرد کے بلبلے پھٹ جانے کے لئے ایک ذرا سی ٹھیس

کے منتظر ہیں۔

قدرت نے خالص مسلمانوں، فدایانِ نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بستی یونہی اتفاقاً آباد نہیں کر ڈالی، اُس نے اِس وقت ہماری آزمائش کے لئے ہمیں چنا ہے، اِس وقت پاکستان کے مسلمان سب سے بڑے میدانِ امتحان میں ہیں، اگر ہم میں ذرا بھی اسلامی حمیت باقی ہے، اگر ہماری رگوں میں زندگی کی رمق موجود ہے، اگر اس راکھ کے ڈھیر میں ایک بھی جلتی ہوئی چنگاری بچی ہوئی ہے تو یقیناً ہم ایک بار پھر وہی شعلہ اُٹھا سکتے ہیں جس میں بھسم ہونے کے لئے طاغوتی عقل نے اتنا ایندھن اکٹھا کر دیا ہے کہ جتنا اس نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ شیطان نے اپنی آخری بازی لگا رکھی ہے اگر ہم جیت گئے، کاش ہم جیت جائیں تو پھر قیامت تک وہ سر نہیں اُٹھا سکے گا۔ دریودھن نے فریب کا پانسا پھینک کر بے شک ہمارا سب کچھ ہتھیا لیا ہوا ہے، دنیاوی لحاظ سے ہم بے شک کنگال ہو چکے ہیں، بے شک دشمن نے ہمیں اپنی دانست میں ہلاک کر کے غار میں پھینک دیا ہے لیکن یہ ہم سے کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ہم نے اپنے اٹل اصولوں کو چھوڑ کر اس کے فنا ہونے والے اصولوں کو مان لیا۔ ہم اپنے سیدھے راستے سے بھٹک کر اُس کی پیچ در پیچ پگڈنڈیوں پر چل پڑے جہاں چپہ چپہ پر اس نے اپنے تیر انداز متعین کر رکھے ہیں۔ جن کی بوچھاڑ نے ہماری روحوں تک کو مجروح کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے کہ ہم کو ہمارے املاک سے محروم کر کے بن باس کی طرف دھکیل دیا گیا ہے پھر بھی ہمارے لئے ناامید ہونے اور حوصلہ ہارنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ ہماری کمک آسمان سے آتی ہے زمین سے نہیں۔ اس کمک نے آڑے وقت کبھی کوتاہی نہیں کی۔ وہی جس نے کورکشتر کے میدان میں پانڈو کے بیٹوں کی کرشن کو بھیج کر مدد کی تھی، وہی جس نے ابراہیم کے لئے نمرودی آتش کدے کو لہلہاتے ہوئے پھولوں کا دامن بنا دیا تھا، وہی جس نے نوح کی کشتی کو ساحل پر لگایا اور جس نے موسیٰ کے لئے سمندر کو دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جس نے ہمیں خود تاتاری طوفان سے بال بال بچا کر نکال لیا تھا وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح زندہ ہے، اُس کا آخری پیغام زندہ ہے، اُس پیغام کا لانے والا خاتم النبیین کہلانے والا زندہ ہے، وہ منبع قوت جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہم کو مفت دیا گیا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے دھوکے میں آکر اپنی زندگی کے تار اس سے منقطع کر لئے۔ ہمارے فانوس جس نور سے

روشن ہوئے تھے ہم نے اس نور سے رشتہ توڑ لیا اگر ہم آج پھر اس منبع قوت سے اپنے فانوسوں کے تار جوڑ لیں تو یقیناً ہمارا گم ہوا ہوا نور پھر ہم کو ایک آن میں واپس مل سکتا ہے کیونکہ وہ منبع قوت ہمیشہ کیلئے ہمارے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں نے پاکستان اسلام کے نام پر، اسلامی تہذیب وتمدن کے قیام کے نام پر لیا ہے اس لئے جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے آج پاکستان کا مسلمان خدا تعالیٰ کی امتحان گاہ میں ہے۔ خدا تعالیٰ کا نور قرآن پاک اور اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ اگر اس نے اس کی رہنمائی کو قبول کر لیا تو یقیناً پاکستان ہی نہیں تمام دنیا اس کے قدموں کے نیچے آ جائے گی۔ ورنہ وہ بھی جو اس کے پاس ہے اس سے چھین لیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے کام کو کسی دوسری قوم کے سپرد کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کے کام کے مقابل کسی فرد یا کسی بڑی سے بڑی قوم کی پَرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔

(الفضل ۹ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر

کشمیر کے متعلق نہایت متوحش خبریں آ رہی ہیں جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہوا تھا کہ کشمیر کا سوال چند دنوں میں حل کیا جا سکتا ہے نہ صرف ان کی غلطی ان پر واضح ہوگئی بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کی غلطی کا خمیازہ بھگتنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بڑھی ہوئی اُمیدوں کا نتیجہ جب حسبِ امید نہیں نکلتا تو لوگ اس بات کے سوچنے کی طاقت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں کہ حالات کے مطابق کتنا نتیجہ نکلنا چاہئے تھا اور وہ صرف یہی سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہمیں کہا گیا تھا اتنا نتیجہ نہیں نکلا۔ خواہ وہ نتیجہ جس کی وہ امید کر رہے تھے عقل اور واقعات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وجہ سے وہ لوگ دل چھوڑ بیٹھتے ہیں اور مجبوری کے بغیر کمزوری دکھانے لگ جاتے ہیں۔

ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے اور ہوا ہے کہ جب مبالغہ آمیز خبریں شائع کی جائیں تو دشمن بہت زیادہ ہوشیار ہو جاتا ہے جب کشمیر میں انڈین یونین کی فوجیں آئیں تو شروع میں وہ صرف ایک بریگیڈ بھجوانا کافی سمجھتے تھے لیکن پاکستان سے جب یہ آوازیں اُٹھنی شروع ہوئیں کہ پچاس ہزار مجاہد سرینگر کے میدان کی طرف بڑھ رہا ہے تو انڈین یونین نے تین ڈویژن کشمیر بھجوانے کا فیصلہ کر دیا اور تمام ڈکوٹا ہوائی جہاز جو ہندوستان میں میسر آ سکتے تھے ان کو اس کام پر لگا دیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنی فوج بھجوانے کا ارادہ نہیں تھا اتنی فوج بھیج دی گئی اور جس عرصہ میں فوج بھیجنے کا ارادہ تھا اس سے پہلے بھیج دی گئی۔ ہماری طرف سے صرف فخر کا اظہار ہوا اور اُدھر سے کام ہو گیا۔ اس فخر کا ہم کو کیا فائدہ ہوا؟ صرف مخالف نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور ہمارے دوستوں کو اس سے سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ تو ایک کھلی ہوئی صداقت ہے جس کا انکار نہ حکومت پاکستان کرتی ہے نہ کوئی مسلمان کر سکتا ہے کہ گو پاکستان عَلَی الْاِعْلَان جنگ میں شامل نہیں لیکن وہ کشمیر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور کشمیری

مسلمانوں کی آزادی اسے مطلوب ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی پسند نہیں کر سکتا کہ کشمیر کا مسلمان ڈوگروں کا غلام بنا کر رکھا جائے یا سکھوں کی کرپانوں کا نشانہ بنتا رہے۔ جب یہ ایک حقیقت ہے تو اس حقیقت کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بھی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں اور جنگ سے اُتر کر جتنی تدابیر اس کام کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں وہ استعمال کر جانی چاہئیں۔ مثلاً اخباری پروپیگنڈا حکومت پاکستان کی نگرانی میں آ جانا چاہئے۔ سنسر نہ ہو مگر حکومت پاکستان کا پریس نمائندہ اخبارات کو خفیہ طور پر ایسی ہدایتیں دیتا رہے کہ کس قسم کی خبریں شائع کرنا تحریک کشمیر کے مخالف ہوگا اور کس قسم کی خبریں شائع کرنا تحریک کشمیر کے مخالف نہ ہوگا۔ یورپ اور امریکہ کا پریس بالکل آزاد سمجھا جاتا ہے لیکن وہاں بھی امور خارجہ کا ایک نمائندہ پریس کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے اور وہ ہر اہم موقع پر پریس کو توجہ دلاتا رہتا ہے کہ اس مسئلہ کے کونسے پہلوؤں کی اشاعت آپ کے مُلک کے مفاد کے لئے مضر ہوگی اور کونسے پہلوؤں کی اشاعت آپ کے مُلک کے مفاد کیلئے مفید ہوگی۔ پریس بے شک آزاد ہوتا ہے مگر وہ اپنے مُلک کا دشمن تو نہیں ہوتا۔ امور خارجہ کے نمائندہ کی طرف سے جب ان کے سامنے حقیقت کو واضح کر دیا جاتا ہے تو نوّے فیصدی پریس وہی طریق اختیار کرتا ہے جس کی سفارش امور خارجہ نے کی ہوتی ہے۔ دس فیصدی پریس جو اس کے خلاف کرتا ہے اس کی آواز نوّے فیصدی کی آواز کے نیچے دَب جاتی ہے اور مجموعی طور پر پبلک گمراہ نہیں ہوتی اور دس فیصدی پریس کی آواز کو دوسرے ممالک مُلک کی آواز نہیں سمجھتے اس لئے اس کی آواز سے بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہی طریقہ یہاں بھی اختیار کرنا ضروری تھا۔ چاہئے تھا کہ پاکستان حکومت کے محکمہ امور خارجہ کا ایک افسر فوراً مقرر کر دیا جاتا جو پاکستان کے پریس کو براہِ راست یا اپنے نمائندوں کے ذریعہ ان کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا رہتا۔ اس کے نتیجہ میں لازماً پاکستان کے پریس کا اکثر حصہ اس طریق کو اختیار کر لیتا اور ایسے مضامین یا ایسی خبریں شائع نہ کرتا جن سے کشمیر کے مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا اور اگر کوئی حصہ اس کے مخالف بھی چلتا تو اکثر پریس کی خبریں چونکہ اس کے خلاف ہوتیں اور ان کے مضامین بھی اس کے خلاف ہوتے، نہ مُلک کی عام رائے اس سے متأثر ہوتی اور نہ دوسرے ممالک اس کی آواز سے متأثر ہو کر کوئی ایسا قدم اُٹھاتے جو کشمیر کے مسئلہ کو پیچیدہ بنا دینے والا ہوتا۔ بہرحال اس وجہ سے کہ پریس کو کوئی راہ

نمائی حکومت کی طرف سے حاصل نہ ہوئی (گو ہمیں معلوم ہے کہ بعض دوسرے لوگوں نے پاکستان کے پریس کے ایک حصہ کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اس قسم کی خبروں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمن ہوشیار ہو جائے گا اور پاکستان اور کشمیر کے افراد کے حوصلے بعد میں جا کر پست ہو جائیں گے) پریس نے اپنے لئے خود ایک طریقہ انتخاب کیا جس کا نتیجہ ہمارے نزدیک مُلک کیلئے مضر نکلا۔ مگر بہر حال پریس پر کوئی الزام نہیں کیونکہ اُنہوں نے اپنے لئے ایک ایسا طریق اختیار کر لیا تھا جو اُن کی سمجھ میں مُلک کے لئے مفید تھا۔ ان کو تحریک کشمیر کے ذمہ دار افسروں کی طرف سے ایسی ہی اطلاعات پہنچتی رہی تھیں جن کی وجہ سے وہ کشمیر کے کام کو نہایت ہی معمولی سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ غالباً چند دن میں سارا کشمیر صاف ہو جائے گا بعد کے واقعات نے اس خیال کی تردید کر دی اور اب یہ معاملہ نہایت ہی پیچیدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں کہ یہ مسئلہ کامیاب طور پر حل ہی نہیں کیا جا سکتا یقیناً یہ مسئلہ کامیاب طور پر حل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے اور بشرطیکہ پاکستان کا مسلمان کشمیر کی تحریک چلانے والوں کی پوری طرح امداد کرے۔ اب سردیاں آ رہی ہیں اور اگر کشمیر کی تحریک جاری رہی تو برف میں تحریک کشمیر کی فوجوں کو کام کرنا پڑے گا۔ تحریک کشمیر میں کام کرنے والے لوگ برفانی علاقوں کے ہیں۔ مظفر آباد، پونچھ، ریاسی، میر پور، کشمیر اور سرحدی قبائل کے لوگ سب برفانی علاقوں کے ہیں مگر باوجود اس کے وہ بغیر سامان کے ان علاقوں میں کام نہیں کر سکتے۔ انہیں گرم جرابوں، گرم سویٹروں، بوٹوں، پینٹوں اور بھاری کمبلوں کی ضرورت چند دن میں پیش آئے گی۔ اگر چند دن میں یہ چیزیں ان تک نہ پہنچیں تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور یہ امر ظاہر ہے کہ طبعی تقاضوں کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ بغیر کھانے کے سپاہی لڑ نہیں سکتا اور بغیر سردی گرمی کے مقابلہ کا سامان ہونے کے سپاہی لڑ نہیں سکتا۔ ایک سپاہی سردی میں رات تو گزار سکتا ہے بلکہ متواتر راتیں گزار کر اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہے مگر وہ تمام اخلاص اور تمام جذبۂ ایثار کے باوجود اپنی صحت اور اپنی طاقت کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ہمیں اس امر میں خوشی نہیں ہو سکتی کہ ہمارے افراد نے قربانی کر کے اپنی جانیں دے دیں۔ ہمیں اگر خوشی ہو سکتی ہے تو اس بات میں کہ ان کی قربانی کے نتیجہ میں ہمارے بھائی آزاد ہو گئے اور یہ نتیجہ تبھی نکل سکتا ہے

جب کہ آزاد کشمیر کے سپاہیوں کی صحتیں درست رہیں اور ان کی طاقت قائم رہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی صحتوں کی درستی اور طاقت کے قیام کا مدار عمدہ غذا اور سردی کو برداشت کرنے والے لباس کے مہیا ہونے پر ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مغربی پاکستان کے لوگوں کے ذمہ اِس وقت مشرقی پاکستان کے پناہ گزینوں کے لباس کے مہیا کرنے کا بہت بڑا کام ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اگر کشمیر کے مجاہدین کے لئے گرم جرابوں اور گرم کپڑوں کا سامان مہیا نہ کیا گیا تو وہ ہرگز سردی میں اس جنگ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔ پس اس کے لئے ابھی سے مُلک کو تیار ہو جانا چاہئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غلط امیدوں کے خلاف نتائج نکلے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خبریں جو شائع ہو رہی تھیں درست ثابت نہیں ہوئیں اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ایسے لوگوں پر کام کو چھوڑ دیا گیا تھا جو پورے طور پر اس کام کے اہل نہیں تھے۔ ایسے سرحدی قبائل لڑائی کے لئے آگے چلے گئے جو اپنے مُلک سے دور رہ کر لڑنے کے عادی نہیں اور جو صرف پندرہ بیس دن تک ایک وقت میں لڑائی کر سکتے ہیں وہ بہادر بھی ہیں، وہ جانباز بھی ہیں، وہ لڑائی کے دھنی بھی ہیں، وہ جان دینے سے بھی نہیں ڈرتے ان کے حوصلے اور ان کی قربانیوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن وہ ہمیشہ سے ہی ایسی جنگ کے عادی ہیں جو ان کے گھروں کے آس پاس لڑی جائے۔ وہ سَو دو سَو میل باہر جا کر لڑنے کے عادی نہیں۔ نسلاً بعد نسلٍ وہ ان پہاڑیوں میں لڑنے کے عادی ہیں جن میں وہ پیدا ہوئے جن کے کونے کونے سے وہ واقف ہیں، جن کے ہر نشیب وفراز کا ان کو علم ہے، جن کی ہر وادی اور ہر چوٹی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ پھر ان لڑائیوں میں جو لوگ لڑتے رہتے ہیں ان کا عقب ہمیشہ محفوظ رہا ہے کیونکہ وہ اپنے گھروں سے دور کبھی نکلے ہی نہیں اور اس وجہ سے وہ جانتے ہی نہیں کہ عقب کی حفاظت کتنی ضروری ہے کیونکہ ان کے راستے یا تو خود ان کے بیوی بچوں کی نگرانی میں ہوتے تھے یا ان کے دوست قبائل کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ ان کے رستوں کو وہی توڑ سکتا تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہو اس لئے اپنے رستوں کی حفاظت کا خیال کبھی سرحدی قبائل کے دلوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا لیکن اپنے گھر سے دور جا کر لڑنے والی فوجوں کے لئے سب سے اہم سوال ان رستوں کی حفاظت کا ہوتا ہے جہاں

سے اُن کو رسد پہنچتی ہے اور جن کی حفاظت کے بغیر ان کا پیچھا محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس قسم کی تربیت سرحدی قبائل کی نہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرحد کے قبائل بے تحاشا آگے بڑھتے چلے گئے انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ان کا پیچھا کون سنبھالے گا کیونکہ پیچھا سنبھالنے کا خیال کبھی ان کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ اپنے گھر کی پہاڑیوں میں لڑتے رہے اور ایسی پہاڑیوں میں وہ لڑتے رہے جن کی چپہ چپہ زمین کے وہ واقف ہیں۔ جب وہ اپنے مُلک سے دور جا کر اپنی عادت کے مطابق لڑے تو دشمن کو کئی موقعوں پر ان کا پیچھا روک لینے کا موقع مل گیا اور اس سے ان کو بہت نقصان پہنچا۔ دوسرے کئی لوگ جو اپنے گھروں سے اِس خیال سے نکلے تھے کہ پندرہ بیس دن کی لڑائی کے بعد ہمارا کام ختم ہو جائے گا۔ بعض دفعہ وہ اچانک میدانِ جنگ سے واپس آ گئے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم اپنی لڑائی کی مدت کو پورا کر چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے قبائل پونچھ اور کشمیر کے یا سرحد کے جو میدانِ جنگ میں لڑ رہے تھے ان کا پہلو یکدم ننگا ہو گیا اور باوجود مضبوط ارادہ کے وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے اور فتح شکست سے بدل گئی۔ اس کے سِوا بھی بعض اور باتیں اور خبریں ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوئی ہیں مگر ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان باتوں کے اظہار سے آزادی کشمیر کی تحریک کا کام کرنے والوں کو نقصان پہنچے گا۔ ہمارے دل میں دُکھ ہے کہ ایسا کیوں ہوا مگر ہم یہ بے وقوفی کرنا نہیں چاہتے کہ پچھلے نقصان پر واویلا کر کے آئندہ کی کامیابی کو اور بھی مخدوش بنا دیں۔ بہرحال جہاں تک ہمیں علم ہے آزادیٔ کشمیر کی تحریک میں کام کرنے والے اپنی سابقہ غلطیوں کی اصلاح میں مشغول ہیں اور آئندہ کے لئے نئی جدوجہد کے مستقل ارادے رکھتے ہیں مگر جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں وہ بغیر سامانوں کے کچھ نہیں کر سکتے اور یہ سامان بغیر روپیہ کے میسر نہیں آ سکتے۔ پس ہم تمام مسلمانوں کی توجہ اس طرف پھراتے ہیں کہ اِس وقت بخل سے کام نہ لیں کیونکہ کشمیر کا مستقبل پاکستان کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ آج اچھا کھانے اور اچھا پہننے کا سوال نہیں پاکستان کے مسلمانوں کو خود فاقے رہ کر اور ننگے رہ کر بھی پاکستان کی مضبوطی کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں پاکستان کی مضبوطی کشمیر کی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہم تمام پاکستان کے رہنے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آزادیٔ کشمیر کی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی

کمبلوں، گرم کوٹوں، برساتی کوٹوں، زمین پر بچھانے والی برساتیوں، برفانی بوٹوں، گرم جرابوں اور گرم سویٹروں سے امداد کریں۔ یہ چیزیں کچھ تو ان دُکانوں سے مہیا کی جاسکتی ہیں جنہوں نے گزشتہ زمانہ میں ڈسپوزل کے محکمہ سے سامان خریدا تھا اور کچھ سامان ابھی ڈسپوزل کے سٹوروں میں پڑا ہوگا جو مُلک کے پاس فروخت کرنے کیلئے ہے وہاں سے بھی سامان خریدا جاسکتا ہے اور کچھ سامان خود سرحد، کشمیر اور پونچھ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے صحیح جگہ روپیہ بھجوا دینا نہایت ضروری ہے۔ ہم پاکستان کے تمام اخباروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے خریداروں سے روزانہ اس کام کے لئے چندہ کی اپیل کریں یا سارے اخبار مل کر ایک کمیٹی بنالیں جو مشترکہ طور پر روپیہ جمع کرے اور ایسے ضروری سامان خریدے جو مغربی پاکستان میں مل سکتے ہیں اور جو مغربی پاکستان میں نہیں مل سکتے لیکن خود کشمیر اور پونچھ اور سرحد میں مل سکتے ہیں، ان کے لئے روپیہ عارضی حکومت کو بھجوائیں یا عارضی حکومت کی ان شاخوں کو بھجوائیں جو مُلک کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہیں۔ ہم الفضل کے خریداروں اور الفضل کے پڑھنے والوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ جو کچھ انہیں توفیق ہو اس کام کے لئے بھجوائیں مگر اتنی بات کافی نہیں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر الفضل کا خریدار اور ہر الفضل کا پڑھنے والا اپنے اپنے علاقہ کے لوگوں سے بھی چندہ کی اپیل کرے۔ اگر ہمارے اخبار کے خریدار اور ہمارے اخبار کے پڑھنے والے لوگوں پر ساری حقیقت واضح کر دیں تو یقیناً لوگ دل کھول کر چندہ دیں گے لیکن سوال زیادہ روپیہ کا بھی نہیں جو زیادہ دے سکتا ہے وہ زیادہ دے جو زیادہ نہیں دے سکتا یا زیادہ دینا نہیں چاہتا وہ اگر ایک پیسہ بھی دیتا ہے تو اپنے مُلک کی خدمت کرتا ہے۔ اگر ہزار آدمی ایک ایک پیسہ دے کر بھی ایک سپاہی کی جان بچا لیتے ہیں تو یقیناً وہ فتح کو قریب کر دیتے ہیں اس لئے کمر ہمت کس کر کھڑے ہو جائیں اور اپنے علاقہ کے تمام لوگوں سے خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقہ اور کسی خیال کے ہوں، چندہ جمع کریں اور جلد سے جلد بھجوائیں اِس تمام چندے کا حساب رکھا جائے گا اور بعد میں حساب شائع کیا جائے گا یاد رکھیں کہ الفضل ایسے چندے کو اور ایسی چیزوں کو جو اس چندہ میں آئیں سَو فیصدی اس جگہ پر پہنچا دے گا جہاں پہنچ کر وہ کشمیر کی تحریک کو اِنْشَاءَ اللّٰہ فائدہ پہنچا سکیں گی۔ (الفضل لاہور ۱۲ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر اور پاکستان

یوں تو مسلمان عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا معاملہ نہایت اہم ہے لیکن اس کی اہمیت کا پورا انکشاف انہیں حاصل نہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر کا ہندوستان سے الحاق شاید کوئی نیا مسئلہ ہے مگر یہ بات درست نہیں حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے ہندوستان سے الحاق کی داغ بیل بہت عرصہ پہلے پڑ چکی تھی۔ باؤنڈری کے فیصلہ سے عرصہ پہلے ہندوستان کی تقسیم کے سوال کا فیصلہ ہوتے ہی لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر گئے اور ان کے سفر کا مقصد وحید یہی تھا کہ وہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان میں شامل ہونے کی تحریک کریں۔ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کُلّی طور پر ہندوؤں کی تائید میں رہے ہیں اور مسلمانوں کے مفاد کی اُنہوں نے کبھی بھی پرواہ نہیں کی۔ اگر انہوں نے پاکستان کے بنانے کے حق میں رائے دی تو اس یقین کے ساتھ دی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پاکستان تباہ ہو کر پھر ہندوستان میں شامل ہو جائے گا اور ان کا سارا زور اسی بات کے لئے خرچ ہوتا رہا۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر کے راجہ کو نصیحت کرنے کیلئے وہاں گئے اور اسی طرح کانگرس کے اور لیڈر بھی جیسے مسٹر گاندھی وہاں گئے تو لازمی بات ہے کہ ان بحثوں میں گورداسپور کے ضلع کا سوال بھی پیدا ہوا ہوگا۔ کشمیر اگر ہندوستان یونین سے ملتا اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور ہندوستان یونین میں شامل نہ ہوتے تو اس کے معنی یہ تھے کہ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق صرف ضلع کانگڑہ کے ذریعہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔ ہر شخص جو پنجاب کے جغرافیہ سے واقف ہے سمجھ سکتا ہے کہ کانگڑہ کے ذریعہ سے کشمیر کا صحیح تعلق ہندوستان سے پیدا ہونا قریباً ناممکن ہے۔ نہ کانگڑہ کے ذریعہ سے ہندوستان کی چیزیں کشمیر پہنچ سکتی تھیں نہ کشمیر کی چیزیں ہندوستان پہنچ سکتی تھیں اس لئے اُسی وقت یہ بھی فیصلہ کر دیا گیا کہ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ ہندوستان میں شامل کی جائیں تاکہ مادھو پور کے رستے پٹھانکوٹ سے کشمیر کا تعلق

پیدا ہوا اور پٹھانکوٹ سے ریل کے ذریعہ سے باقی ہندوستان سے۔

تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کا ہندوستان کے ساتھ شامل کرنا باوجود اس کے کہ ان میں مسلمانوں کی اکثریت تحصیل شکر گڑھ سے زیادہ ہے اور تحصیل شکر گڑھ کو پاکستان میں شامل کرنا صاف بتاتا ہے کہ اس تقسیم میں کشمیر کے لئے رستہ بنانا مدنظر تھا۔ مسٹر ریڈ کلف نے بے شک گورداسپور اور بٹالہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ لوئر باری دوآب کا علاقہ تقسیم نہ ہو لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض بہانہ تھا کیونکہ لوئر باری دوآب پھر بھی تقسیم ہو گئی۔ لوئر باری دوآب کا وہ حصہ جو تحصیل لاہور کو سیراب کرتا ہے وہ پھر بھی پاکستان میں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت لوئر باری دوآب کا محض ایک بہانہ تھا۔ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کو ہندوستان میں شامل کرنے کی وجہ لوئر باری دوآب کی تقسیم کا خوف نہیں تھا کیونکہ یہ تقسیم خود اسی ایوارڈ میں موجود ہے۔ ان دونوں تحصیلوں کو ہندوستان میں شامل کرنے کا باعث صرف بٹالہ پٹھانکوٹ ریلوے کو ہندوستان یونین میں لانا تھا۔ اس ریل کے ہندوستان یونین میں جانے کے بغیر کشمیر ہندوستان کے ساتھ مل نہیں سکتا تھا۔ پس جب لارڈ مونٹ بیٹن کشمیر گئے تو ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کشمیر کو ہندوستان یونین سے ملانے کے لئے بٹالہ اور گورداسپور کی تحصیلوں کو ہندوستان یونین میں ملانا ضروری ہوگا اور جب سر ریڈ کلف نے اپنا ایوارڈ دیا تو ان کے ذہن میں بھی یہ بات تھی کہ کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملایا جائے گا اس لئے تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کی مسلم اکثریت کو عقل اور انصاف کے خلاف قربان کر دینا ضروری ہے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس جب لارڈ مونٹ بیٹن مہاراجہ کشمیر سے ملنے کیلئے گئے اور کانگرس نے مہاراجہ کشمیر پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ہندوستان یونین کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے معنی یہ تھے کہ ان لوگوں نے گورداسپور اور بٹالہ کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا پہلے سے فیصلہ کیا ہوا تھا اور جب سر ریڈ کلف نے گورداسپور اور بٹالہ کو خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے یہ معنی تھے کہ کشمیر کو ہندوستان یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان نتائج کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں انگلستان کی دو بڑی ہستیوں پر خطرناک الزام عائد ہوتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ

نہیں کہ مندرجہ بالا واقعات کی بناء پر اس نتیجہ کے سِوا کوئی اور نتیجہ نکل ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ بات ممکن تھی اور اگر عقل اور انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل ہوں تو سر ریڈکلف کے ایوارڈ سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر کا مہاراجہ کشمیر کے پاس جانا اور انہیں ہندوستان یونین میں شامل ہونے کی تحریک کرنا بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر ایک ایسی بات منوانے کے لئے کشمیر گئے تھے جو تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ میں مسلم اکثریت کے ہونے کی وجہ سے بالکل ناممکن تھی، ان کا جانا بتاتا ہے کہ یہ بات پہلے سے طے پا چکی تھی اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور باوجود مسلم اکثریت کے ہندوستان یونین میں شامل کی جائیں گی اور اگر یہ بات پہلے سے طے کی جا چکی تھی تو سر ریڈکلف کا ایوارڈ محض ایک دکھاوا تھا۔ ایک طے شدہ بات کے اعلان سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سازش میں کون کون آدمی شامل تھا مگر ایوارڈ سے پہلے لارڈ مونٹ بیٹن، مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگرسی اکابر کا کشمیر جا کر مہاراجہ کشمیر پر انڈین یونین میں شامل ہونے کے لئے زور دینا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سازش ضرور تھی اور ایوارڈ سے پہلے یہ بات جانی بوجھی ہوئی تھی کہ کشمیر کا ہندوستان یونین سے ملنا ممکن ہوگا اور تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور اس بات میں روک نہیں ڈالیں گی۔ تاریخ اس ڈرامہ کو کھیلنے والوں کو یقیناً مجرم گردانے گی۔ وہ لاکھوں آدمی جو اس بددیانتی کی وجہ سے مظالم کا شکار ہوئے ہیں اُن کی روحیں عرش کے پائے پکڑ کر خدا تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکاتی رہیں گی اور تمام دنیا کے دیانتدار مؤرخ برطانوی گورنمنٹ کے ہندوستان میں اس آخری فعل کی شناعت اور بُرائی کو آئندہ نسلوں کے سامنے بار بار پیش کرتے رہیں گے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس جگہ برطانوی گورنمنٹ کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ یقیناً ساری برطانوی گورنمنٹ اس سازش میں شریک نہیں ہوسکتی اور ہمیں یقین ہے کہ وہ شامل نہیں ہوگی لیکن اس امر کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ڈرامہ اس کی آنکھوں کے سامنے کھیلا گیا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اس ڈرامہ کی حقیقت کو سمجھ سکتی تھی اور سمجھتی تھی اور اس نے ان ایکٹوں کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کوئی شخص یہ نہیں

کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ صرف اس خیال سے کشمیر جاتے تھے کہ ممکن ہے گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں ہندوستان یونین میں چلی جائیں۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن کا یہ اعلان موجود تھا کہ کسی جگہ کی کسی قوم کی اکثریت کو دوسری قوم کا غلام نہیں بنایا جائے گا تو اپنے اس اعلان کے بعد لارڈ مونٹ بیٹن کو یہ شُبہ ہی کس طرح ہوسکتا تھا کہ تحصیل گورداسپور اور تحصیل بٹالہ کی مُسلم اکثریت ہندوستان یونین میں چلی جائے گی اور اس طرح کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملانے کا موقع مل جائے گا۔ جب لارڈ مونٹ بیٹن نے یہ اعلان کیا تھا کہ گورداسپور میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۱ فیصدی سے بھی کم ہے تو اُسی وقت احمدیہ جماعت کی طرف سے اُن کو تار دی گئی تھی کہ ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی تعداد ۵۳ فیصدی ہے مگر آپ نے اپنے اعلان میں ۵۱ فیصدی سے بھی کم قرار دیا ہے۔ آپ گورنمنٹ آف انڈیا کی شائع شدہ مردم شماری کی رپورٹ دیکھیں اس میں صاف طور پر ضلع گورداسپور کی مسلم آبادی ۵۳ فیصدی سے زیادہ لکھی ہوئی ہے یا تو آپ اپنے بیان کی تردید کریں ورنہ دنیا یہ شُبہ کرے گی کہ آپ نے بیان دیدہ دانستہ دیا ہے اور ضلع گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کرانے کی بنیاد ڈالی ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے احمدیہ جماعت کے اس احتجاج کا کوئی جواب نہ دیا اور واقف کاروں کے دل میں اُسی وقت یہ احساس پیدا ہوگیا کہ تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ہندوستان میں شامل ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور آئندہ جو کچھ بھی ہوگا محض ایک ڈرامہ ہوگا، ایک کھیل ہوگا اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ کیا لارڈ مونٹ بیٹن میں یہ جرأت ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ وہ اعداد و شمار جو انہوں نے گورداسپور کی مسلم آبادی کے متعلق پریس کانفرنس میں بیان کئے تھے سنسس رپورٹ (CENSUS REPORT) کے مطابق ہیں اور کیا وہ اس بات کا انکار کر سکتے ہیں کہ احمدیہ جماعت نے اُسی وقت ان کے سامنے پروٹسٹ کیا تھا اور انہوں نے پروٹسٹ کا جواب تک نہ دیا۔

بہر حال جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا دینے کا فیصلہ برطانوی حکومت کے بعض نمائندے اور کانگرس مشترکہ طور پر پہلے سے کر چکے تھے اس کے بعد جو کچھ کیا گیا ہے وہ محض دکھاوا اور کھیل ہے مگر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ کشمیر کو ہندوستان یونین میں ملا

دینے کا فیصلہ صرف کشمیر کی خاطر نہیں کیا گیا بلکہ اس لئے کیا گیا ہے کہ صوبہ سرحد کے ساتھ ہندوستان یونین کا تعلق قائم ہو جائے۔ صوبہ سرحد میں سرخ پوشوں (RED SHIRTS) کے ذریعہ سے کانگرس کی تائید میں ایک جال پھیلایا گیا ہے۔ عبدالغفار خان[۲۰] کے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کانگرس سرحد پر تقسیم کر رہی ہے۔ نومبر ۱۹۴۶ء میں بعض انگریز اور امریکن اخبار نویسوں نے ہمارے نمائندہ سے خواہش کی تھی کہ وہ اس بات کا پتہ لے کہ فقیرا یپی حقیقت میں کانگرس کے ساتھ ہے یا مُسلم لیگ کے ساتھ اس پر ہمارا نمائندہ پشاور اور پشاور سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان گیا تھا وہاں اسے ایک ذمہ دار افسر نے فقیرا یپی کے ایک رشتہ کے بھائی سے ملوایا اور اس نے یہ بات بیان کی کہ چند دن پہلے کانگرس کا ایک نمائندہ پینتالیس ہزار روپیہ لے کر فقیرا یپی کو دینے کیلئے گیا ہے مگر ساتھ ہی اس نے یہ بات بھی بڑھا دی کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ فقیرا یپی بڑے جوشیلے مسلمان ہیں، وہ کانگرس کا روپیہ نہیں لیں گے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے روپیہ لیا اور اَب وہ کانگرس کی طرف سے کام کر رہے ہیں۔

اب تین طاقتیں پاکستان کے خلاف صوبہ سرحد میں کام کر رہی ہیں۔ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں سرخ پوشوں کی جماعت، آزاد سرحد میں فقیرا یپی کے لوگ اور افغانستان میں وہ پارٹی جو افغانستان کی سرحدوں کو سندھ تک بڑھا دینے کی تائید میں آوازیں اُٹھا رہی ہے۔ افغانستان کی فوجی طاقت ہرگز اتنی نہیں کہ وہ پاکستان میں داخل ہو کر سندھ کو فتح کر سکے۔ یہ فریب اسے ہندوستان کے بعض آدمیوں نے دیا ہے اور سکیم یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر کشمیر کی آزادی کی تحریک کو کچل دیا جائے اور ہندوستان یونین کا اثر کشمیر کی آخری سرحدوں تک پہنچ جائے تو وہاں سے روپیہ اور اسلحہ شمال مغربی صوبہ میں پھیلایا جائے اور سرحد پار کے قبائل میں پھیلایا جائے۔ اس اسلحہ اور روپیہ کے قبول کرنے کیلئے زمین تیار ہے اور اس اسلحہ اور روپیہ کو پھیلانے کیلئے آدمی بھی میسر ہیں۔ جب یہ سکیم مکمل ہو جائے گی تو اُدھر سے سرحد میں بغاوت کرا دی جائے گی۔ اِدھر سے فقیرا یپی کے ساتھ سرحدی صوبہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور تیسری طرف کشمیر کی طرف سے ڈوگرے اور سِکھ سپاہی فوج سے چوری بھاگ بھاگ کر ضلع ہزارہ اور راولپنڈی پر حملے شروع کر دیں گے۔ نتیجہ ظاہر ہے پاکستان کی حالت اگر مشرقی سرحد

سے سِکھ بھی حملے کرنے لگ جائیں تو صرف اس مصالحہ کی سی رہ جائے گی جو شامی کباب (سینڈوچ) کے پیٹ میں بھرا ہوا ہوتا ہے اور ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایسی خطرناک صورت ہوگی کہ اس سے بچنا نہایت اور نہایت ہی مشکل ہوگا۔ تقسیم پنجاب سے پہلے کی سوچی ہوئی یہ سکیمیں ہیں اور شطرنج کی سی چال کے ساتھ ہوشیاری کے ساتھ اس سکیم کو پورا کیا جا رہا ہے۔ ہم نے وقت پر اپنے اہل وطن کو ہوشیار کر دیا ہے زمانہ بتا دے گا کہ جو بات آج عقل کی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، کچھ عرصہ کے بعد واقعات بھی اس کی شہادت دینے لگیں گے۔ ہمارے نزدیک اِس کا علاج یقیناً موجود ہے اور حکومت پاکستان اب بھی اپنی مات کو جیت میں تبدیل کر سکتی ہے۔ اب بھی وہ ان منصوبوں کے بداثرات سے محفوظ رہ سکتی ہے کیا کسی کے کان ہیں کہ وہ سنے، کسی کی آنکھیں ہیں کہ وہ دیکھے، کوئی دل گردے والا انسان ہے جو ہمت کر کے اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے کھڑا ہو جائے؟

(الفضل لاہور ۱۴؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

سپریم کمانڈ کا خاتمہ

اخبارات میں یہ اعلان ہوا ہے کہ ۳۰ر نومبر سے سپریم کمانڈ کا خاتمہ کر دیا جائے گا ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ سپریم کمانڈ کے خاتمہ کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان یونین سپریم کمانڈر کے ساتھ تعاون نہیں کرتی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب کہ ہندوستان یونین سپریم کمانڈ کے ختم کر دینے پر راضی ہے، پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے سپریم کمانڈ کے ختم کرنے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مسلمان اخبارات میں سے بعض نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ سپریم کمانڈ کو ختم کر دیا گیا ہے۔ سپریم کمانڈ کے ختم کرنے کی رپورٹیں دیر سے آرہی ہیں۔ اکتوبر کے شروع میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ سپریم کمانڈ کو اکتوبر کے آخر میں ختم کر دیا جائے گا۔ اُس وقت ہم نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اس خبر کی تصدیق کرنی چاہی تو ہمیں بتایا گیا کہ سپریم کمانڈ کے خاتمہ پر ہندوستان یونین اور پاکستان دونوں متفق ہوگئے ہیں ہم نے ذمہ دار افسروں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ قدم غلط ہے افسروں اور سامان کے تقسیم کرنے کے بغیر مُلک کے تقسیم کرنے سے جو دھکا پہنچا ہے، وہی بات سپریم کمانڈ کے ختم کرنے پر پیدا ہو جائے گی۔ جو کچھ مشرقی پنجاب میں ہوا اس کی وجہ زیادہ تر یہی تھی کہ پاکستان اور ہندوستان کے سامان اور سپاہیوں کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی دونوں حکومتیں آزاد ہوگئیں۔ پاکستان کا سپاہی ہندوستان میں تھا، ان کا سامان بھی ہندوستان میں تھا اس لئے سکھ خوب سمجھتا تھا کہ میں جتنا بھی خون خرابہ کروں گا اُس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ باؤنڈری فورس کا خاتمہ بھی اِس کا بہت کچھ ذمہ دار تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باؤنڈری فورس چونکہ لارڈ مونٹ بیٹن کے ماتحت رکھی گئی تھی اِس لئے اُس نے بہت کچھ ہندوستان یونین کی رعایت کی لیکن پھر بھی بوجہ اس کے کہ اس میں مسلمان فوج بھی کچھ نہ کچھ موجود تھی اس کے ہوتے ہوئے اتنا ظلم نہیں ہوسکا جتنا کہ اس کے بعد

ہوا۔ باؤنڈری فورس کے ختم ہوتے ہی تباہی پر تباہی آنی شروع ہوگئی۔ ہم حیران تھے کہ باؤنڈری فورس کو امن کے قیام سے پہلے ختم کیوں کیا گیا ہے حالانکہ مشکلات کا اصل حل یہ نہیں تھا کہ باؤنڈری فورس کو ختم کیا جائے بلکہ اصل حل یہ تھا کہ باؤنڈری فورس گورنر جنرل ہندوستان اور گورنر جنرل پاکستان دونوں کے ماتحت ہو۔ تیسرے ممبر اس میں سپریم کمانڈر شامل کر لئے جاتے یا اگر دونوں گورنر جنرل اِس قدر وقت نہ دے سکتے تو دونوں گورنر جنرلوں کے نمائندے سپریم کمانڈر کے ساتھ مل کر اِس فورس کا انتظام کرتے اور یہ فورس اُس وقت تک نہ ہٹائی جاتی جب تک کہ دونوں مُلکوں کے پناہ گزین اپنی اپنی جگہوں پر نہ پہنچ جاتے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ہمارا خیال ہے کہ نہ اتنی خونریزی ہوتی اور نہ اتنا علاقہ خالی ہوتا۔ ایسی صورت میں ہمارے نزدیک کچھ نہ کچھ مسلمان مشرقی پنجاب میں بیٹھے رہتے اور کچھ عرصہ کے بعد لوگوں کے جوش ٹھنڈے ہو جانے کی وجہ سے وہ مستقل طور پر وہاں بیٹھ سکتے تھے۔ باؤنڈری فورس کا خاتمہ ایسی جلدی سے ہوا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں سے اکثر باوجود اس کے کہ دو دن پہلے وہ اپنے شہر میں بیٹھ رہنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس دہشت کی وجہ سے کہ باؤنڈری فورس ختم ہوگئی، اب خبر نہیں کیا ہوگا، دو دن کے اندر اندر شہروں سے نکل کر کیمپوں میں چلے گئے۔ جتنی دہشت باؤنڈری فورس کے ختم ہونے سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی ہے اور کسی بات سے اُتنی دہشت پیدا نہیں ہوئی سوائے گورداسپور کے جس کا فیصلہ یکدم ہوا۔ باقی لوگ پہلے سے جانتے تھے کہ ہم مشرقی پنجاب میں آ چکے ہیں لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ کچھ عرصہ تک باؤنڈری فورس کی وجہ سے ایک قسم کی حفاظت ان کو حاصل رہے گی لیکن یہ اعلان ہوتے ہی کہ دو دن کے اندر باؤنڈری فورس ختم ہو جائے گی ان کے سوچنے کی قوت بالکل ماری گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب ہمارے لئے قیامت آ گئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کچھ تو یوں بھی تباہی آنی تھی رہی سہی کسر باؤنڈری فورس کے اتنی جلدی ٹوٹنے نے نکال دی۔ اگر باؤنڈری فورس کی اصلاح کی جاتی۔ مسلمان فوج کی نسبت بڑھانے پر اصرار کیا جاتا اور اس کی نگرانی لارڈ مونٹ بیٹن کی بجائے دونوں گورنر جنرل یا ان کے نمائندوں اور سپریم کمانڈر کے سپرد کی جاتی تو یہ خونریزی جو اَب ہوئی ہے ہمارے خیال میں اس سے بہت کم ہوتی۔ یقیناً خونریزی باؤنڈری فورس کی موجودگی

میں بھی ہوتی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ خونریزی بہرحال ہونی تھی اور ہوئی مگر سوال صرف اس بات کا ہے کہ تیس اور اکتیس اگست کو جو دہشت مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں پیدا ہوئی وہ باؤنڈری فورس کے توڑنے کا خالص نتیجہ تھا اور اُس نے اِس تمام مقاومت کی کمر توڑ دی جو بعض جگہ کے مسلمان پیش کرنے کیلئے تیار تھے۔

سپریم کمانڈ کے توڑنے میں بھی یہی خطرات ہیں پاکستان کی فوج کا بہت سا حصہ تو اِدھر آ چکا ہے لیکن پاکستان کا بہت سا سامان ابھی ہندوستان میں پڑا ہے بعض غیر ضروری سامان ایسا بھی ہے جو پاکستان کے پاس زیادہ ہے اور ہندوستان میں کم ہے لیکن ضروری سامان زیادہ تر ہندوستان یونین میں پڑا ہے۔ پاکستان کے گولہ بارود کا حصہ پچھتر ہزار ٹن یعنی قریباً ۲۱ لاکھ من اب تک ہندوستان یونین میں ہے اور توپ خانے کا بہت سا سامان اور ہوائی جہازوں کا بہت سا سامان اور بحری فوج کا بہت سا سامان ابھی انڈین یونین کے پاس ہے۔ اس سامان کے بغیر پاکستان کی حفاظت کی کوئی کوشش نہیں کی جاسکتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سپریم کمانڈ نے پورے انصاف سے کام نہیں لیا اور جس سرعت سے پاکستان کو سامان مہیا ہونا چاہئے تھا اُس سرعت سے پاکستان کو سامان مہیا نہیں کیا اور جس نسبت سے پاکستان سے سامان نکالنا چاہئے تھا اس نسبت سے زیادہ تیزی کے ساتھ پاکستان سے سامان نکالا گیا ہے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ نسبت قائم رکھی گئی ہے۔ اگر سپریم کمانڈ ختم ہوگئی تو پاکستان کے سامان کا بھجوانا کُلّی طور پر ہندوستان یونین کے ہاتھ میں ہوگا۔ کیا کوئی سمجھدار انسان کہہ سکتا ہے کہ جنرل آخنلیک پاکستان کے جس سامان کو ہندوستان یونین سے پاکستان کی طرف نہیں بھجوا سکتا، اس کو سردار بلدیو سنگھ بھجوا دیں گے۔ یہ اتنی غلط بات ہے جس کو ہر چھوٹی سے چھوٹی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان گورنمنٹ جو پہلے خود سپریم کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں تھی اب اُس وقت تک اس کمانڈ کے توڑنے کی تائید میں نہیں جب تک کہ پاکستان کا سامان پاکستان کو نہ مل جائے اور یہ فیصلہ پاکستان گورنمنٹ کا بالکل عقل کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک پاکستان گورنمنٹ کو اصرار کرنا چاہئے کہ جب باہمی سمجھوتہ سے ایک تاریخ مقرر ہو چکی ہے تو اُس وقت تک سپریم کمانڈ کو توڑنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر ہندوستان یونین اس سے پہلے

سپریم کمانڈ کو توڑنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جلدی سے ہمارا سامان ہمارے حوالے کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو وہ خود سپریم کمانڈ کو قائم رکھنے کے سامان پیدا کرتی ہے۔ آخر ہندوستان یونین اکیلے تو کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ پاکستان گورنمنٹ کو برٹش گورنمنٹ پر زور دینا چاہئے کہ اگر تم سپریم کمانڈ کو ہمارے سامان کے ملنے سے پہلے ختم کرتے ہو تو تم نہ صرف ایک معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہو بلکہ ان خطرناک نتائج کے پیدا کرنے کے بھی ذمہ دار ہو جو سپریم کمانڈ کے خاتمہ کے نتیجہ میں پیدا ہوں گے۔ اگر تم اس کو ختم کرنا چاہتے ہو تو ہمارا حصہ جو ہندوستان یونین سے ہمیں ملنے والا ہے یا ان سے فوراً دلواؤ یا اپنے پاس سے دو۔ آخر برطانوی گورنمنٹ کے وعدہ کی کوئی تو قیمت ہونی چاہئے اگر وہ اتنی ہی نامرد ہو چکی ہے اور اتنی ہی بے بس ہو چکی ہے تو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سمجھوتہ کرانے میں اُس نے دخل ہی کیوں دیا۔ جب ہندوستان یونین کے ظلموں پر پاکستان شکایت کرتا ہے تو برطانوی گورنمنٹ اور برطانوی ڈومینین اپنی بے بسی کا اظہار کر دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ تمہارا اندرونی معاملہ ہے اور جب ایک ایسا معاہدہ جو ہندوستان اور پاکستان اور برطانیہ کے مشورہ سے ہوا تھا اسے توڑا جاتا ہے تو برطانوی گورنمنٹ یہ کہہ دیتی ہے کہ چونکہ ہندوستان نہیں مانتا اس لئے ہم سپریم کمانڈ کو ختم کرتے ہیں۔ کیا برطانوی گورنمنٹ کی سیاست آئندہ اسی نقطہ پر چکر کھائے گی کہ ہندوستان یونین کیا چاہتی ہے اور کیا نہیں چاہتی اگر برطانوی گورنمنٹ کی آئندہ یہی پالیسی ہوگی تو اسے اس کا اعلان کر دینا چاہئے۔ آخر ایک ایسا فیصلہ جو تین طاقتوں نے مل کر کیا تھا اسے ایک طاقت کے کہنے سے کس طرح توڑا جاسکتا ہے اور انصاف کا کون سا قانون ایسا کرنے کی تائید کرتا ہے۔ ہم ان مسلمان اخبارات سے بھی پوچھتے ہیں جو سپریم کمانڈ کے توڑنے پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ پاکستان کا اتنا سامان جو ابھی ہندوستان یونین کے پاس ہے، سپریم کمانڈ کے ٹوٹنے کے بعد اس کے لانے کی کیا ترکیب ہوگی۔ کیا ان کے نزدیک فیلڈ مارشل آخنلیک جو سامان نہیں بھجوا سکا، سردار بلدیو سنگھ اس کو بھجوا سکیں گے؟ اگر ان کے نزدیک سردار بلدیو سنگھ پر زیادہ اعتبار کیا جا سکتا ہے تو ہمارے نزدیک پاکستان کے قیام کی غرض ہی کوئی نہ تھی اور اگر سردار بلدیو سنگھ صاحب کے ہاتھوں سے اس سامان کا پاکستان کی طرف آنا زیادہ

مشکل ہو جائے گا تو سپریم کمانڈ کے توڑنے پر خوشی کے اظہار کے معنے کیا ہیں کیا ہم صرف اس لئے کہ انگریز نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے اپنا نقصان کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے؟ اگر تو سوال یہ ہو کہ معاملہ انگریز کے ہاتھ میں رہے یا مسلمان کے ہاتھ میں؟ تو ہم سمجھتے ہیں کہ سارے مسلمان اِس بات پر اتفاق کریں گے کہ مسلمان کے ہاتھ میں رہنا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر سوال یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ ہندوستان یونین سے پاکستان کا مال بھجوانے کا اختیار فیلڈ مارشل آخنلیک کے ہاتھ میں ہو یا سردار بلدیو سنگھ کے ہاتھ میں؟ تو جواب بالکل ظاہر ہے۔ جس طرح پہلے سوال کے جواب میں مسلمانوں کے اندر اختلافِ رائے کم ہی ہوگا، اسی طرح ہمارے نزدیک اس سوال کے جواب میں بھی کوئی سمجھدار انسان اختلاف نہیں کر سکتا قریباً سب مسلمانوں کا جواب یہی ہوگا کہ اگر سردار بلدیو سنگھ اور فیلڈ مارشل آخنلیک کا سوال ہے تو ہم فیلڈ مارشل آخنلیک پر زیادہ اعتبار کر سکتے ہیں بہ نسبت سردار بلدیو سنگھ صاحب کے۔ پاکستان ابھی کمزور ہے اور وہ اپنا حق اس دلیری سے نہیں لے سکتا جیسا کہ دیر سے قائم شدہ حکومتیں لیا کرتی ہیں لیکن یہ بات صاف اور سیدھی ہے کہ اگر فیلڈ مارشل آخنلیک ہمارا تیس فی صدی نقصان کریں گے تو سردار بلدیو سنگھ ہمارا ستر فی صدی نقصان کریں گے۔ پس اس صورت حالات کے ہوتے ہوئے پاکستان کے دوستوں میں سے بعض کا یہ کہنا کہ شکر ہے سپریم کمانڈ توڑ دی گئی، صرف اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے واقعات کو پورے غور سے نہیں دیکھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان میں جو ہندوستان یونین کا سامان ہے ہم اسے روک سکتے ہیں ان لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ پاکستان میں ہندوستان یونین کا جو سامان ہے وہ زیادہ تر دوائیوں وغیرہ کی قسم کا ہے لیکن ہندوستان یونین میں جو پاکستان کا سامان ہے وہ گولہ بارود اور توپوں اور طیاروں اور بحری جہازوں کی قسم کا ہے۔ دونوں کی قیمت کا کوئی موازنہ ہی نہیں جو چیزیں ہمارے پاس ہیں ان کے بغیر ہندوستان یونین ایک حد تک گزارہ کر سکتی ہے لیکن جو چیزیں ان کے پاس ہیں ان کے بغیر پاکستان گزارہ نہیں کر سکتا۔ ہم اگر حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالیں تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم ایک ایسی چیز کو ظاہر کر رہے ہیں جو حکومت کا راز ہے۔ ہم نے بعض ذرائع سے پاکستان کی طاقت جو سامان کے لحاظ سے ہے، وہ معلوم کر لی ہے

لیکن ہم اس کا ظاہر کرنا نہ دشمن کے نقطۂ نگاہ سے درست سمجھتے ہیں نہ دوست کے نقطۂ نگاہ سے، اس لئے ہم اس کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ مگر ہم یہ ضرور کہہ دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو ان سامانوں کی اشد ضرورت ہے جو اس کے حصہ میں آ تو گئے ہیں لیکن ہندوستان یونین میں پڑے ہیں۔ پاکستان کے توپ خانہ والا حصہ بہت ہی کمزور ہے نہ اس کے پاس پورا سامان ہے، نہ پورا گولہ بارود ہے، نہ مسلمان ٹرینڈ افسر ہیں کسی صورت میں بھی توپ خانہ کے حصہ کو مسلمان افسر سنبھال نہیں سکتا۔ توپ خانہ کا بڑے سے بڑا مسلمان افسر میجر کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ تجربہ کار کمانڈ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک میجر جنرل کے ہاتھ میں ہو۔ پیادہ فوج میں ایسے مسلمان افسر موجود ہیں جو یا تو میجر جنرل ہیں یا میجر جنرل بنائے جا سکتے ہیں لیکن توپ خانہ میں نہ تو بڑے درجہ کے مسلمان افسر موجود ہیں نہ اتنے افسر موجود ہیں جو سارے توپ خانہ کے کام کو چلا سکیں اور نہ اتنا سامان موجود ہے جس سے توپ خانہ کے حصہ کو محفوظ سمجھا جا سکے۔ افسر تو ہندوستان یونین ہمیں دے نہیں سکتی نہ ہم اس سے لے سکتے ہیں مگر اتنی کمزوری کے باوجود اگر سامان کی بھی کمزوری پیدا ہو گئی تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ پس ہمارے نزدیک مسلمان پبلک کو ایک آواز کے ساتھ پاکستان گورنمنٹ پر زور دینا چاہئے کہ وہ برطانوی گورنمنٹ پر زور دے کہ وہ ہندوستان یونین کے معاہدہ کے توڑنے کی بناء پر وہ سپریم کمانڈ کو توڑنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ اسے یا تو ہندوستان یونین سے ہمارا سامان تیس نومبر سے پہلے دلوانا چاہئے یا اپنے پاس سے وہ سامان ہم کو دینا چاہئے۔ نہیں تو اگر اس کے اندر کوئی شرافت باقی ہے تو اسے صاف کہہ دینا چاہئے کہ سپریم کمانڈ کو نہیں توڑا جائے گا، جب تک پاکستان کا کل سامان ہندوستان یونین اس کو ادا نہیں کر دیتی۔

جونا گڑھ، انڈین یونین اور گاندھی جی

گاندھی نے ۱۱ ر نومبر کی شام کو پرارتھنا[۲۱] کے بعد تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

"کل کے اخبارات میں مندرجہ بیانات کے مدنظر جونا گڑھ کے وزیر اعظم اور نائب وزیر کا ہندوستانی حکومت کو ریاست جونا گڑھ کے اختیارات سونپ دینا میرے نزدیک ہرگز

بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آزاد ہند میں تمام علاقے عوام کی مُلکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِواحد اس مُلکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نواب جونا گڑھ، مہاراجہ کشمیر اور نواب حیدرآباد تینوں میں سے کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنے عوام کی مرضی کے خلاف کسی یونین سے الحاق کا فیصلہ کر لے''۔

ہم حیران ہیں کہ گاندھی جی نے یہ دو متضاد باتیں ایک ہی وقت میں کس طرح فرما دیں۔ اگر یہ درست ہے کہ آزاد ہند میں تمام علاقے عوام کی ملکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِواحد اس ملکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ وہ عوام کی مرضی کے خلاف کسی یونین میں شامل ہوسکتا ہے تو پھر بلا منطقی تخالف کے یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جونا گڑھ کے وزیراعظم اور نائب وزیر کا ہندوستانی حکومت کو ریاست کے اختیارات سونپ دینا درست ہے۔ کیا جونا گڑھ کا وزیراعظم یا نائب وزیر جونا گڑھ کے عوام کے نمائندہ ہیں یا کیا وہ نواب صاحب جونا گڑھ کے نمائندہ ہیں؟ اگر یہ درست ہے کہ وہ عوام کے نمائندہ نہیں اور نواب صاحب کے نمائندہ ہیں تو ظاہر ہے کہ گاندھی جی کے پہلے اصول کے مطابق کہ آزاد ہند کے علاقے عوام کی ملکیت ہیں اور کوئی شہزادہ یا فردِواحد اس ملکیت کی اجارہ داری کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کسی ڈومینین[۲۲] سے اپنے عوام کی مرضی کے بغیر الحاق کر سکتا ہے تو ایک فردِواحد یا دو افراد جو عوام کے نمائندے نہیں کس طرح ریاست کی ریاست کسی یونین کے حوالے کر سکتے ہیں کیا جو بین الاقوامی اصول خود گاندھی جی نے پیش کیا ہے اس کے رو سے وزرائے جونا گڑھ کا یہ فعل اس قانون کی صریح خلاف ورزی نہیں ہے خاص کر جبکہ جونا گڑھ کے معاملہ میں ریاست کا حکمران پاکستان سے اِلحاق کر چکا ہے اگر حکمران کا اِلحاق درست نہیں تو حکومت ہند کا خاص کر ایسی صورت میں اختیارات پر ریاست نواب جونا گڑھ کے مقرر کردہ وزراء کے توسط سے قبضہ کر لینا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ خواہ کوئی وزیر، وزیراعظم ہی کیوں نہ ہو ہمیں تو گاندھی جی کی اِس منطق کی سمجھ نہیں آئی۔ کیا گاندھی جی اِن دونوں متضاد باتوں میں تطبیق دے سکتے ہیں۔

اس بے اصولی اور متضاد بیانی کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہندوستانی حکومت طاقت کے دکھاوے اور غلط منطق کے بل پر نہ صرف جونا گڑھ اور حیدرآباد کو جہاں مسلم حکمران ہیں اور

ہندوؤں کی اکثریت ہے بلکہ مسلمان اکثریت والی ریاست کشمیر کو بھی جس کا حکمران ہندو ہے بیک وقت ہڑپ کر جانا چاہتی ہے اور اس سیاسی قمار بازی میں جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے فریب کا پانسہ پھینکتی چلی جاتی ہے اور آخر کار پاکستان کو کمزور کر کے مسلمانوں سے وہ پانچ صوبے بھی ہتھیا لینا چاہتی ہے جو لنڈورے[۲۳] کر کے ان کو ملے ہیں۔

اسی بیان میں گاندھی جی نے جوناگڑھ کے اختیارات پر غاصبانہ قبضہ جمانے پر انتہائی خوشی کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس معاملہ کا یہ پہلو نہایت خوشکن ہے کہ انجام اس طرح ہوا ہے افسوس ہے کہ ہم آپ کی اس خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر گاندھی جی ہندوستانی حکومت کو دستی وار کرنے سے روک سکتے تو ہمارے لئے بھی باعث صد مسرت ہوتا کیونکہ ہندوستان کے موجودہ مصائب حکومت ہندوستان کی متواتر ٹیڑھی رفتار کا براہِ راست نتیجہ ہیں۔

(الفضل لاہور ۱۵ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسٹر ایٹلی[۲۴] کا بیان

مسٹر ایٹلی انگلستان کے وزیر اعظم نے پاکستان اور ہندوستان کے متعلق حال میں جو بیان ایک مجلسی تقریب میں دیا ہے، اس میں کہا ہے کہ ہندوستانی لیڈروں کے باہمی فیصلہ کے مطابق ہندوستان تقسیم ہوا اور دو علیحدہ علیحدہ ڈومینن وجود میں آئیں اب یہ ہمارے لئے سخت تکلیف کا باعث ہے کہ تقسیم کے بعد ایسے خطرناک فرقہ وارانہ اختلافات نے سر اُٹھایا ہے جو شدید قسم کے جانی نقصان کا موجب ہو رہے ہیں۔

اِس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وزیر اعظم مسٹر ایٹلی بھی ان واقعات کو جو تقسیم ہندوستان کے بعد یہاں رونما ہوئے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں اگرچہ آپ نے اپنے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے کسی واحد ڈومینن کو ان ہولناک واقعات کا ذمہ دار ٹھہرانے سے گریز کیا ہے پھر بھی یہ ناممکن ہے کہ آپ کو اب تک صحیح صورتِ حال کی تفہیم نہ ہوئی ہو۔

آپ نے اپنے بیان میں ان ہولناک واقعات کی تمام ذمہ داری دونوں ڈومنیز پر مشترکہ طور پر ڈالی ہے اور ان فرائض کو جو حکومت برطانیہ پر بوجہ برطانوی دولت مشترکہ کے مرکز ہونے کے عائد ہوتے ہیں اُن کو اپنے بیان میں بالکل نہیں چھیڑا حالانکہ پاکستان اور ہندوستان نو آبادیوں کا اس دولت مشترکہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے برطانوی حکومت کا فرض ہے کہ موجودہ ہولناک واقعات کے متعلق برطانوی حکومت کی پالیسی پر پوری پوری روشنی ڈالے اور جو کچھ اس سے ہوسکتا ہے ان ہولناک واقعات کو روکنے کیلئے کوئی معین قدم اُٹھائے۔

مسٹر ایٹلی کی نظر سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہونی چاہئے کہ شروع ہی سے ہندوستانی ڈومینن نے جارحانہ روش اختیار کی ہوئی ہے اور جہاں تک ممکن ہے پاکستان کو کمزور اور ناکارہ بنانے کے لئے جائز و ناجائز ہر قسم کے طریقے اختیار کر رہی ہے ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ برطانوی مقتدر

سیاسی لیڈروں نے اس حقیقت کو جانتے ہوئے اس کے متعلق کیا سوچا ہے اور عملاً کیا قدم اُٹھایا ہے۔ ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ بظاہر وہ بے تعلق تماشائیوں کی سی روش اختیار کئے ہوئے ہیں اور ان فرائض سے بالکل بے پروا ہیں جو دولت مشترکہ میں مرکزی حیثیت رکھنے کی وجہ سے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ دنیا کے سیاسی حلقوں میں برطانوی حکومت کی یہ بے حسی ضرور قابل پُرسش سمجھی جائے گی اور اس کو اس بات کو واضح کرنے کیلئے ضرور توقع کی جائے گی کہ وہ اپنے فرائض کو جو بوجوہاتِ بالا اس پر عائد ہوتے ہیں ادا کرنے کیلئے کیا کیا اقدامات لے رہی ہے۔ بفرض محال اگر کینیڈا اور آسٹریلیا کے درمیان اس قسم کی کشمکش شروع ہو جائے جس قسم کی کشمکش اب ہندوستان اور پاکستان کے مابین ہو رہی ہے تو کیا حکومت برطانیہ اس قسم کی بے حسی کا مظاہرہ کرے گی جس قسم کی بے حسی وہ ان دونوں ڈومینیز کی صورت حال کے متعلق دکھا رہی ہے۔ یقیناً اس کا رویہ موجودہ رویہ سے اس صورت میں بالکل مختلف ہوگا اور وہ کینیڈا اور آسٹریلیا کے باہمی آویزش [۲۵] کے وقت ضرور حرکت میں آئے گی اور ضرور دونوں کے تعلقات کے مسائل کو سلجھانے کے لئے مؤثر طریقے اختیار کرے گی۔ کیا یہ بات تعجب میں ڈالنے والی نہیں ہے کہ وہ پاکستان اور ہندوستان کی باہمی آویزش کے متعلق بے تعلق تماشائیوں کی سی حیثیت اختیار کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر رہی۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سوال معین صورت میں کسی ڈومینن کی طرف سے اس کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ پاکستان حکومت نے پچھلے دنوں خاص طور پر ان معاملات کی طرف اس کی توجہ دلائی تھی اور دولت مشترکہ کے تمام ممبروں سے فرقہ وارانہ سوال کو حل کرنے کی استدعا کی تھی۔ اُس وقت برطانوی حکومت کے لئے صریحاً ایک ایسا موقع پیدا ہو گیا تھا کہ اگر اس معاملہ میں اُس کی نیتیں درست ہوتیں تو وہ کوئی نہ کوئی عملی قدم اُٹھاتی اور اس خدا کی مخلوق کو کسی حد تک ان مصائب سے بچا لیتی جن کا سلسلہ دن بدن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور کسی طرح کم ہوتا نظر نہیں آتا حالانکہ اس کا فرض تھا کہ دولت مشترکہ کے ان دو ممبروں کے درمیان توازن قائم کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتی۔

ان وجوہات کے پیش نظر مسٹر ایٹلی کا بیان کم از کم پاکستان کے نقطۂ نظر سے نہایت مایوس کُن ہے کیونکہ تمام دنیا اب اس حقیقت کو جان چکی ہے کہ ہندوستانی حکومت کی جارحانہ

روش ہی ان تمام مصائب اور ہولناک واقعات کی ذمہ دار ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کی تقسیم ہندوستانی لیڈروں کی باہمی رضامندی سے عمل میں آئی تھی لیکن محض اس کا ذکر کردینے سے برطانیہ ان ہولناک واقعات کی جواب دہی سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ اس سے تو اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے گریز کر رہا ہے۔ دو ڈومینینز کی باہمی چپقلش کا تماشہ اس کی ضیافت دیدہ وگوش کے لئے دلچسپ سامان سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور ان کو خاص کر پاکستان کو ان کے باہمی رضامندانہ فیصلہ پر متفق ہونے کی سزا دے رہا ہے کیونکہ متفقہ فیصلہ کی وجہ سے ہندوستان کی آزادی کو مزید التواء میں ڈالنے کے لئے اس کے پاس کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بظاہر بے حسی کی یہ پالیسی جو اس نے اختیار کر رکھی ہے یقیناً اس کے انتقامی جذبہ کی طرف انگشت نمائی کر رہی ہے اور وہ گویا زبانِ حال سے کہہ رہا ہے ’’دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ غلام ہندوستان کی بیماری کیلئے آزادی کا نسخہ راس نہیں آئے گا اُلٹا بیماری کو بڑھانے والا ثابت ہوگا‘‘ ہم کو تسلیم ہے کہ ہندوستان کے موجودہ کشت وخون کے کھیل کے لئے خود اس براعظم کے ناعاقبت اندیش کھلاڑیوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے لیکن غور سے دیکھنے والے آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ انتقالِ اختیار کے عمل میں برطانیہ کے اربابِ حل وعقد[۲۶] نے دیدہ دانستہ ایسی روش اختیار کی جس سے ان ہولناک نتائج کا پیدا ہوجانا یقینی تھا۔ اگر پچھلی جانبدارانہ کارروائیوں کو نظر انداز کر بھی دیا جائے اور صرف ۳؍جون ۱۹۴۷ء کے بعد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے تقسیم کو تکمیل تک پہنچانے میں برطانیہ کی طرف سے حصہ لیا، لارڈ مونٹ بیٹن سمیت پاکستان کو کمزور سے کمزور بنانے کے لئے نہایت جانبدارانہ روح سے کام لیتے رہے ہیں۔ جس اصول پر لارڈ مونٹ بیٹن نے دونوں طرف کے لیڈروں سے رضامندانہ فیصلہ کی دستاویز پر دستخط کرائے تھے، اس اصول کی خود ہی اپنے دوسرے دن والے بیان میں لارڈ موصوف نے دھجیاں اُڑا دی تھیں جب اُنہوں نے یہ کہہ دیا کہ بعض اضلاع مثلاً گورداسپور کی صورت میں جہاں اکثریت کنارے پر ہے ردّ وبدل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح پر آپ نے خود ان غیر منصفانہ دھکے شاہی کے لئے راستہ کھول دیا جس کے نتیجہ میں گورداسپور، بٹالہ اور دوسری

تحصیلوں کی مُسلم اکثریت بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گئی اور ان مظالم کا نشانہ بنی جو سکھ اور ہندو لیڈروں نے ان پر ڈھانے کے لئے پہلے ہی سوچ رکھے تھے۔ ہم مانتے ہیں کہ جو بے انصافیاں مسلمانوں کے ساتھ ہوئی ہیں، حکومت برطانیہ مجموعی طور پر ان کے لئے قابل الزام نہیں ٹھہرائی جا سکتی اور اس کی زیادہ ذمہ داری ان دیگر مخفی یا ظاہر وجوہات پر ہے جو ہندوستانی لیڈروں کی ریشہ دوانیوں نے پیدا کیں اور تقسیم کرنے والوں پر جا و بیجا اثر ڈال کر ایسا فیصلہ کروا لیا جو ہر طرح نہ صرف انصاف کے اصولوں کے خلاف تھا بلکہ خود لارڈ مونٹ بیٹن کے ۳؍جون والے اعلان کے بھی سراسر اُلٹ تھا لیکن اس کے باوجود برطانیہ اب صرف یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا کہ یہ فیصلہ ہندوستان کے لیڈروں کی باہم رضامندی سے ہوا تھا محض اس لئے کہ مسلم لیگ نے اس فیصلہ کے خلاف اتنا شدید احتجاج نہیں کیا جتنا اس کو کرنا چاہئے تھا۔ اِس کو رضامندانہ فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی صورت میں کیا برطانیہ کے لئے لازم نہ تھا کہ کم از کم لارڈ مونٹ بیٹن کے ۳؍جون والے متفقہ اعلان کی کسوٹی پر اس فیصلہ کو پرکھتا اور اپنی منصفانہ رائے کا اظہار کرتا۔ خاص کر اب جب کہ اس غیر منصفانہ فیصلہ کے بدیع نتائج روز روشن کی طرح اس کے سامنے آ چکے ہیں۔ کیا برطانیہ کا فرض نہیں ہے کہ پاکستان کے ان حدود کو قائم رکھنے کیلئے ہی اب دخل اندازی کرے جو نہایت کتر و بیونت [۲۷] کے بعد پاکستان کو حاصل ہوئے ہیں اور جس پر اس نے طوعاً و کرہاً قناعت اختیار کر لی تھی۔ اور باتوں کو چھوڑ دیجئے صرف ہندوستانی ڈومینین کی ان چیرہ دستیوں ہی کو لیجئے جو وہ اب ریاستوں کے معاملات میں پیچیدگیاں پیدا کر کے پاکستان کی ہستی کو خطرے میں ڈال رہی ہے اور اس کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے درپے ہو رہی ہے۔ اس نے پاکستان سے جنگ برپا کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور ایسے مجرمانہ اقدامات کئے ہیں کہ ہمیں حیرانی ہے کیوں پاکستان اب تک خاموشی اختیار کئے چلا جاتا ہے اور ہندوستان کی حکومت تمام بین الاقوامی رواداریوں کو اس طرح پس پشت ڈال رہی ہے کہ اگر پاکستان کو برطانیہ سے وہ تعلق نہ بھی ہوتا جو دولت مشترکہ کا ممبر ہونے کی وجہ سے اس کو ہے تو محض انسانیت کے لحاظ سے ہی اس کا دخل دینا ناواجب قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اس لئے مسٹر ایٹلی کے بیان سے ہم یہ نتیجہ برآمد کرنے کے ہر طرح حقدار ہیں کہ

برطانیہ خود حکومت ہندوستان کی جارحانہ کارروائیوں کو پاکستان کے عَلَی الرَّغْم مستحسن خیال کرتا ہے اس لحاظ سے مسٹر ایٹلی کا بیان دنیائے انصاف کی عدالت میں اس کی بے حسی اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے دیدہ و دانستہ گریز پر مبنی قرار دیا جائے گا۔

(الفضل لاہور ۱۶؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صوبہ جاتی مسلم لیگ کے عہدہ داروں میں تبدیلی

پچھلے چند دنوں سے یہ شور سنا جا رہا تھا کہ ایک طرف صوبہ جاتی مسلم لیگ کے اندر اختلافات پیدا ہو رہے ہیں تو دوسری طرف صوبائی وزارت کے اندر بھی اختلافات پیدا ہو رہے ہیں مختلف لوگوں نے ان اختلافات کو مختلف نگاہوں سے دیکھا ہوگا ایک غیر جانبدار اخبار اِن اختلافات کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوسکتا اس لئے ہم اس بارہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک وزارت کے اختلافات اور صوبائی مسلم لیگ کے اختلافات کی جڑ ایک ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مُسلم لیگ پاکستان کے حصول کے بعد ایک نئی تبدیلی کی محتاج ہے۔ پاکستان کا خیال ایسے وقت میں پیدا ہوا جب کہ مسلمان یہ محسوس کر چکے تھے کہ اُن کی قومی زندگی خطرہ میں ہے۔ گویا پاکستان کا خیال ایک منفی خیال تھا، مثبت خیال نہیں تھا۔ پاکستان کے خیال کی بنیاد اس امر پر نہیں تھی کہ ہم نے یہ یہ کام کرنے ہیں جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر ہم نہیں کر سکتے بلکہ پاکستان کے خیال کی بنیاد اِس بات پر تھی کہ مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان خواہ وہ کسی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھتے ہوں ترقی اور پھیلاؤ کے ذرائع ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہتے ہوئے میسر نہیں آ سکتے تھے۔ یہ سوال کہ مسلمانوں کی ترقی کس رنگ میں ہوسکتی ہے، کیا کیا تدابیر اختیار کرنے سے مسلمانوں کے مختلف گروہ اور مختلف علاقے عزت اور آرام اور سکون حاصل کر سکتے ہیں نہ پیدا ہوا نہ اس سوال پر غور کرنے کا موقع تھا جیسے ڈاکو رات کے وقت حملہ کرتے ہیں تو شہر کے لوگ اُس وقت یہ نہیں سوچنے بیٹھتے کہ یہ کس گھر کو لوٹیں گے اگر شہر کے لوگ مقابلہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو غریب اور امیر سارے مقابلہ میں لگ جاتے ہیں۔ غریب یہ نہیں سوچا کرتے کہ ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں ہمیں لوٹنا اُنہوں نے کیا ہے اور اگر شہر کے لوگ بھاگنے کا فیصلہ

کرتے ہیں تو امیر یہ نہیں سوچتا کہ میں اپنے مال کو خالی چھوڑے جا رہا ہوں اور غریب یہ نہیں سوچتا کہ میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں، ڈاکوؤں نے مجھے چھیڑنا ہی کیوں ہے یہی حال پچھلے تین چار سال میں مسلمانوں کا رہا ہے اُنہیں یہ نظر آ گیا کہ ہماری زندگی خطرہ میں ہے۔ یہ نظریہ ایک قسم کا فطری نظریہ تھا اور فطری نظریے دلیلوں کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ماں اپنے بچہ کی آنکھوں کی طرف مذاق سے تیزی سے اُنگلی کرتی ہے تو بچہ یکدم سر پیچھے کرتا ہے اور آنکھیں بھینچ لیتا ہے۔ ماں اپنے بچہ کی آنکھ نکالنا نہیں چاہتی مگر انسان کے اندر یہ طبعی جذبہ ہے کہ جب کوئی ایسی صورت پیدا ہو جس کے نتیجہ میں نقصان کا احتمال ہو تو بغیر اس بات کے سوچنے کے کہ واقعہ میں نقصان ہوگا یا نہیں انسان کا جسم اُس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اگر فعل مذاق میں کیا گیا ہو تو اس احتیاط سے حرج کوئی نہیں ہوتا اور اگر یہ فعل نقصان پہنچانے کے لئے کیا گیا ہو تو اس پیش بندی سے خطرہ سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک طبعی جذبہ تھا جو مسلمانوں کے اندر پیدا ہوا اور ان میں سے بیشتر حصہ پاکستان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا اب جبکہ پاکستان مل گیا ہے مُلک کا ایک حصہ تو یہ کہتا ہے کہ لو جی جو چیز ملنی تھی وہ مل گئی اور یہ نہیں سوچتا کہ منفی نظریہ گری ہوئی قوموں کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھا کرتا۔ گری ہوئی قوموں کی ترقی کیلئے مثبت نظریوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ایک امیر کے لئے یہ منفی نظریہ کافی ہے کہ اس کی دولت میں زاول نہ پیدا ہو، ایک غریب کے لئے اس منفی نظریہ کے معنے ہی کوئی نہیں کہ اس کی دولت میں زوال نہ پیدا ہو، اس کے لئے یہی نظریہ کارآمد ہوسکتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے گزارہ کیلئے آمد پیدا کرے۔

پس پاکستان کے مسلمان جو تنزل کی منزلوں کو طے کر رہے ہیں ان کے لئے اب اس نظریہ کے کوئی بھی معنی نہیں کہ وہ ہندو کے ضرر سے بچ گئے ہیں وہ تو ایسی تدابیر کے محتاج ہیں جن سے وہ اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھال لیں اور سنبھلی ہوئی حالت کو ترقی کی طرف لے جائیں۔ پاکستان اپنی ذات میں اس نظریہ میں ممد تو ضرور ہوسکتا ہے مگر وہ اس نظریہ کا قائمقام نہیں ہوسکتا۔

ان حالات میں طبعی طور پر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ ہمیں اپنے لئے ایک پروگرام مقرر کرنا چاہئے۔ مسلم لیگ کے لیڈر جو اَب گورنمنٹ پر قابض ہو چکے تھے اُنہیں

ایسی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا کہ وہ اپنے عام محکمانہ کاموں کی طرف بھی پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے ان کو یہ موقع میسر ہی کب آ سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے کسی آئندہ پروگرام پر غور کریں اور اسے قوم کے سامنے پیش کریں۔ اس وجہ سے وہ لوگ جو جلد سے جلد کسی پروگرام کے بنانے کے حق میں تھے بے تاب ہو رہے تھے اور اپنی خواہشات کو پورا ہوتے نہ دیکھ کر بغاوت کی روح ان میں پیدا ہو رہی تھی۔ مسلم لیگ حکومت پارٹی کو آج سے کہیں پہلے اس طبعی تقاضے کا احساس ہونا چاہئے تھا اور آج سے کہیں پہلے اُنہیں مُسلم لیگی عہدوں کو چھوڑ دینا چاہئے تھا لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا جس کی وجہ سے دَبے ہوئے جذبات اُبھرنے لگے اور اُبھرے ہوئے جذبات مجالس میں اور اخباروں کے صفحات پر پھیلنے لگے۔ یہی نظریہ وزارت کے اندر بھی اختلافات پیدا کرنے کا موجب ہوا۔ وزارت کے بھی دو حصے تھے ایک حصہ تو وہ تھا جو یہ سمجھ رہا تھا کہ مسلمان آزاد ہو گئے ہیں اب آہستہ آہستہ تجربہ کے بعد وہ خود ایک ایسا پروگرام مرتب کر لیں گے جو ان کی ترقی کا موجب ہوگا۔ دوسرا حصہ ایسا تھا جو ایک پروگرام پہلے سے طے کر کے لایا تھا۔ وہ بضد تھا کہ اس کے پروگرام کو حکومت اپنا لے اور وہ دوسرے وزراء کے اس نظریہ سے متفق نہیں تھا کہ موجودہ شورش کے بعد مُلک آرام اور اطمینان سے اپنے لئے کوئی پروگرام تجویز کر لے گا۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں نظریے بے نقص نہیں تھے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ پیشتر اس کے کہ مُلک پورے طور پر ایک نظریہ کی چھان بین کرے اور اس کے حسن و قبح سے واقف ہو جائے اور اسے اختیار کرنے یا ردّ کرنے کا فیصلہ کرے اسے قبول کر لینا ذہنی اور مادی طور پر سخت مضر ہوتا ہے۔ اگر وہ نظریہ بُرا ہے تو مادی طور پر مُلک کو نقصان پہنچ جائے گا اور کسی ایک شخص کو خواہ وہ کتنا بھی بڑا ہو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مُلک کی غفلت میں اس پر ایک ایسا قانون ٹھونس دے جس قانون کو ابھی مُلک اچھی طرح سمجھ نہیں سکا اور ذہنی طور پر اس لئے کہ اگر وہ قانون اچھا بھی ہے تب بھی مُلک پر ایک ایسا قانون ٹھونسنا جس کو مُلک نے خود سوچ سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کیا، مُلک کے افراد کے اندر غلامانہ ذہنیت پیدا کرتا ہے۔ ہمارے لئے یہی ضروری نہیں ہوتا کہ ہم اچھا کام کریں، ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ہم اس کام کو سوچ سمجھ کر اختیار کریں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی خوبی یہ بیان فرماتا ہے کہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ [۲۸] تُو کفار سے کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان یہی فرق نہیں کہ میں سچ پر ہوں اور تم غلطی پر ہو بلکہ میرے اور تمہارے درمیان یہ بھی فرق ہے کہ تم جس چیز کو سچ قرار دے کر اس کی تائید کر رہے ہو تم نے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے اور خود سوچ سمجھ کر اسے اختیار نہیں کیا لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں نے جن عقیدوں اور جن طریقہ ہائے عمل کو اختیار کیا ہے سوچ اور سمجھ کر اور سارے پہلوؤں کا جائزہ لے کر اور ہر رنگ میں انہیں مفید پا کر اختیار کیا ہے۔ یہی وہ اسلامی اصول ہے جس پر چل کر مسلمان ہمیشہ ذہنی غلامی سے آزاد رہ سکتا ہے۔ ہمارا یہی فرض نہیں کہ ہم قوم کو ایک ایسے راستہ پر چلائیں جو ٹھیک ہو بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم قوم کو ایسی تربیت دیں کہ وہ خود سوچنے اور سمجھنے کی اہل ہو جائے اور پھر ہر نئے مسئلہ کو ایسے رنگ میں اس کے سامنے پیش کریں کہ وہ عمدگی اور خوبی کے ساتھ اس پر غور کر کے ایک نتیجہ پر پہنچے اور جب وہ ہمارے خیالات سے متفق ہو جائے تو ہم اس خیال کو جاری کر دیں یہی وہ اسلامی جمہوریت ہے جو دنیا کی دوسری جمہوریتوں سے مختلف ہے لیکن یہی وہ جمہوریت ہے جو ساری جمہوریتوں کے عیوب سے پاک ہے۔ اچھی سے اچھی چیز کو غفلت اور گھبراہٹ کے موقع پر قوم پر ٹھونس دینا اور یہ خیال کرنا کہ ہم قوم کی خیر خواہی کر رہے ہیں کسی رنگ میں بھی قوم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اگر بعض صورتوں میں قوم کو مادی فائدہ پہنچے گا تو اس کی ذہنیت پست ہو جائے گی اور وہی اچھی غذا اس کے لئے زہر بن جائے گی اور وہ خود سوچنے کی عادت سے محروم رہ جائے گی۔ ایک تندرست ہٹے کٹے انسان کے منہ میں لقمہ دینا کسی قدر بدتہذیبی کا فعل سمجھا جاتا ہے۔ لقمہ بھی وہی ہوتا ہے دانت بھی وہی ہوتے ہیں لیکن دوسرے ہاتھ سے جو شاید بعض حالات میں اپنے ہاتھ سے بھی زیادہ صاف ہو وہ لقمہ کھانا ایک تندرست و توانا آدمی کے لئے کتنا گھناؤنا معلوم ہوتا ہے۔ چاول کا دانہ مکھی سے زیادہ معدہ میں گڑ بڑ پیدا کر دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان سے سب مقصد حاصل ہو گئے اب ہمیں فوری طور پر کسی نئے پروگرام کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ بھی غلطی کرتے ہیں اگر بڑی اور اصولی باتوں کے لئے ہمیں نہ صرف خود سوچنے کی ضرورت ہے بلکہ قوم کو خود سوچنے کا موقع دینے کی ضرورت ہے بلکہ اہم مسائل کے

متعلق مُلک سے رائے عامہ لینے کی ضرورت ہے تو بعض باتیں ایسی بھی تو ہیں جن کو مُلک سوچ چکا ہے اور جو دیر سے زیر بحث چلی آتی رہی ہیں کیوں نہ ان کے متعلق فوری طور پر کوئی تدابیر اختیار کی جائیں مثلاً یہی لے لو کہ گو پاکستان ایک جمہوری اصول پر قائم شدہ حکومت ہے لیکن بہرحال وہ مسلمانوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے تو کیوں نہ فوری طور پر ان امور کے متعلق کوئی قانون جاری کر دیا جائے جن میں کوئی دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ مثلاً کیوں نہ فوری طور پر یہ قانون پاس کر دیا جائے کہ ورثہ کے متعلق اسلامی قانون مسلمانوں میں جاری ہو، اسی طرح طلاق اور خلع کے متعلق اسلامی قانون جاری ہو۔ اسی طرح شراب کا پینا یا بیچنا مسلمان کے لئے منع ہو یہ قانون بہرحال مسلمان کے لئے ہوتے۔ اس پر ہندو یا عیسائی کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ ایک ہندو کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان شراب نہیں پیتا یا اپنی جائداد کا حصہ اپنی بیٹی کو کیوں دیتا ہے یا ایک مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا خاص شرائط کے ماتحت حق حاصل ہے اسی طرح یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں تھا کہ مُلک کے آزاد ہوتے ہی مُلک میں اسلحہ کو قیود سے آزاد کیا جاتا۔ لائسنس کے بغیر تو کسی مہذب مُلک میں بھی اسلحہ کی اجازت نہیں لیکن ان مہذب ممالک میں لائسنسوں پر ایسی قیود نہیں لگائی گئیں جیسی کہ اس مُلک میں۔ حکومت کو فوراً ہی لائسنس پر سے قیود ہٹانی چاہیئے تھیں اور اس قسم کا قانون پاس کرنا چاہیئے تھا کہ سوائے بدمعاشوں اور فسادیوں کے ہر شریف شہری ہتھیار رکھ سکے اور اسے ہتھیار چلانا آتا ہو۔ اسی طرح سالہا سال سے کانگرس بھی اور مُسلم لیگ بھی اس بات پر لڑتی چلی آئی تھیں کہ جلسہ اور تقریر اور تحریر کی عام آزادی ملنی چاہیئے۔ اس بات کے متعلق بھی کسی نئے غور کی ضرورت نہیں تھی یہ تو ایک انسانی حق ہے جس کا مطالبہ دنیا کی ہر قوم کرتی چلی آئی ہے۔ حکومت کو چاہیئے تھا کہ فوراً ان امور کے متعلق احکام نافذ کر دیتی اور مُلک کے اندر یہ احساس پیدا کر دیتی کہ اب وہ آزاد ہیں پہلے کی طرح غلام نہیں ہیں۔ اسی طرح ایگزیکٹو اور جوڈیشل کو جدا کرنے کا مسئلہ ہے۔ سالہا سال سے اس پر بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں۔ کانگرس نے بھی اس کی تائید کی ہے، مسلم لیگ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اسلامی قانون کے مطابق بھی یہ ایک تسلیم شُدہ حقیقت ہے کہ ایگزیکٹو کا محکمہ الگ ہونا چاہیئے اور قضاء کا محکمہ الگ ہونا چاہیئے۔ جب تک ان دونوں محکموں کو

آزاد نہ کیا جائے، افراد میں آزادی کی روح پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ قضاء کے ذریعہ سے اپنا حق لے سکتا ہے اور ہر افسر کو محسوس ہونا چاہئے کہ اگر وہ کسی کا حق مارے گا تو اسے اس کی جواب دہی بھی کرنی پڑے گی۔ ان اموراور ایسے ہی کئی امور کے متعلق حکومت فوری کارروائی کرسکتی تھی لیکن ہوا یہ کہ وہی پُرانے قانون اور وہی پُرانے طریق باقی رہے اور ابھی تک مُلک کے باشندوں نے پوری طرح یہ بھی محسوس نہیں کیا کہ ان کا مُلک آزاد ہو چکا ہے۔ پس ہمارے نزدیک دونوں فریق کی غلطی تھی۔ اس نقص کی اصلاح کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ مُسلم لیگ کے عہدے ایسے لوگوں کو دیئے جاتے جو وزارت کے ممبر نہ ہوتے۔ ۱۶؍ تاریخ کو یہ نیک قدم اُٹھایا گیا ہے ہمیں اس سے تعلق نہیں کہ کون صدر ہوا ہے کون نہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ مُلک کے فائدہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مُلک کی سیاسی انجمن پر مُلک کے وزراء قابض نہ ہوں لیکن جس طرح یہ ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ مُلک کی آئین ساز مجلس مُلک کی وزارت اور اس کے افسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ ان تین آزاد یا نیم آزاد اداروں کے باہمی تعاونوں سے ہی مُلک کی حالت درست ہوا کرتی ہے۔ سیاسی انجمن کو حکومت کے افسروں کے اثر سے آزاد ہونا چاہئے۔ مجلس آئین ساز کو سیاسی ادارے کے حکم سے آزاد ہونا چاہئے اور حکومت اور حُکّام کو سیاسی انجمن کی دخل اندازی سے آزاد ہونا چاہئے بے شک اگر سیاسی انجمن یہ سمجھتی ہے کہ مجلس آئین ساز اس کی پالیسی کو ٹھیک طرح نہیں چلائے گی تو آئندہ انتخاب کے موقع پر وہ اس کے ممبروں کی جگہ دوسرے ممبر کھڑے کر دے۔ آئین ساز اسمبلی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ سمجھتی ہے کہ وزراء اس کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر رہے تو وہ ان کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ پاس کر دے۔ اگر حُکّام صحیح طور پر کام نہ کر رہے ہوں تو پلیٹ فارم پر سے ان کے خلاف آواز اُٹھائی جاسکتی ہے لیکن خفیہ دباؤ یا مستقل طور پر اس کے کام میں دخل اندازی کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو نظام کی کَل بالکل ڈھیلی پڑ جائے گی اور دنیا کا بہترین قانون بھی پاکستان کو مضبوط نہ بنا سکے گا۔

اسلامی قانون اور غیر مسلم اقلیتیں

پنجاب مسلم لیگ کونسل میں یہ قرارداد بھی پاس کی گئی ہے کہ پاکستان میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنا چاہئے اس ضمن میں اس حقیقت کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ غیر مسلموں نے بوجہ ناواقفیت اسلامی قانون یا مذہبی قانون کے خلاف اکثر اظہارِ رائے کیا ہے۔ ان کے خیال میں اگر پاکستان میں اسلامی شریعت جاری کی گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ غیر مسلموں کے لئے کوئی سامان ترقی اپنی تہذیب، اپنے مذہب اور دوسرے کاروبار کے لئے نہیں رہے گا اور یہ غیر مسلموں پر سختی ہوگی اور ان کے لئے ایسی حکومت کے زیر سایہ جس میں اسلامی قانون رائج ہو زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے یہ محض ایک غلط فہمی ہے جو اسلامی قانون کو صحیح طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے غیر مسلموں کے دماغ میں پیدا ہوگئی ہے یا پیدا کی گئی ہوئی ہے کچھ تو خود لکھے پڑھے غیر مسلموں نے اسلامی قانون کے متعلق دیدہ دانستہ یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً عیسائی پادریوں نے یورپ میں اسلام کو اس طرح پیش کیا کہ گویا اس میں کوئی خوبی ہے ہی نہیں بلکہ یہ مذہب صرف وحشیوں میں پنپ سکتا ہے مہذب اقوام کے لئے اس میں کوئی پیغام نہیں۔ ان عیسائیوں کی تقلید میں ہندوستان میں پنڈت دیانند اور اس کے پیراؤں نے ہندوؤں میں اس غلط فہمی کو پھیلانے میں بڑا حصہ لیا۔

غیر مُسلموں میں اس خیال کو دو وجوہات سے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان دنیا کے اکثر ممالک میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے یہ ایک رَو تھی کہ جس مُلک میں بھی مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوا، وہاں اکثر لوگ اپنے پُرانے مذہب کو چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے رہے لیکن ان میں سے جو لوگ اپنے قدیم مذہب کے لئے تعصب رکھتے تھے اُنہوں نے بجائے اس کے کہ اسلام کی داخلی خوبیوں پر قبولِ اسلام کو محمول کرتے اس کو محض مسلمانوں کے دنیوی اقتدار پر محمول کیا اور یہ غلط خیال دل میں جما لیا کہ ان کے بھائی بندوں نے محض جبر کے سامنے اپنے ہتھیار ڈالے ہیں۔ مذہب کے علاوہ اس تعصب کی بناء حُب الوطنی کے غلط جذبات

کی بھی مرہون منت ہے۔ چنانچہ آپ غور سے پنڈت دیانند کی تحریریں پڑھیں گے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آپ اتنے مذہب کیلئے نہیں جتنے آریہ ورت کیلئے بیقرار تھے اور آریہ تحریک مذہبی نہیں بلکہ وطنی اور قومی تحریک ہے۔ مذہب کو محض مُلکی اور قومی مقاصد کا ذریعہ سمجھ کر اُچھالا گیا ہے اور اسلام اور عیسائیت کے خلاف نفرت مذہبی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ سیاسی نقطۂ نظر سے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی تعصب نے جو دیدہ دانستہ غیر مسلموں میں ان کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے پھیلایا ان کو اسلامی قانون کے صحیح تصور کے ادراک سے محروم کر دیا ہے۔

دوسری بات جو اس تعصب کو غیر مسلموں کے دلوں میں پختہ کرنے اور تقویت دینے میں بڑی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئی خود مسلمانوں کا عمل ہے۔ جوں جوں اسلام نئی قوموں میں پھیلتا گیا توں توں اسلام کی ہیئت کذائی ہر قوم کی ذہنیت کے مطابق بدلتی چلی گئی۔ مختلف قوموں نے اسلام کی چند ظاہری خوبیوں سے متأثر ہو کر اس کو قبول تو کر لیا مگر اس کے مقتضیات کی کُنہہ پر حاوی نہ ہو سکیں اور اس کے مرکزی اصولوں کو جذب نہ کر سکیں بلکہ اُلٹا اسلام کے چہرے پر اپنی قدیم رسم و رواج اور معتقدات کے پردے چڑھا دیئے اور اسلامی شریعت میں ایسی باتیں اپنی طرف سے داخل کر لیں جن کو اسلام سے دُور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسلام کی حقیقت ان لوگوں پر واضح نہیں ہو سکتی تھی جن تک اسلام ایسی قوموں کے ذریعہ پہنچا جنہوں نے اسلامی شریعت کے آفتاب کو اپنے پُرانے خیالات کے بادلوں سے ڈھانپ دیا تھا۔

غیر مسلموں میں اسلامی شریعت کے متعلق غلط فہمی پھیلنے کی یہ دو موٹی وجوہات ہیں اور ان کے دلوں میں اسلامی شریعت کے خلاف نفرت کی گرہ ایسی مضبوط پڑ گئی ہے کہ وہ اس کے نام سے بھی چڑ جاتے ہیں اس لئے اس بدظنی کو دور کرنے کیلئے اوّل تو خود مسلمانوں کو اپنے اعمال کے ذریعہ اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کی اشاعت کی طرف کماحقہٗ توجہ مبذول کریں۔ غیر مسلموں میں سادہ اور آسان طریقوں سے اسلامی شریعت کے موٹے موٹے اصولوں کو پھیلانے کے لئے ایک شعبہ نشر و اشاعت کا قائم کیا جائے جس کی غرض صرف اتنی ہو کہ جو تعصب کا جن غیر مسلموں کے

دلوں میں اسلامی شریعت کے خلاف بیٹھا ہوا ہے، اس کو نکالا جائے لیکن یہ کام اُس وقت تک کامیابی سے نہیں ہوسکتا جب تک ہم خود اسلامی شریعت کا عملاً صحیح نمونہ بن کر نہ دکھائیں۔ ہر نیک اور بد بات کا اثر الفاظ سن کر نہیں اعمال کے دیکھنے سے ہوتا ہے محض اسلام کی خوبیوں کے متعلق لن ترانیاں [۲۹] کوئی مفید اثر پیدا نہیں کرسکتیں اس لئے ضروری ہے کہ جو لوگ پاکستان میں اسلامی شریعت رائج کرنے کے مشتاق ہیں ان کو پہلے اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہئے اور اپنے اخلاق کو اس معیار تک بلند کرنا چاہئے جہاں پہنچ کر بغیر الفاظ کے دوسروں کو متأثر کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس طرح غیر مسلموں کو اسلام سے متأثر کرنے میں ہم کامیاب ہو جائیں تو اسلامی شریعت کی سادگی خود بخود ان کے دلوں کو کھینچ لے گی کیونکہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ اقلیتوں کے متعلق اسلامی شریعت میں اتنی رواداری سے کام لیا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی شریعت اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔

(الفضل لاہور ۲۰ر نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کانگرس ریزولیوشن

۱۴ رنومبر کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیوشن آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کیلئے منظور کیا ہے۔ ہماری پرائیویٹ اطلاع یہ ہے کہ یہ ریزولیوشن خود مسٹر گاندھی کا تیار کردہ ہے۔۱۴ رتاریخ کو کانگرس ورکنگ کمیٹی نے مسٹر گاندھی سے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ وہ رات اور دن میٹنگ کر رہے ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ اس اہم ریزولیوشن کے الفاظ اس احتیاط سے تیار کرسکیں جس احتیاط کی اس ریزولیوشن کے تیار کرنے میں ضرورت ہے مسٹر گاندھی نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور تمام دوسرے کام بند کر کے اس ریزولیوشن کے الفاظ تیار کر کے ورکنگ کمیٹی میں بھجوا دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اصل ریزولیوشن تو مسٹر گاندھی نے تیار کیا تھا اس میں خفیف سی اصلاحات کی گئی ہیں۔ غالباً مسٹر گاندھی نے ان اصطلاحات کو تسلیم کر لیا ہوگا کیونکہ بعد میں مسٹر گاندھی نے اس ریزولیوشن کی تصدیق کر دی ہے۔ اس ریزولیوشن کے الفاظ یہ ہیں۔

وہ خطرناک واقعات جو پنجاب اور بعض دوسری جگہوں پر گزشتہ مہینوں میں ہوئے ہیں ان کے نتیجہ میں ان علاقوں کی آبادیوں کو وسیع تعداد میں نقل مکانی کرنی پڑی ہے اور لاکھوں آدمیوں کو ناقابل بیان نقصان پہنچا ہے۔ امداد اور دوبارہ آباد کرنے کے مسائل ایسی اہمیت پکڑ گئے ہیں کہ ان کی مثال تاریخ میں بالکل نہیں مل سکتی۔ ہندوستان گورنمنٹ نے ہمت اور عزم کے ساتھ ان نئے حالات کا مقابلہ کیا ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں یہ واضح کر دینا چاہئے کہ ان معاملات کو حل کرتے وقت قومی پالیسی کیا ہوگی۔

’’آل انڈیا کانگرس کمیٹی اس وسعت کے ساتھ نقل مکانی کو جس کے نتیجہ میں لاکھوں لاکھ انسانوں کو تکلیف پہنچی ہے اور جس کے نتیجہ میں قوم کی اقتصادی حالت کو سخت دھکا لگا ہے اور جو

کانگرس کے ان بنیادی اصولوں کو جو ابتداء ہی سے کانگرس نے اختیار کر رکھے ہیں، سخت نقصان پہنچاتی ہے، ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی رائے میں یہ تبادلۂ آبادی روکا جانا چاہئے اور ہندوستان یونین میں بھی اور پاکستان میں بھی ایسے حالات پیدا کئے جانے چاہئیں کہ اقلیتیں امن اور حفاظت کے ساتھ رہ سکیں۔ اگر اس قسم کے حالات پیدا کر دیئے جائیں تو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے کی خواہش آپ ہی آپ سرد پڑ جائے گی۔ کمیٹی کی رائے میں پاکستان کے ہندو اور سکھ باشندوں کو مجبور کرنا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ دیں اور ہندوستان یونین کی طرف چلے جائیں اور ہندوستان یونین کے مسلمانوں کو مجبور کرنا کہ وہ پاکستان کی طرف ہجرت کر جائیں ایک ناواجب فعل ہے۔

کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ جو کچھ ہو چکا ہے اس کا پورا ازالہ کرنا ناممکن ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس بارہ میں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ دونوں ڈومینین کے مہاجرین آخر کار اپنے اپنے گھروں میں جا کر آباد ہو جائیں اور اپنے پیشوں اور فنوں کو ان علاقوں میں جا کر امن اور حفاظت کے حالات میں اختیار کریں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے گھر ابھی تک نہیں چھوڑے اُن کو وہیں رہنے پر آمادہ کرنا چاہئے سوائے اِس کے کہ وہ اپنی ذاتی خواہش کے ساتھ نقل مکانی پر مصر ہوں اگر ایسا ہو تو ان کے سفر کو آسان بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے۔ دونوں حکومتوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان اصول پر باہمی گفت وشنید شروع کریں اور ایسے حالات پیدا کریں جن کے ماتحت دونوں طرف کے مہاجر اپنے وطنوں میں پورے اطمینان کے ساتھ پھر جا کر آباد ہو سکیں۔

بہرحال ہندوستان یونین کو ہماری مقررہ پالیسی پر عمل کرنا چاہئے اور ان اقلیتوں کی پوری حفاظت کرنی چاہئے جو ابھی تک ہندوستان یونین میں بس رہی ہیں اور انہیں جبر کے ساتھ اپنے گھروں سے نہیں نکالنا چاہئے اور نہ ایسے حالات پیدا کرنے چاہئیں کہ جن کی وجہ سے لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہوں۔ کانگرس کی چونکہ یہ فیصل شدہ پالیسی ہے اس لئے وہ لوگ جو انڈین یونین کو چھوڑنے کا ارادہ کر رہے ہیں ان کی ہر طرح خبر گیری کرنی چاہئے اور یونین کے باشندوں کو ان کا جب تک کہ وہ لوگ ہندوستان میں بستے ہیں خیال رکھنا چاہئے ایسے لوگوں کی

نسبت یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ گویا وہ ناخواندہ مہمان ہیں اور صرف ایک مہربانی کے طور پر ان کی موجودگی کو برداشت کیا جا رہا ہے۔ ایسے لوگ وہی اختیارات رکھیں گے اور ویسی ہی ان پر ذمہ داریاں ہوں گی جیسی کہ دوسرے شہریوں پر، جہاں پر وہ کیمپوں میں رہ رہے ہوں ان سے یہ امید کی جائے گی کہ وہ اپنے ساتھی مہاجرین سے مل کر کوئی نہ کوئی مُلکی خدمت کریں اور کیمپوں کے اچھے انتظام کی خاطر جو قوانین بنائے جائیں، ان کی پابندی کریں۔ وہ لوگ جو کیمپوں کی نگرانی کرنے کے اہل سمجھے جائیں اُن کی نگرانی کے ماتحت کیمپوں کے رہنے والوں کو حفظانِ صحت اور دوسری خدمات کو بخوشی بجالانا چاہئے اور جو لوگ کیمپوں پر نگران مقرر کئے گئے ہوں ان کو چاہئے کہ ایسے کاموں میں خود بھی شریک ہوا کریں۔ پناہ گزینوں کو ایسے کام سپرد کئے جانے چاہئیں جن سے نفع حاصل ہو اور اُس نفع میں اِن لوگوں کو بھی شریک کیا جانا چاہئے۔ مغربی پنجاب کے پناہ گزینوں کو عام حالات میں مشرقی پنجاب میں ہی بسانا چاہئے اور پاکستان کے دوسرے حصوں کے پناہ گزینوں کو ایسے علاقوں میں بسانا چاہئے جن کا فیصلہ مرکزی حکومت صوبجاتی حکومتوں کے ساتھ مل کر کرے۔ اس بات کا خیال رکھا جانا چاہئے کہ خاص علاقہ کے لوگ جہاں تک ہو سکے اکٹھے ہی بسائے جایا کریں۔ اس کام میں صوبجاتی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ مرکزی حکومت کے ساتھ پورا تعاون کریں اور پناہ گزینوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جگہ دینے کیلئے رستہ نکالیں۔ کوئی گھر جس کو کسی مسلمان نے اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا اس میں کوئی پناہ گزیں نہ بسایا جائے۔ پناہ گزینوں کی نقل وحرکت جس کا پہلے ہی سے ریلوں کے ذریعہ سے یا لاریوں کے ذریعہ سے یا اور دوسرے ذرائع سے انتظام کیا جا رہا ہے آئندہ اوپر کے بتائے ہوئے قانون کے ماتحت ہونی چاہئے اور کسی شخص کو اپنی جگہ سے نہیں نکالنا چاہئے جب تک کہ وہ ایسا کرنے کی خود خواہش نہ رکھتا ہو۔ یہی قانون ان ریاستوں کے متعلق بھی جاری ہونا چاہئے جو انڈین یونین میں شامل ہوئی ہیں اور جن میں سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یا تو نکل گئی ہے یا نکال دی گئی ہے۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی یقین رکھتی ہے کہ ہندوستان یونین کی مرکزی حکومت، مشرقی پنجاب کی حکومت اور ان ریاستوں کی حکومتیں جن پر اس نقل مکانی کا اثر پڑا ہے، اوپر کی بیان کردہ پالیسی کو فوراً جاری کریں گی اور اپنے تمام افسروں کو حکم دیں گی کہ وہ

مذکورہ بالا پالیسی کی لفظ بلفظ پیروی کریں‘‘۔

اس ریزولیوشن کے الفاظ میں تھوڑی بہت تبدیلی کی گنجائش تو موجود ہے جیسا کہ ہم اپنے دوسرے آرٹیکل میں بیان کریں گے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس ریزولیوشن میں نہایت ہی اچھے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور پاکستان کی حکومت کو فوراً ان خیالات کی تائید کرنی چاہئے یہ سوال کہ ہندوستان کی حکومت نے اب تک اس پر عمل کیا ہے یا نہیں یا پاکستان کی حکومت نے اب تک اس پر عمل کیا ہے یا نہیں ایک ثانوی حیثیت رکھتا ہے ہم ماضی کو بعض حالات میں بھول نہیں سکتے۔ ہم بعض حالات میں ماضی کو بھولنا نہیں چاہتے۔ ہم بعض حالات میں ماضی کو بھول جانا بے غیرتی سمجھتے ہیں۔ یہ باتیں ہمارے مدنظر ہیں اور ہر ایک عقلمند کو مدنظر رہنی چاہئیں لیکن بعض ذمہ داریاں متوازی طور پر ادا کی جاسکتی ہیں۔ ہمیں ماضی کے ان حصوں کو یاد رکھتے ہوئے جن کے بد اثرات کا ازالہ کرنا ہمارے ذمہ فرض ہے مستقبل کے لئے کسی راستہ کے کھولنے سے دریغ نہیں ہونا چاہئے۔ سیاست دان اور مقالہ نویس مستقبل قریب میں اور مؤرخ مستقبل بعید میں ان واقعات پر بحثیں کرتے چلے جائیں گے جو گزشتہ مہینوں میں ہندوستان میں پیش آئے ہیں اس بارہ میں نہ ہم اپنا حق چھوڑنا چاہتے ہیں۔ نہ انڈین یونین کے لوگوں سے ان کا حق چھڑوانا چاہتے ہیں لیکن اس حق کو قائم رکھتے ہوئے بھی ہم آئندہ کے متعلق کوئی مناسب سمجھوتہ کر سکتے ہیں اور ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہئے۔

ہمارے نزدیک چاہئے یہی تھا کہ پاکستان کی حکومت پہلے اِس سوال کو اُٹھاتی کیونکہ بہت سی باتیں جو اِس ریزولیوشن میں بیان کی گئی ہیں وہ اسلامی اصول کے مطابق ہیں اور اسلام کی پیش کردہ ہیں۔ امن اور انصاف کو قائم کرنا سب سے پہلا فرض اسلامی حکومتوں کا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو امن کے قیام کے لئے سنہری قواعد پیش کرتا ہے اور اسلام کا لانے والا مقدس وجود ہی وہ ہے جس نے ان سنہری قواعد پر خود عمل کر کے دکھایا ہے اور وہی ایسا کر بھی سکتا تھا کیونکہ دنیا میں ایک ہی شخص گزرا ہے جو نبوت اور کامل اقتدار والی حکومت پر ایک ہی وقت میں فائز رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے نبی موسیٰ اور عیسیٰ، ایران کے نبی زرتشتؑ ، ہندوستان کے نبی کرشنؑ اور رام چندرجیؑ اور چین کے نبی کنفیوسشؑ کو یہ مواقع میسر نہیں آئے۔ ہم اس بات پر

فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اور ایامِ ابتلاء بھی ایسے دیکھے کہ جن کی مثال دنیا کے کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ اور ان ایام میں وہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ صبر، برداشت اور استقلال کا دکھایا کہ جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اور اس نے ایک غالب اور فاتح کے ایام بھی دیکھے اور عفو اور رحم اور انصاف اور درگزر اور شفقت اور ہمدردی اور ایسی تنظیم کا جس کا نیک اثر بڑوں اور چھوٹوں سب پر پڑتا ہے ایسا شاندار نظارہ دکھایا کہ اس کی مثال بھی دنیا کی تاریخ میں کسی اور جگہ نہیں ملتی۔ ہمارا خزانہ ہمارے گھر سے نکلنا چاہئے اور ہمیں کبھی یہ موقع نہیں دینا چاہئے کہ ہمارے نبی کا ورثہ دوسرے لوگ دنیا کے سامنے پیش کریں ہم اور صرف ہم اس بات کے حقدار ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اور کہا وہ سب سے پہلے ہماری زبانوں اور ہمارے ذہنوں سے دنیا کے سامنے آئے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ باتیں ہمارے آدمیوں نے بھی پیش کی ہیں۔ یہ بالکل درست ہے راجہ غضنفر علی صاحب نے جو کوشش کی ہے اس کے مقابلہ میں ہندوستان یونین کا کوئی وزیر اپنی خدمات پیش نہیں کر سکتا۔ راجہ غضنفر علی صاحب[30] ہزار تحسین اور آفرین کے مستحق ہیں۔ ادھر مسٹر گاندھی نے بھی بہت کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان کے اثر اور ان کے سمجھانے سے مسٹر نہرو اور دوسرے ہندو لیڈروں نے بھی وقتاً فوقتاً بعض اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن راجہ غضنفر علی صاحب آخر راجہ غضنفر علی صاحب ہیں اور مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو آخر مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو ہی ہیں۔ بڑے سے بڑے فرد کی آواز قوم کی آواز کا قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ ہمارا فرض تھا کہ گزشتہ ایام میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کر کے ان خیالات کو اپنی قوم کی طرف سے پیش کرتے۔ راجہ غضنفر علی صاحب کے خیالات کو ہندوستان یونین کے لوگ یہ کہہ کر نظر انداز کر سکتے تھے کہ ایک شخص تھا جس کے دل میں اچھے خیالات پیدا ہوئے مگر اس کی قوم نے ان خیالات کو اپنایا نہیں اور یہی بات مسٹر گاندھی کے متعلق بھی کہی جا سکتی تھی۔ اِدھر راجہ غضنفر علی صاحب کے خیالات کے متعلق کئی دفعہ ہمارے اخبارات نے مخالفانہ تنقید کی ہے اُدھر مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو کے خیالات کے خلاف ہندوستان کے اخبارات نے تنقید کی ہے۔ پس انفرادی خیالات کا اظہار اور چیز ہے اور قومی طور پر ایک بات کہنا اور چیز ہے۔ ہمارے نزدیک اب بھی موقع ہے

لیگ کو فوراً اس کے جواب میں ایک اعلان شائع کرنا چاہئے جس میں اپنی قومی پالیسی کو قومی مجلس کے ذریعہ سے شائع کر دینا چاہئے تا کہ دنیا پر یہ بداثر نہ پڑے کہ کانگرس تو صلح کا ہاتھ بڑھا رہی ہے لیکن لیگ ایسا کرنا نہیں چاہتی۔ لیگ یقیناً ان خیالات کی کانگرس سے بھی زیادہ حامی ہے کیونکہ یہ خیالات اسلامی ہیں بلکہ لیگ کو چاہئے کہ ان خامیوں کی بھی اصلاح کر دے جو اس ریزولیوشن میں پائی جاتی ہیں اور کانگرس سے بھی زیادہ وسیع حوصلہ کے ساتھ صلح اور آشتی کا ہاتھ بڑھائے۔ اس کے بعد عمل کا سوال پیدا ہوگا۔ اگر کانگرس نے لیگ کی تائید کے بعد عمل کی طرف قدم نہ اُٹھایا تو دنیا کو یہ جاننے کا موقع مل جائے گا کہ کانگرس نے وہ بات کہی جس پر وہ عمل کرنا چاہتی تھی۔ جب لیگ نے اس کی پالیسی کی تائید کر دی تو اس نے اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا۔ اگر ایسا ہوا تو لیگ کی عزت دنیا کی نظروں میں بڑھ جائے گی اور مسلمانوں کو پھر ایک بار اُس عزت سے حصہ مل جائے گا جو ان کے نبی مکرم نے ان کے ورثہ میں چھوڑی ہے اور اگر کانگرس نے لیگ کے اعلان کا خیر مقدم کیا اور اپنی شائع کردہ پالیسی پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئی تو اِس سے بہتر بات ہندوستان کے لئے اور کیا ہوگی۔ بہت سے جھگڑے آپس میں طے کرنے والے باقی ہیں۔ بہت سی شکایتوں کا ازالہ ہونے والا ہے۔ مگر بسا اوقات جب لوگ ایک بات کو محبت سے طے کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو دوسری باتوں کا تصفیہ بھی آپ ہی آپ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک نیکی دوسری نیکی کی طرف لے جاتی ہے۔ صلح کے لئے بڑھایا ہوا ایک قدم دو اور قدموں کے بڑھانے کے لئے رستہ صاف کر دیتا ہے۔ آؤ ہم ان لاکھوں غریبوں اور مسکینوں کا خیال کریں جو اپنے وطنوں سے دور اِدھر اُدھر دھکے کھاتے پھرتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک بھی کیا جاتا ہے اور جن پر زبانِ طعن بھی دراز کی جاتی ہے۔ بعض لوگ بھائیوں کی طرح ان سے بغلگیر ہو رہے ہیں تو بعض ان سے فقیروں اور بھِک منگوں کا سا سلوک کر رہے ہیں۔ آؤ ہم ان لوگوں کو پھر اپنے گھروں میں بسانے کے لئے ایک جدوجہد کریں اور ایک ایسا قدم اُٹھائیں جس سے مُلک میں امن کی فضا پیدا ہو جائے۔ شاید دلوں میں نرمی پیدا ہونے کے بعد وہ دوسرے سیاسی اور اقتصادی جھگڑے بھی طے ہو جائیں جو اِس وقت ہندوستان کے خیالات کو مشوش کر رہے ہیں۔ (الفضل لاہور ۲۱ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کانگرس ریزولیوشن کی کمزوریاں

ہم لکھ چکے ہیں کہ کانگرس ریزولیوشن میں پاکستان اور ہندوستان میں امن کے قیام کے لئے جو تجاویز پیش کی گئی ہیں وہ نہایت مناسب ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اس میں کچھ کمزوریاں بھی باقی رہ گئی ہیں۔ اس ریزولیوشن میں اس امر کو نظرانداز کر دیا گیا ہے کہ ان حالات کے پیدا کرنے والوں کو جن کی وجہ سے اقلیتوں کو گھر چھوڑنے پڑے پکڑا جائے اور انہیں سزا دی جائے دنیا کا کوئی انسان بھی اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک کروڑ کے قریب آدمی جس نے اپنے وطن کو چھوڑا ہے بغیر کسی وجہ کے اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا ہے یا ان لوگوں کی ہم مذہب حکومتوں نے انہیں اپنی طرف بلایا ہے اور یا پھر غیر مذاہب کے لوگوں نے یا غیر مذاہب کی اکثریت والی حکومتوں نے انہیں مجبور کر کے اپنے گھروں سے نکالا ہے ان دو صورتوں کے سوا کوئی تیسری صورت ممکن نہیں۔ اگر تو پاکستان کی حکومت نے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کو بُلایا ہے یا پاکستان کی مسلم انجمنوں نے ہندوستان کے رہنے والے مسلمانوں کو بُلایا ہے یا پاکستان میں رہنے والے ہندوؤں کو ہندوستان کی گورنمنٹ نے بلایا ہے یا ہندوستان کی ہندو یا سکھ انجمنوں نے بلایا ہے تو کانگرس کا ریزولیوشن بالکل اُدھورا رہ جاتا ہے کیونکہ کانگرس کے ریزولیوشن میں اس قسم کی نقل مکانی کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی حالانکہ اس کے خلاف ضرور آواز اُٹھائی جانی چاہئے تھی۔ اگر اس کے برخلاف حکومتوں یا حاکموں یا غیر مذاہب کے افراد نے ہندوستان سے مسلمانوں اور پاکستان سے ہندوؤں اور سکھوں کو نکلوایا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے ایسا کیا، ان کے خلاف بھی تو کوئی قدم اُٹھانا چاہئے۔ کانگرس جب یہ کہتی ہے کہ وہ حالات بدلے جائیں جن کے باعث ہندوستان اور پاکستان سے مسلمان اور ہندو نکلنے پر مجبور ہوئے ہیں تو اِس کے معنی اِس کے سِوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان سے

مسلمانوں کو اور پاکستان سے ہندوؤں یا سکھوں کو نکالا آئندہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے لیکن کیا اس ریزولیوشن کا ان لوگوں پر کوئی بھی اثر ہو سکتا ہے جنہوں نے پچاس لاکھ مسلمانوں کو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے پنجاب سے نکال دیا یا چالیس لاکھ ہندوؤں اور سکھوں کو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے پاکستان سے نکال دیا۔ اگر یہ سب کے سب لوگ غیر مذاہب کے ظلموں کی وجہ سے نکلے تھے تو ان ظلم کرنے والوں کے خلاف دونوں حکومتوں نے کیا کارروائی کی ہے۔ اگر آئندہ کسی کارروائی کے کرنے کا کانگرس حکم دیتی ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ سمجھتی ہے کہ ہمیں یہ طاقت حاصل ہے کہ ہم ان لوگوں کو سزا دے سکیں۔ اور اگر واقعہ میں کانگرس یہ سمجھتی ہے کہ وہ ان مجرموں کو سزا دے سکتی ہے تو کیوں وہ ان جرائم پر سزا نہیں دیتی جو اِس وقت تک صادر ہو چکے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں اب مسلمان رہ ہی کتنے گئے ہیں آٹھ یا دس لاکھ آدمی ریفیوجی کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جالندھر ڈویژن میں سوائے قادیان کے اور کسی گاؤں یا قصبہ میں مسلمان نہیں۔ انبالہ ڈویژن کے بعض شہروں اور قصبوں میں مسلمان ابھی پائے جاتے ہیں لیکن نکالے جانے والوں اور مارے جانے والوں کی تعداد سے ان کی کوئی بھی نسبت نہیں۔ پس یہ اعلان کرنا کہ یہ جو تھوڑے سے آدمی رہ گئے ہیں اگر ان پر کوئی ظلم کرے گا تو ہم سختی سے کام لیں گے ایک بے معنی سا اعلان ہے۔ وہ لاکھوں آدمی جو مارا جا چکا ہے اور وہ ہزار ہا عورت جس کو زبردستی چھین لیا گیا ہے اور وہ اربوں روپیہ کی جائداد جو جبراً ہتھیا لی گئی ہے اگر یہ فعل بُرا تھا تو کیوں اس کے خلاف کارروائی نہیں کی جاتی۔ کیا یہ بات عجیب نہیں معلوم ہو گی کہ ایک قصبہ جس میں سے سَو مسلمان نکل چکا ہے اور دس مسلمان باقی ہیں اور ان سَو مسلمانوں کے گھروں پر سکھ اور ہندو قابض ہو چکے ہیں۔ کانگرس کے اعلان کے بعد وہی ہندو اور سکھ جو پہلے مسلمانوں کو نکال کر ان کے گھروں پر قابض ہو چکے ہیں نئے آنے والے سکھوں اور ہندوؤں سے لڑ رہے ہوں گے کہ یہ جو دس مسلمان رہ گئے ہیں ان کو گھروں سے نہ نکالو کیونکہ کانگرس کا ریزولیوشن ہو گیا ہے اور جب وہ نئے آنے والے ہندو اور سکھ کہیں گے کہ تم بھی تو مسلمانوں کو نکال کر ان کے گھروں میں بیٹھے ہو تو وہ پُرانے غاصب اِن نئے غاصبوں کو کہیں گے کہ کانگرس کا ریزولیوشن پچھلے واقعات کے متعلق نہیں آئندہ کے واقعات کے متعلق ہے ہم نے

جتنے آدمی مارے اور جتنے گھر ضبط کئے ان سب کو کانگرس ریزولیوشن نے معاف کر دیا ہے اور آئندہ کے لئے حکم دیا ہے کہ ایسا کام نہیں ہونا چاہئے۔ کیا ان حالات میں کانگرس کے ریزولیوشن پر کامیابی سے عمل کیا جا سکتا ہے؟ یہی بات ہم پاکستان کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ایسے مقام ضرور ہیں جہاں سے ہندوؤں کو جبراً نکالا گیا ہے یا ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ وہ نکل جائیں۔ اگر پاکستان گورنمنٹ ہندوؤں کو اپنے مُلک میں رکھنا چاہتی ہے تو ان کو بھی یہی طریق اختیار کرنا ہوگا کہ جو پچھلے مجرم ہیں اُن کو پکڑیں اور سزا دیں۔ آخر لاکھوں آدمی پھونکوں سے تو نہیں مر گئے۔ لوگ اربوں کی جائداد چھوڑ کر بلا وجہ تو نہیں بھاگ گئے۔ کوئی مارنے والا آدمی ضرور تھا، لوگوں کے پاس ایسے ہتھیار ضرور تھے جن سے قتل کی وارداتیں ہوئیں اور حالات ضرور اِس طرح بگڑے کہ غیر قوموں کے لوگوں نے اپنے لئے اس مُلک میں پناہ کی کوئی صورت نہ دیکھی اور اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ جب تک ان حالات کے پیدا کرنے والوں اور ان قاتلوں اور ان عورتوں کو پکڑنے والوں کو سخت سزائیں نہ دی جائیں گی جن کے افعال نے پاکستان اور ہندوستان سے نکلنے پر اقلیتوں کو مجبور کر دیا ہے، اُس وقت تک امن کے ریزولیوشن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ کل کو پھر ایک جوش اُٹھے گا اور پھر دونوں طرف خون خرابہ شروع ہو جائے گا اور پھر مُلک کی سیاسی انجمنیں ایک ریزولیوشن پاس کر دیں گی کہ آئندہ خبردار ایسا مت ہو۔ کبھی پچھلے حساب کی صفائی کے بغیر آئندہ کی کوئی صفائی ہوا کرتی ہے؟ لاکھوں لاکھ قاتل ہندوستان یونین میں پھر رہا ہے وہ سٹیجوں پر کھڑے ہو کر تقریریں بھی کر رہا ہے، وہ اخباروں میں مضامین بھی لکھ رہا ہے، وہ کانگرس کے جلسوں میں ممبروں کے طور پر شامل بھی ہو رہا ہے لیکن ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لاکھوں لاکھ مسلمان جو مارا گیا ہے اس کے خون کی تحقیقات کوئی نہیں ہو رہی۔ ضلع گورداسپور میں ہی جس سے سات لاکھ کے قریب مسلمانوں کو مار کر نکال دیا گیا ہے، دو اڑھائی سَو مسلمان اس لئے جیل خانوں میں سڑ رہے ہیں کہ اُنہوں نے سکھوں کو یا ہندوؤں کو مارنے کی کوشش کی لیکن سکھ ایک بھی اِس جرم میں قید نہیں ہے کہ اس نے مسلمانوں کو مارا اور ان کے گھروں کو لوٹا اور اُن کی جائدادوں پر قبضہ کیا۔ کیا کوئی عقلمند انسان اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ حکومت کو اس قوم کے مجرم تو نظر آ سکتے تھے جن کو

ہزاروں کی تعداد میں قتل کیا گیا، جن کی سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں چھین لی گئیں، جن کی سَو فیصدی جائدادوں پر قبضہ کرلیا گیا لیکن اس قوم کے مجرم اسے بالکل نظر نہیں آئے جنہوں نے ایک ہزار سے زیادہ مسلمان گاؤں کو تباہ کر دیا۔ پانچ سات ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کر دیا، تین چار لاکھ سے زیادہ مویشی ان کے چھین لئے۔ پانچ لاکھ ایکڑ زمین پر قبضہ کرلیا، ایک کروڑ سے زیادہ قیمت کے اَثَـاثَةُ الْبَیْت کو ہتھیا لیا ہمیں حکومت یا کانگرس بتائے تو سہی کہ کم سے کم بھی ایک ضلع میں مسلمانوں کی موت کا اور عورتوں کے نکالے جانے کا اور جائدادوں پر قبضہ کا اندازہ لگانے کے بعد ان افعال کے مرتکب آخر کتنے آدمی قرار دیئے جا سکتے ہیں اور جتنے انسانوں کی طرف یہ جرم منسوب کیا جا سکتا ہے ان میں سے کتنے آدمی اِس وقت حوالات میں ہیں۔ اگر ان تمام حرکات کے بعد ہندو اور سکھ تو حوالات میں نہیں مگر مسلمان حوالات میں ہیں تو کیا کوئی مان سکے گا کہ حکومت ہند نے امن کے قیام کے لئے پوری کوشش کی تھی اور کانگرس کے ریزولیوشن کے مطابق وہ تعریف کی مستحق ہے؟ مگر گزشتہ کو جانے دو کیا کانگرس کے ریزولیوشن میں اس بات کا انتظام کیا گیا ہے کہ اب اس ریزولیوشن کے بعد ان مجرموں کو پکڑا جائے اور ان کو سزا دی جائے؟ اور ان مسلمان ملزموں کو چھوڑا جائے جن کا صرف اتنا قصور تھا کہ وہ مار کھانے والے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے زبان کھول سکتے تھے اور شور مچا سکتے تھے یا ایک تنظیم کے ماتحت ان کو ان مظالم کی جگہوں سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے۔ ہم ہندوستان ہی کے متعلق ایسا نہیں سمجھتے، پاکستان گورنمنٹ میں بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں اور پاکستان گورنمنٹ کا بھی یہی فرض ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ پاکستان میں سے کچھ ہندو اور سکھ پہلے سے سوچی ہوئی تدبیروں کے ماتحت نکل گئے تھے، ہم مانتے ہیں کہ کچھ ہندو اور سکھ اِردگرد کے ہندو اور سکھ ہمسایوں کو انگیخت اور ان کے اشارہ سے ہندوستان چلے گئے تھے لیکن ہم اس کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ پاکستان میں سے کچھ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے دباؤ اور ان کی سختی کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے، کچھ ہندوؤں اور سکھوں کی عورتیں اُٹھا لی گئیں۔ کچھ ہندوؤں اور سکھوں کی جائدادیں لُوٹی گئیں، کچھ ہندو اور سکھ قتل کئے گئے یہ کام پبلک کی ایک جماعت نے کیا اور بعض افسروں کے اشارہ سے ہوا لیکن ہمیں پاکستان کے متعلق یہ بھی اطلاع نہیں کہ اس میں ان

مسلمان مجرموں اور ان افسر مجرموں کو پکڑ کر ان پر مقدمات چلائے گئے ہوں جنہوں نے یہ حرکات کیں۔ جن لوگوں نے ہندوؤں اور سکھوں پر ظلم کیا، ان کو مارا، اُن کی عورتیں نکالیں، اُن کی جائدادوں کو لُوٹا وہ چند افراد نہیں ہو سکتے تھے وہ یقیناً ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں تھے مگر اس الزام میں تو سینکڑوں بھی نہیں پکڑے گئے۔ آئندہ کا اطمینان گزشتہ جرائم پر ندامت کے اظہار سے پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر پاکستان اور ہندوستان کی مجلسوں میں مسلمان اور ہندو اور سکھ مجرم اپنی دھوتیاں پھیلائے اور تہبندیں لٹکائے اور چھاتیاں تانے بیٹھے ہوئے پبلک سے تحسین و آفرین کا انعام حاصل کر رہے ہوں تو ایسے ریزولیوشن کا نتیجہ نکل ہی کیا سکتا ہے۔ دنیا لفظوں کو نہیں دیکھا کرتی وہ عمل کو دیکھا کرتی ہے۔ جب تک ان مجرموں کو پکڑنے کا انتظام نہیں کیا جائے گا خواہ وہ لاکھوں کی تعداد میں کیوں نہ ہوں، جب تک قاتلوں اور لٹیروں کو سزا نہ دی جائے گی اُس وقت تک نیک سے نیک نیت سے پاس کئے ہوئے ریزولیوشن بھی بیکار اور بے فائدہ ثابت ہوں گے۔

حسین رضی اللہ عنہ

وہ نام جن کے زبان پر آنے کے ساتھ رفیع و بلند کیفیتیں اور تعظیم و تکریم کے عظیم الشان جذبات دل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان ناموں میں سے ایک وہ نام بھی ہے جس کو آج ہم نے زیب عنوان بنایا ہے۔ کونسا مسلمان ہے جس کے دل و دماغ پر حسینؓ کے نام کو سنتے ہی ایک غیر معمولی کیفیت طاری نہیں ہو جاتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس نام کے حروف اور ان کی ترکیب میں کوئی ایسی بات ہے جو یہ اثر ہمارے دلوں پر کرتی ہے ان میں کوئی شک نہیں کہ بعض وقت محض حروف کا حسن ہی کسی لفظ کی کشش کا باعث ہوتا ہے اور حسین کے لفظ میں بھی وہ حسن ضرور موجود ہے لیکن وہ خاص کیفیت جو اس نام کے لینے اور سننے سے ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے وہ یقیناً صرف اس حسن آواز اور لوچ کی پیداوار نہیں ہے جو ان حروف یا ان کی ترکیب میں ہے جن سے حسین کا لفظ بنا ہے۔

تھوڑے سے غور سے ہم کو معلوم ہوگا کہ اس لفظ یا نام کے ساتھ کچھ ایسے عظیم الشان واقعات وابستہ ہوگئے ہیں کہ گو ان واقعات کا پورا پورا نقشہ ہمارے سامنے نہ بھی آئے لیکن جب ہم اس نام کو زبان سے دُہراتے ہیں تو جو کیفیت ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے اس کی

ساخت میں ان واقعات کا سایہ ضرور گزر رہا ہوتا ہے جو اس انسان کو پیش آئے تھے جس نے میدانِ کربلا میں صداقت کا جھنڈا بلند کرنے کے لئے نہ صرف اپنی جان کو قربان کر دیا تھا بلکہ اپنے خاندان کے قریباً تمام نرینہ افراد کو اس غرض کے لئے اپنی آنکھوں سے خاک وخون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ ہے وہ مدھم سا پس منظر جو اس لفظ یا نام کی پُر اثر طاقت کا حقیقی منبع ہے اور اس کو دُہراتے ہی ہماری آنکھوں کے سامنے اُبھر آتا ہے۔ عربوں میں ویسے تو یہ نام کوئی خاص نام نہ تھا بلکہ عام تھا کئی اشخاص کے نام حسین تھے۔ اس میں کوئی خاص کیفیت یا کشش نہ تھی اب یہ نام صرف ایک عظیم الشان ہستی کا نام ہونے کی وجہ سے کچھ ایسی کیفیتوں کا حامل ہو گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان یہ نام سنتا ہے یا اپنی زبان سے دُہراتا ہے تو اس کے رگ وپے میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نام میں کچھ نہیں ہوتا۔ یہی نام اب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ شاید ہی کوئی گاؤں ہو گا جہاں تین چار نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اشخاص ایسے نہ ہوں جن کا نام حسین ہو لیکن جب ان میں سے ہم کسی کو اس نام سے پکارتے ہیں تو وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جو اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اِس نام سے ہماری مراد وہ خاص ہستی ہوتی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اس کو یہ قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نام اپنی ذات میں خواہ کتنا بھی اچھا ہو جب تک اس نام کے ساتھ اس شخص کا کام بھی ہمارے دل کی آنکھ میں متشکل نہ ہو محض نام کوئی خاص کیفیت پیدا نہیں کر سکتا۔

ایک پُر اثر اور دلکش شعر میں جو الفاظ ہوتے ہیں وہی معمولی الفاظ ہوتے ہیں جو ہم اپنے روزمرہ میں استعمال کرتے ہیں لیکن آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ شاعر کو بعض وقت اس طرح بھی داد دی جاتی ہے کہ ’’صاحب! آپ نے فلاں لفظ میں جان ڈال دی ہے‘‘ یہاں جان ڈالنے کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ شاعر نے اس خاص لفظ کو لفظوں کے ایسے ماحول میں رکھ دیا ہے کہ گویا اس میں جان پڑ گئی ہے۔ لفظ کی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں بلکہ ماحول کی وجہ سے کسی لفظ میں جان پڑتی ہے۔ اسی طرح کسی نام میں اس شخص کے کام کی وجہ سے جان پڑتی ہے جس کا وہ نام ہوتا ہے۔

اب اگر ہم ہزار بار نہیں لاکھ بار حسین حسین اپنی زبان سے رَٹیں اور وہ واقعات ہمارے ذہن میں نہ ہوں جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آئے تھے، وہ

استقامت، وہ جانبازی، وہ قربانی کی روح جو اُنہوں نے اُس وقت دکھائی اگر ہم کو یاد نہ آئے تو محض حسین حسین پکارنے سے نہ تو اس عظیم الشان نام کی وہ عزت وتکریم ہمارے دل میں پیدا ہوسکتی ہے جس کا وہ مستحق ہے اور نہ ہماری اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے بلکہ ان واقعات کو دُہرانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ہم ان واقعات سے سبق حاصل نہ کریں محض ان واقعات کو دُہرا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک ان کو اس طرح پیش نہ کیا جائے کہ سن کر ہم میں بھی ویسے ہی کام کرنے کے جذبات پیدا نہ ہوں، ویسا ہی جوش نہ اُٹھے۔

وہ مثالی قربانی جو خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عظیم الشان بیٹے نے میدانِ کربلا میں پیش کی ہم اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے۔ ایک معمولی لکھا پڑھا انسان بلکہ اَن پڑھ مسلمان بھی کچھ نہ کچھ ان کا علم ضرور رکھتا ہے۔ اِس وقت ہم جو کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ آؤ اس نام کو ہم بے فائدہ رَٹ رَٹ کر بدنام نہ کریں بلکہ ان کاموں کی تقلید کی کوشش کریں جو اس ہستی نے میدانِ کربلا میں دکھا کر ایک عالم سے خراجِ تحسین حاصل کیا جن کی وجہ سے یہ معمولی سا نام زندہ ہوگیا۔ اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگیا اور ان باتوں پر غور کریں جن باتوں سے متاثر ہو کر محمد علی جوہر مرحوم نے یہ شعر کہا تھا۔ ع

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اِس وقت ہر مسلمان میدانِ کربلا میں ہے اگر ہم کو اس میدان میں مرنا ہی ہے تو آؤ ہم بھی حسینؓ کی موت مریں تا کہ اس کی طرح ہمارا نام بھی زندۂ جاوید ہو۔ ورنہ جو پیدا ہوتا ہے ایک دن مرتا ہی ہے۔ کتنے تھے جن کے نام حسین تھے جو مر گئے مگر ان کو کوئی یاد بھی نہیں کرتا مگر ایک حسینؓ ہے صرف ایک حسینؓ جس کو دنیا بھلانا بھی چاہے تو نہیں بھلا سکتی جس کو دل سے مٹانا بھی چاہے تو نہیں مٹا سکتی کیونکہ اس حسین نے اپنے نام کو اپنے کام سے صفحۂ ہستی پر پتھر کی لکیر بنا دیا ہے کیونکہ اس نام کی پشت و پناہ وہ عظیم الشان قربانی ہے جو مُردہ ناموں کے جسموں میں جان ڈال دیا کرتی ہے کیونکہ اس نے اپنے نام کو ایسے ماحول میں رکھ دیا ہے جس سے وہ روشنی کا مینار

بن گیا ہے اگر تم بھی چاہتے ہو کہ تمہارا نام بھی روشنی کا ایسا مینار بن جائے جو

''شب تاریک و بیم موج و دریائے چنیں حایل''

کے عالَم میں دوسروں کو ساحلِ مراد کا نشان دکھائے تو تم کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جو حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئے۔ (الفضل لاہور ۲۳؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تقسیمِ فلسطین کے متعلق روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس کے اتحاد کا راز

یہ بات لوگوں کے لئے مُعمہ بن رہی ہے کہ روس جو کل تک عربوں کی دوستی کا دَم بھر رہا تھا یکدم تقسیم فلسطین کا حامی کیوں ہو گیا ہے اور عربوں کی مخالفت کیوں کر رہا ہے؟ یہ مسئلہ اور بھی زیادہ لَایَنۡحَلۡ [۳۱] ہو جاتا ہے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت سب سے زیادہ رقابت روس اور یونائیٹڈ سٹیٹس میں ہے اور یونائیٹڈ سٹیٹس سب سے زیادہ تقسیم فلسطین کا حامی ہے۔ جس چیز کا یونائیٹڈ سٹیٹس حامی ہو روس کے خطرات اس کے متعلق بہت نمایاں ہونے چاہئیں لیکن پچھلے چند ہفتوں سے یکدم روس نے پلٹا کھایا ہے اور وہ اس معاملہ میں یونائٹیڈ سٹیٹس کی پوری مدد کر رہا ہے مگر انگلستان جو اور دوسرے معاملات میں یونائیٹڈ سٹیٹس کا ساتھ دے رہا ہے اس معاملہ میں یونائیٹڈ سٹیٹس کے خلاف چل رہا ہے۔ یہ کایا پلٹ کیوں ہوئی ہے؟ اس کے سمجھنے کیلئے بعض گزشتہ تاریخی واقعات کے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جس وقت روس میں بالشویک [۳۲] نے بغاوت کی تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ امر حیرت کا موجب تھا کہ اس بغاوت میں حصہ لینے والے لوگوں میں جو بالشویک پارٹی کے ذمہ دار عہدوں پر متمکن تھے بہت سے یہودی بھی تھے جنہوں نے اپنے نام بدل دیئے ہوئے تھے اُس وقت ایک خفیہ سرکلر بھی پکڑا گیا تھا جس میں کئی سال پہلے یہودیوں کی ایگزیکٹو انجمن نے ایک پروگرام شائع کیا تھا۔ یہ پروگرام ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا اور اس پروگرام میں یہ بتایا گیا تھا کہ روسی حکومت کی حالت ایسی کمزور ہو رہی ہے کہ جلدی ہی وہاں ایک انقلاب رونما ہو گا۔ پس یہودی سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو چاہئے کہ وہ اس انقلاب کی مدد کریں اور یہودی مصنفوں کو

چاہئے کہ وہ اس انقلاب کی تائید میں اور اس انقلاب کو طاقت دینے کیلئے تصانیف شائع کریں۔ روسی انقلاب کے بعد روسی حکومت کی امداد سے یہودیوں کو فلسطین کی طرف آگے بڑھنا چاہئے۔ یہ پمفلٹ ایک پادری کے قبضہ میں آیا جس نے اس پمفلٹ کو یورپ کے بعض اخبارات میں شائع کرایا لیکن اسے ایک فریب اور یہودیوں کے خلاف سازش قرار دے کر قابل اعتناء نہ سمجھا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں جب بغاوت ہوئی اور بالشویک پارٹی آگے آئی تو اُس وقت اس کے ممبروں میں ایک معتد بہ حصہ یہودیوں کا دیکھ کر پھر بعض لوگوں نے اس پمفلٹ کی طرف توجہ دلائی اور یہ آواز اُٹھائی کہ وہی سکیم اِس موجودہ بغاوت میں کام کرتی نظر آتی ہے لیکن اس وقت انگلستان کی مالی حالت خراب تھی اور یہودی سرمایہ داروں کی امداد کا خواہاں تھا اور امریکہ کا پریذیڈنٹ ڈاکٹر وِلسن [۳۳] دو ہی سال بعد اپنے انتخاب کے لئے یہودی ووٹوں اور یہودیوں کی تائید کا محتاج تھا اس لئے اس آواز کو مصلحتاً دبا دیا گیا اور اس اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ انگلستان اور امریکہ کی متحدہ کوششیں کامیاب ہوگئیں اور یہ آواز ایک دفعہ پھر دَب گئی اور دنیا کو ایک دفعہ پھر تھپکیاں دے کر سُلا دیا گیا۔ اس وقت روس کی طاقت بالکل کمزور تھی اور خیال کیا جاتا تھا کہ یہ کوشش اگر صحیح بھی ہے تو نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی اس لئے ایک کمزور جدوجہد کو دبانے کے لئے ایک طاقتور قوم کو اپنے خلاف کر لینا عقل کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سکیم آہستہ آہستہ روس میں طاقت پکڑتی گئی۔ آج سے دس سال پہلے روس میں یہودیوں کے خلاف بھی ایک رَو پیدا ہوئی لیکن اس کی حیثیت پارٹی پالیٹکس سے زیادہ نہیں تھی۔ سٹالن [۳۴] اصل میں یہودی ہے اسی طرح اور کئی سوویٹ لیڈر یہودی ہیں کچھ ایسی پارٹیاں بھی روس میں ہیں جو سٹالن اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ہیں وہ کبھی کبھی یہ آواز اُٹھاتی ہیں کہ موجودہ گورنمنٹ یہودیوں کی تائید کرتی ہے اور جب یہ آواز ذرا بلند ہونے لگتی ہے تو سوویٹ گورنمنٹ ظاہرداری کے طور پر یہودیوں کو کسی قدر دبا دیتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سوویٹ گورنمنٹ خود اس سکیم کی تائید میں ہے لیکن ہم یہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ سوویٹ گورنمنٹ اس تحریک سے فائدہ ضرور اُٹھانا چاہتی ہے۔ سوویٹ گورنمنٹ کی یہ سوچی ہوئی اور فیصلہ شدہ سکیم ہے کہ وہ کسی طرح میڈی ٹرینین (Medi Terranean) پر قبضہ کرے۔ میڈی ٹرینین پر قبضہ

کرنے کے بعد انگلستان اور امریکہ کا تصرف ایشیا پر بالکل ختم ہو جاتا ہے اور مشرقی یورپ اور ایشیا پر اثر پیدا کر لینے کے بعد مغربی یورپ اور امریکہ کی طاقت بالکل ٹوٹ جاتی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ پر قابض روس کا مقابلہ افریقہ کے بہت کم آبادی والے علاقے کر ہی کیا سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ افریقہ کے ساحلوں پر قبضہ کرنے کے بعد روس اس قابل ہوگا کہ وہ امریکہ کے دل کے سامنے اپنا خنجر نکال کر کھڑا ہو جائے اور امریکہ کی نقل وحرکت کے رستوں کو مسدود کر دے۔ ان سکیموں کے خلاف روسی لیڈر خواہ یہودی تحریک کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اگر کسی صورت میں بھی مشرقِ وسطیٰ میں یہودیوں کی طاقت انہیں فائدہ پہنچا سکتی ہو تو وہ لازماً یہودی منصوبوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہودیوں کی حکومت کے قیام میں پوری مدد کریں گے اور وہ ایسا کر بھی رہے ہیں۔ مگر ایسی راہوں سے کہ ان کی تدبیریں ضائع نہ ہو جائیں اور وہ یہودیوں کے ہاتھ میں نہ کھیلیں بلکہ یہودی ان کے ہاتھ میں کھیلیں۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی جرمنی، پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ اور زیکوسلویکیا کے یہودیوں کو کوئی سال بھر تک روسی ایجنٹوں نے اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کی اور جب وہ لوگ روسی پروپیگنڈا سے متأثر ہو گئے اور ان کی ہمدردیاں روسی مقاصد کے ساتھ وابستہ ہوگئیں تو روس نے اُن کو اس روپیہ سے امداد دے کر جو جرمن اور آسٹرین سے انہوں نے لوٹا تھا اور جو زیادہ تر اُن نوٹوں پر مشتمل تھا جو ان ممالک میں انگریزوں اور امریکنوں نے اپنے پروپیگنڈہ کی خاطر پھیلائے تھے اُنہیں مغربی یورپ کے طرف دھکیلنا شروع کیا۔ وہ لوگ ظاہر یہ کرتے تھے کہ روس کے مظالم سے تنگ آ کر وہ مغربی ممالک کی طرف بھاگ رہے ہیں جہاں سے وہ فلسطین جائیں گے۔ بعض لوگوں نے روسیوں کی اس چالاکی کو سمجھ لیا چنانچہ وہ امریکن جرنیل جو اُس وقت یورپ کی دوبارہ آبادی کے کام پر یو۔این۔اے کی طرف سے مقرر تھا اس نے ایک اخباری نمائندہ کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا کہ ہزاروں یہودی اس کے علاقے سے بھاگتے ہوئے مغربی یورپ کی طرف آ رہے ہیں اور یہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کو روسیوں نے لوٹ لیا ہے اور ان کے ظلموں سے تنگ آ کر وہ اِدھر بھاگے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے بٹوے روپوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ایسے روپیہ سے بھرے ہوئے ہیں جو صرف روسی حکومت ہی اُن کو دے سکتی تھی اس لئے یہ

ہجرت دیانتدارانہ ہجرت نہیں بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور سکیم مخفی ہے۔ امریکن جرنیل کے اس بیان پر روسی مقبوضہ جرمنی کے کمانڈر اور روس کے بہت سے سیاسی افسروں نے بڑے زور سے پروٹیسٹ کیا اور اس پر اتنا شور پڑا کہ یو۔این۔اے کی تقسیم امداد کی انجمن کو اُس جرنیل کے خلاف ایکشن لینا پڑا لیکن چونکہ وہ جرنیل بہت بارسوخ تھا اُس نے اپنی عزت بچانے کیلئے کچھ مدت کی مہلت حاصل کر لی اور چند مہینوں کے بعد خود ہی کام سے الگ ہو گیا مگر اس نے اتنی ہمت ضرور کی کہ اپنے بیان کو واپس لینے سے انکار کر دیا لیکن روسی پروپیگنڈا کی وجہ سے امریکن گورنمنٹ کے نمائندوں کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اس جرنیل کا یہ بیان کہ بہت بڑی تعداد میں لوگ اُدھر سے آرہے ہیں درست معلوم نہیں ہوتا مگر یہ واقعہ درست تھا اور یہ تحریک ضرور جاری تھی۔ ذرا سے غور سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ تحریک کیوں جاری کی گئی تھی۔ اس کے جاری کرنے کی اس کے سِوا اور کوئی غرض نہ تھی کہ بالشویک خیالات سے متأثر یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد فلسطین میں آباد کرادی جائے تاکہ آئندہ فلسطین روس کے ساتھ متحد ہو اور روس کو فلسطین میں پاؤں جمانے کا موقع مل جائے۔ روس سے براہِ راست اس قسم کی جماعتیں بھجوانے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگوں کی توجہ فوراً اس راز کی طرف مائل ہو جاتی اس لئے تجویز یہ کی گئی کہ پہلے وہ لوگ اپنے آپ کو روسی ظلموں کا شکار قرار دے کر مغربی یورپ میں جائیں اور پھر وہاں سے فلسطین کی طرف ہجرت کریں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوسکے کہ ان کی نقل وحرکت کسی روسی سکیم کے ماتحت ہے۔ ان لوگوں نے جب فرانس، اٹلی اور جرمنی کے مغربی حصوں کی طرف سے فلسطین کی طرف یورش کی تو انگریزوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ فلسطین میں جا کر ہمارے خلاف منصوبہ بازی کریں گے اس لئے اُنہوں نے ایسے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جزیرہ سائپرس میں قید کرنا شروع کر دیا اور اس وجہ سے یہودیوں کو عام طور پر اور ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ برطانوی حکومت سے بغض پیدا ہو گیا۔

دوسرا رُخ اس کشمکش کا یہ ہے کہ امریکہ کی اقتصادی مشین بہت حد تک یہودیوں کے قبضہ میں ہے چونکہ امریکہ ایک نو آبادی ہے اور نو آبادیوں میں ہر قسم کے لوگ کثرت سے آ کر بس سکتے ہیں اور اپنے وطن کو وہی لوگ زیادہ تر چھوڑتے ہیں جن کو اپنے وطن میں تکالیف ہوں اس

لئے یورپ کے جن مُلکوں میں یہودیوں کو تکلیفیں پہنچی تھیں وہ وہاں سے ہجرت کر کے امریکہ میں چلے جاتے تھے اور چونکہ امریکہ نے ہر مُلک کے مہاجرین کے لئے ایک کوٹہ مقرر کر دیا تھا اور چونکہ یہودی یورپ کے تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اس لئے جب کہ جرمن، اٹیلین، فرانسیسی، انگریزوں، ڈچوں اور دوسرے ممالک کے لئے ہجرت میں روکیں اور حدبندیاں تھیں یہودی بوجہ سارے مُلکوں میں پھیلے ہونے کے سب مُلکوں کے کوٹہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے اس لئے دوسری ساری قوموں کی نسبت یہودیوں کا داخلہ امریکہ میں زیادہ سرعت اور زیادہ تعداد میں ہو رہا تھا پس یہودیوں کا قبضہ دوسری قوموں کی نسبت امریکہ میں زیادہ تھا۔ علاوہ اس کے کہ باہر کی قوموں میں سے نئی آنے والی قوموں میں ان کو بڑی کثرت حاصل ہے وہ تجارتی طور پر بھی امریکہ کی منڈیوں پر بڑا قبضہ رکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کبھی بھی نیشنلسٹ خیالات کا نہیں ہوا۔ یہودی دماغ ہمیشہ قومیت کی طرف راغب رہا ہے اس لئے کسی مُلک کا فرد ہونے کی وجہ سے وہ اپنی قومی ذمہ داریوں کو بھول نہیں جاتا۔ ایک امریکہ کو جانے والا انگریز ایک دو نسلوں میں انگلستان کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح ایک جرمن اور ایک اٹیلین بھی لیکن ایک یہودی ایک ہزار سال میں بھی اپنے یہودی ہونے کو نہیں بھولتا۔ سینکڑوں سال کے بعد بھی اگر امریکہ کے ایک یہودی کو جرمن کا ایک یہودی ملتا ہے تو وہ اُس کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے بہ نسبت امریکہ کے رہنے والے شخص کے۔ اِس وجہ سے یہودی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ہمیشہ بین الاقوامی منڈیوں پر قابض رہے ہیں اِن کی اس طاقت کی وجہ سے بھی امریکن یہودیوں کی طاقت بڑھ گئی ہے۔ پس ان کی مدد حاصل کرنے کیلئے امریکن حکومتوں نے یکے بعد دیگرے یہودیوں کی فلسطین کو یہودی آبادی بنانے کی سکیم کی تائید کرنی شروع کی۔ پہلے تو یہ تائید صرف اپنے لوکل حالات کی وجہ سے تھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد جب امریکنوں نے دیکھا کہ انگریزوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہے اور وہ اپنی دور کی چھاؤنیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے بعض ممالک میں خصوصاً مشرقِ وسطی میں روسیوں کے تصرف کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے تو اُنہوں نے فلسطین میں یہودیوں کے آباد کرانے کی سکیم کی خاص طور پر تائید کرنی شروع کر دی۔ اس خیال سے کہ چونکہ یہودی ہمارے ممنونِ احسان ہیں اور فلسطین کی نو آبادی

کے ترقی دینے میں امریکہ کے روپیہ کا خاص حصہ ہے اس لئے اگر کبھی عرب ممالک روس کی طرف مائل ہوئے تو یہودیوں کی یہ چھاؤنی امریکہ کی فوجوں کے لئے ایک کارآمد اڈہ ثابت ہوگی۔ اس طرح دو متضاد چلنے والی نہریں قدرتی حالات کی مجبوری سے ایک ہی سمت بہنے لگیں۔ روس جو کچھ ہی عرصہ پہلے عربوں کی تائید کررہا تھا اس نے یہ محسوس کیا کہ فلسطین میں اس کے بھجوائے ہوئے یہودیوں کی کافی تعداد پہنچ چکی ہے اور کچھ نئے یہودی اس نے اپنے مُلک سے بھجوانے کے لئے بھی تیار کر لئے جیسا کہ یو۔این۔اے میں مصری نمائندہ کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوڈیسا[۳۵] میں بہت سے یہودی نما یہودی فلسطین میں آنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں (یہودی نما یہودیوں سے مصری نمائندہ کا یہ منشاء ہے کہ ان میں سے بعض جھوٹے بنائے ہوئے یہودی ہیں اصلی یہودی نہیں) بہرحال روس نے چند مہینے پہلے تو یہودیوں کی اس لئے مخالفت کی تا کہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ روس فلسطین کے یہودیوں سے کچھ کام لینا چاہتا ہے اور اپنے ہم خیال لوگوں کو فلسطین میں داخل کر رہا ہے اور عرب لوگ اِس دھوکا میں رہے کہ روس ان کی امداد کر رہا ہے۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ کافی تعداد ایسے یہودیوں کی فلسطین میں گھس گئی ہے جو روسی اثر کو غالب کر سکتے ہیں تو اس نے یکدم اپنی روش بدل لی اور عربوں کی بجائے یہودیوں کی تائید کرنی شروع کر دی۔ اِدھر امریکہ والے بھی یہ سمجھتے ہوئے کہ فلسطین تو انہی کے روپیہ سے ترقی کر رہا ہے اگر یہودی حکومت الگ بنی تو وہ یقیناً امریکہ ہی کی مدد کرے گی، یہودیوں کی علیحدہ حکومت کے قیام کی تائید میں بڑھتے چلے گئے۔ بظاہر دونوں حکومتیں ایک مقصد کی حمایت کر رہی ہیں لیکن دونوں حکومتیں اس لئے اس ایک مقصد کی حمایت کر رہی ہیں کہ روس سمجھتا ہے کہ اب میرا کافی اثر فلسطین پر ہو چکا ہے اور میں فلسطین سے اپنی مرضی کا کام لے سکتا ہوں اور امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ فلسطین کی تمام ترقی میری ہی امداد پر منحصر ہے اس لئے میں جس طرح چاہوں گا فلسطین کی یہودی آبادی سے کام لوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دونوں میں سے کس کا اندازہ صحیح ہے۔ بہرحال دونوں کا مقصد ایک ہے گو ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ دونوں ہی قوموں کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کو دوسری قوم سے جنگ کے وقت اپنے اڈہ کے طور پر استعمال کریں۔ روس یہ خیال کرتا ہے کہ میری تدبیر کامیاب ہو چکی اور اب

فلسطین کا اڈہ میرے کام آئے گا اور امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ میری سکیم زیادہ مؤثر ہے اور فلسطین کا یہودی مجھ سے آزاد ہو کر روس کی طرف نہیں جا سکتا۔ انگریز یہ دیکھ رہا ہے اس کا مقام ان دونوں سکیموں میں کہیں بھی نہیں اس لئے اب وہ فلسطین کی تقسیم کا مخالف ہو رہا ہے لیکن امریکہ کے ڈر کے مارے مخالفت کر بھی نہیں سکتا اس لئے وہ غیر جانبدارانہ حیثیت اختیار کر رہا ہے مگر اوپر کی تفاصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت سب نفسانفسی کی مرض میں مبتلا ہیں عربوں اور مسلمانوں سے کسی کو ہمدردی نہیں ہے مسلمان صرف اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے اور اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

پاکستان میں عالمگیر اسلامی تنظیم کا قیام

ہمیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ لاہور میں مُملکت پاکستان کی پہلی عالمگیر اسلامی تنظیم اسلامک ورلڈ ایسوسی ایشن آف پاکستان کے نام سے قیام پذیر ہوئی ہے جس کا مقصد دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی مراسم کا استحکام ہوگا۔

اس قسم کی تنظیم کا قیام آج سے مدتوں پہلے ہو جانا چاہیئے تھا۔ کئی اسلامی مفکر اس قسم کی تنظیم کی ضرورت دیر سے محسوس کر رہے تھے اور بعض نے انفرادی طور پر کوششیں بھی کیں لیکن عالَم اسلام کے مختلف اجزاء کے اضطرابی ماحول نے جو مغربی اقوام کی ریشہ دوانیوں اور زیادہ تر خود مسلمانوں کی ذاتی کمزوریوں کا نتیجہ ہے ان انفرادی کوششوں کو کبھی بارآور ہونے نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ انجمن ان مقاصد کے حصول کے لئے جو اس نے اپنے سامنے رکھے ہیں پورے انہماک سے جدوجہد کرے تو تھوڑی مدت میں تمام اسلامی دنیا ایک نہایت پائیدار اور مضبوط رشتہ میں منسلک ہو سکتی ہے اور ایک ایسا ٹھوس اور نا قابلِ ہزیمت وجود بن سکتی ہے کہ جس کو دنیا کی تمام مخالف طاقتیں بھی مل کر ہِلا نہیں سکتیں اگر اس کام کا بیڑا اُٹھانے والوں نے استقلال اور ہمت سے کام لیا تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ایسوسی ایشن کا آئین مرتب کرنے کیلئے جو ابتدائی کمیٹی مقرر کی گئی ہے وہ آئین مرتب کرتے وقت نہایت وُسعت نظر اور کشادہ دِلی سے کام لیتے ہوئے اپنے میدانِ عمل کو مسلمان اقوام کے ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کے رشتۂ اشتراک کو مضبوط و مربوط

کرنے تک ہی محدود رکھے گی اور اعتقادات کے فردی اختلافات کو اپنے راستہ میں حائل نہیں ہونے دے گی۔ اسلام میں عقیدۂ توحید ایک ایسی چٹانی بنیاد ہے کہ جس پر اتحادِ باہمی کی عمارت اُٹھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔

اِس وقت تمام دنیا کے مسلمان کچھ ایسے مشترکہ مصائب میں گرفتار ہیں کہ ان سے نجات حاصل کرنا بغیر تمام اسلامی اقوام کے اشتراکِ عمل کے ممکن نہیں۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ اسلامی مساوات اور اسلامی طور وطریق کی یکسانی اور آپس میں میل جول کی آسانیاں غیروں سے تحسین وستائش کا خراج حاصل کرتی تھیں جس کے مٹے ہوئے آثار اب بھی کہیں کہیں نظر آسکتے ہیں لیکن موجودہ قیامت خیز حالات نے کچھ ایسی نفسانفسی کا عالَم پیدا کر دیا ہے کہ ہم نے وہ تمام باتیں فراموش کر دی ہیں جو انسان کو انسان سے قریب کرنے والی ہم کو اسلام نے عطا کی تھیں اور ہم ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باطل پرست طاقتیں یکے بعد دیگرے سب کو نگلتی چلی جارہی ہیں۔

(الفضل لاہور ۲۷ رنومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسلم لیگ پنجاب کا نیا پروگرام

ہم پہلے بھی کئی دفعہ توجہ دلا چکے ہیں کہ بے سوچ سمجھے قوم کے اوپر کسی پروگرام کا ٹھونسا عقل اور دانائی کا طریق نہیں ہوتا۔ اب پھر ایک دفعہ ہم وزارت پنجاب اور تمام مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ راہ نہایت ہی خطرناک اور مُہلک ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمارے قومی کارکنوں کو یہ بات تو بُری لگے گی لیکن مسلمانوں کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس تلخ سچائی کے کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اِس وقت پنجاب کی حکومت کی عنان ہے وہ ابھی معمولی ادارے چلانے کا تجربہ نہیں رکھتے بڑی بڑی سکیموں کے ایجاد کرنے اور ان کو چلانے کا سوال تو بالکل الگ ہے۔ انگریز جس حالت میں حکومت کی مشینری چھوڑ کر گیا تھا آج اُس سے بہت بدتر حالت میں ہے۔ پنجاب کا تعلیم یافتہ طبقہ ہی نہیں بلکہ حکومت پاکستان کے بڑے بڑے ذمہ دار افسر بھی یہ شکایت کر رہے ہیں کہ پنجاب کا انتظام خرابی کی طرف جا رہا ہے اور اسکے ذمہ دار افسر اصلاح کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو رہے۔ سندھ کی گورنمنٹ بدنام چلی آتی تھی مگر سندھ کی حالت پنجاب سے بہت بہتر ہے اور اسی طرح صوبہ سرحد کی حالت پنجاب سے بہتر ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ سندھ اور صوبہ سرحد نئے نئے تجربے کرنے کی طرف متوجہ نہیں۔ وہ عملی جدوجہد کے ساتھ اصلاح کر کے مُلک کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ اصلاح کا پہلا قدم یہی ہوا کرتا ہے۔ اس لئے وہ پنجاب کی نسبت زیادہ کامیاب ہیں۔ سندھ کے روئی کے کارخانے مدت ہوئی چل چکے اور بعض کارخانے تو اب کام ختم کر کے بند بھی ہونے والے ہیں۔ کئی کارخانے دسمبر کے آخر تک اپنا کام ختم کر دیں گے لیکن پنجاب میں ابھی روز اوّل ہے ٹھیکے ابھی تقسیم نہیں کئے گئے اور بند دُکانیں ابھی کھولی نہیں گئیں۔ خفیہ طور پر ہندو تاجروں سے سمجھوتے کئے جا رہے ہیں کہ کسی طرح

وہ واپس آ کر پھر اپنے کام سنبھال لیں اور لیگ اور حکومت پنجاب کے ذمہ دار حُکّام اپنی پرائیویٹ مجلسوں میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ بعض تو پلیٹ فارم پر بھی اس کا اعلان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں نے پھر آ کر کام شروع نہ کیا تو پاکستان کی مالی حالت بالکل تباہ ہو جائے گی۔ ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ جو کام پہلے سے چل رہے تھے اُنہی کو سنبھالا نہیں جا سکتا اور وہ خلا جو ہندوؤں کے بھاگ جانے سے پیدا ہو چکا ہے اُس کا ۱۰۰/۱ حصہ بھی اِس وقت تک پُر نہیں ہوا۔ بنکوں کی بزنس رُکی ہوئی ہے لوگ چیک لئے پھرتے ہیں اور اُن کو توڑنے والا کوئی نہیں۔ بنک شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں ٹرینڈ آدمی نہیں مل رہے۔ کارخانوں والے رو رہے ہیں کہ اوّل تو مشینری لوگوں نے اِدھر اُدھر کر لی ہے دوسرے کارخانوں کے نام بدل کر جھوٹی فہرستیں تیار کر لی گئی ہیں۔ اصل کارخانہ کا سامان تو اِدھر اُدھر کر دیا گیا ہے، جھوٹے نام کا کارخانہ جب انڈسٹریل ڈیپارٹمنٹ کسی کو تقسیم کرتا ہے تو وہاں انسپکٹر آف انڈسٹریل لکھ دیتا ہے کہ اس نام کا کوئی کارخانہ ہے ہی نہیں۔ دو مہینے خراب کرنے کے بعد یہ جواب جتنا دل شکن اور ساتھ ہی آنکھیں کھولنے والا ہے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو بے چینی ان حالات سے پیدا ہو رہی ہے اس کا علاج نئی نئی سکیموں سے کرنا بالکل غلط طریق اور قوم کے لئے مُہلک ہے۔ پہلے اُن رخنوں کو بھرنا چاہئے جو مُلک کی اقتصادی حالت میں پیدا ہو چکے ہیں۔ جو کارخانے اور جو صنعتیں اور جو تجارتیں ہندوؤں کے پاس تھیں اگر وہ مسلمان سنبھال لیں اور صحیح طور پر ان کے ٹیکسوں کی تشخیص ہو جائے تو صوبہ جاتی حکومتوں اور مرکزی حکومت کی مالی حالت نہایت ہی شاندار ہو جاتی ہے۔ اِس وقت صنعتی کارخانوں کو مُلکی اور قومی بنانے کی سکیمیں ایسی ہیں جیسا کہ کسی شخص کا مکان ٹپک رہا ہو اور وہ بجائے چھت پر تین چار ٹوکریاں مٹی ڈال کر اپنے بیوی بچوں کو اور اپنے اسباب کو ضرر سے بچانے کے کسی انجنیئر کی طرف دوڑ جائے کہ ہم آئندہ ایک کوٹھی تیار کریں گے اس کا نقشہ کیسا ہونا چاہئے اور کس کس قسم کا میٹریل اس میں ہونا چاہئے۔ جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے پہلے اُس کو سنبھالو وہ ہاتھوں سے نکل رہا ہے اور اقتصادی نظام تہہ و بالا ہو رہا ہے۔ جو کام ہندو افراد آج سے پہلے پنجاب میں کر رہے تھے اور جو یورپین کاموں کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا جب وہی کام نہیں سنبھالا جا سکتا تو آئندہ ان کی

تعمیروں کے خواب دیکھنا جو تعمیریں کہ بیسیوں سال کی کشمکش اور جدو جہد اور غور و فکر کے بعد یورپ کے فلاسفر اب کھڑی کرنے لگے ہیں اور جس کی خوبی کا مغرب کا کثیر حصہ بھی ابھی قائل نہیں ہوا اور اس کے مُلک کے لئے مضر ہونے پر مصر ہے کہاں تک معقول کہا جا سکتا ہے اور کہاں تک مُلک کے مفاد کے مطابق ہو سکتا ہے۔ مُلک کی اہم صنعتوں کی اصطلاح بھی ایک نہایت پیچیدہ اصطلاح ہے۔ یورپ کی چند مغربی کتابوں میں اہم صنعتوں کی اصطلاح پڑھ کر لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ شاید اہم صنعتوں کی اصطلاح چند مخصوص صنعتوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے حالانکہ یہ درست نہیں۔ ہر مُلک کی اہم صنعتیں الگ الگ ہیں اور اہم صنعتوں کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں۔ اہم صنعتوں کا فیصلہ ہوائی، بحری اور برّی فوجوں کے بڑے افسر اور ان کے اقتصادی مشیر مرکز اور صوبہ جات کے مالی افسروں اور پبلک کے اقتصادی ماہروں کے ساتھ مل کر کیا کرتے ہیں۔ ہر مُلک کی اہم صنعتیں دوسرے مُلک کی اہم صنعتوں سے مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اہم صنعت کی کوئی ایسی جامع مانع تعریف نہیں ہے جو ہر مُلک پر یکساں چسپاں ہو سکے۔ مغربی ممالک کے اقتصادی ماہر اس ابتدائی نکتہ کو سمجھتے ہیں مگر ہمارے مُلک کی بدقسمتی ہے کہ ہم حقیقت کو سمجھے بغیر صرف الفاظ کے پیچھے چل پڑتے ہیں جس طرح ہمارے مُلک کا عامل نعرے لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دشمن کو قتل کر دینے اور مار دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اور موچی دروازہ کے باہر کی میٹنگ میں جو اس نے شور کیا ہے اس شور کی وجہ سے اس کی قوم ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہو گئی ہے اسی طرح ہمارے مُلک کا لیڈر یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے یورپ کی کوئی کتاب پڑھ لی ہے یا اس نے بعض اخباروں کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں سے بعض الفاظ جو اِس وقت مغرب میں یا مغرب کے ایک طبقہ میں مقبول ہو رہے ہیں اسے پسند آ گئے ہیں خصوصاً اس حال میں کہ کالج کے ناتجربہ کار طلباء بھی ان الفاظ کی خوبصورتی سے متأثر ہو کر موقع اور بے موقع ان الفاظ کو استعمال کرنے لگ گئے ہیں تو ان الفاظ کو اپنے پروگرام میں شامل کر دینا گویا مُلک کی ترقی کا راستہ کھول دینا ہے۔ ہماری اس حالت پر خدا ہی رحم کرے ہماری گاڑی دریا کے منجدھار میں پھنسی ہوئی ہے ہم اس گاڑی کو اس دریا سے نکالنے کی کوشش تو نہیں کر رہے اور دوسَو میل کے فاصلہ پر ایک بجلی سے چلنے والی ریل کی سکیم بنا رہے ہیں۔ جس ریل کے چلانے کے

لئے جو مشکلات پیش آتی ہیں ہم ان سے ذرا بھی واقفیت نہیں رکھتے نہ ہماری قوم ان مشکلات سے کوئی واقفیت رکھتی ہے کہ وہ صحیح فیصلہ ہمارے لئے کر سکے۔ مگر ہم ہیں کہ اِس وقت جب کہ گاڑی دریا کی تیز دھار کی مار سے اُلٹنے والی ہے ہماری بیوی اور بچے خوف سے چیخیں مار رہے ہیں۔ بیلوں کے جسم ڈر کے مارے تھر تھر کانپ رہے ہیں، اپنے خیالی پلاؤ کے مزے اُڑا رہے ہیں اور گرد و پیش کے تمام خطرات سے آنکھیں بند کر کے مزے سے سر ہِلا رہے اور چٹکیاں بجا رہے ہیں۔

(الفضل لاہور ۲۹ ؍نومبر ۱۹۴۷ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کشمیر کے متعلق صلح کی کوشش

آج کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے متعلق صلح کی گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بھی انہی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں شیخ عبداللہ صاحب کو اس غرض کیلئے بلایا گیا ہے۔ خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صلح اس اصول پر ہو رہی ہے کہ پاکستان زور دے کر قبائلی لوگوں کو واپس کرا دے۔ ہندوستان کی فوج کی واپسی کا کوئی ذکر نہیں۔ مسٹر گاندھی بھی بہت خوش نظر آتے ہیں کہ صلح کے امکانات روشن ہو رہے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن کی کوشش سے ہندوستان میں امن کے قیام کی صورت نکل آئے گی۔ شرائطِ صلح جو بتائی گئی ہیں وہ کشمیر کے مسلمانوں کے لئے نہایت خطرناک ہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں نے جو قربانیاں کی ہیں وہ ایسی نہیں کہ ان کو یونہی نظر انداز کر دیا جائے۔ خصوصاً پونچھ کے مسلمانوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے کوئی ایسا سمجھوتہ جو ان کے حقوق کی حفاظت نہ کرے یقیناً پونچھ کے بہادر جانبازوں کی زندگی ختم کرنے والا ہوگا۔ اس جنگ کے بعد اگر کشمیر پر کوئی ایسی حکومت قابض ہوئی جو ڈوگرہ راج کے تسلسل کو جاری رکھنے والی ہوئی یا جس میں آزاد مسلمانوں کا عنصر بڑی بھاری تعداد میں نہ ہوا تو پونچھ، میرپور اور ریاسی کا بہادر مسلمان ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گا وہ کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا کرے کہ یہ خبر غلط ہو لیکن چونکہ پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے اس کے خلاف کوئی اعلان نہیں ہوا اس لئے ہمیں شبہ ہے کہ یہ خبر اگر ساری نہیں تو کچھ حصہ اس کا ضرور سچا ہے۔ پاکستان گورنمنٹ نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ نہیں لے رہی اور اگر یہ بات درست ہے تو پاکستان گورنمنٹ کو آزاد کشمیر تحریک کے راستہ میں روڑے اٹکانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ پبلک کی ہمدردیاں آزاد مُلکوں میں ہمیشہ ایسے ممالک کے حق میں جاتی ہیں جن سے کہ ان کا کوئی تعلق ہوتا ہے۔ انگلستان، یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ، فرانس، جرمنی

اور دوسرے ممالک باوجود اس کے کہ ان کی حکومتیں بعض حالات میں شامل نہیں ہوئیں دو جنگ کرنے والے فریق میں سے ایک کی مدد کرتی رہی ہیں۔ اگر پاکستان کی آبادی بھی اسی طرح کشمیر کی تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی مدد کرے تو وہ اپنے جائز حقوق سے کام لیتی ہے اور اسے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ کشمیر کا پاکستان کے ساتھ ملنا یا کُلّی طور پر آزاد ہونا۔ لیکن پاکستان کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات کا ہونا پاکستان کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے اس کے بغیر پاکستان ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس کوئی ایسی تجویز جو اس کے خلاف ہو وہ ہرگز پاکستان کے لئے قابل قبول نہیں ہونی چاہئے۔ پٹھانوں کو جو کشمیر کے معاملہ میں گہری دلچسپی ہے اس کے ثبوت کے طور پر کرنل شاہ پسند صاحب کا وہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جو الفضل کے ہفتہ کے ایڈیشن میں شائع ہو چکا ہے۔ کرنل شاہ پسند صاحب اس میں لکھتے ہیں کہ ان کو اور دوسرے پٹھانوں کو کشمیر کے معاملہ میں اتنی دلچسپی اور اتنا گہرا تعلق ہے کہ وہ اور ان کی قوم ان مظالم کو کسی صورت میں بھی بھولنے کیلئے تیار نہیں جو ڈوگرہ راج کی طرف سے مسلمانوں پر کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ اس جنگ میں ہمیں فتح ہوگی یا شکست لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ چاہے سال دو سال یا تین سال لگ جائیں ہم کشمیر کی تحریکِ آزادی کی امداد کو ترک نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے اس راز کو بھی افشاء کیا ہے کہ دو سال پہلے خود اُن کو بھی بیس ہزار روپے کی ایک پیشکش کی گئی تھی جس کو اُنہوں نے ٹھکرا دیا اور یہ کہ فقیرا ایپی صاحب نے بھی ان کو کانگرس کے حق میں کرنے کی کوشش کی تھی اور قائداعظم مسٹر جناح کے خلاف اُکسایا تھا کہ وہ ایک شیعہ ہیں اور تم ایک شیعہ کی اتباع کیوں کرتے ہو۔ کرنل شاہ پسند صاحب ایک مشہور فوجی جرنیل ہیں اور ان کا یہ خط ایک بہادر جرنیل کے خیالات کا آئینہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ اُنہوں نے لکھا ہے وہ ان کے دلی جذبات کا اظہار ہے اور اس میں کسی قسم کی بناوٹ اور تکلّف نہیں ہے۔ کرنل شاہ پسند صاحب نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ مہمندوں اور آفریدیوں کے خیالات بھی ایسے ہی ہونگے۔ یہ لوگ ہماری سرحدوں کے محافظ ہیں اور ان کے جذبات کا خیال رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ پٹھانوں کی جانیں جس طرح بمبئی اور جالندھر اور لدھیانہ میں لی گئی ہیں اور ہندوستان کے بعض اور مقامات میں جس طرح ان کے خون کے ساتھ ہولی کھیلی گئی

ہے، اس کو دیکھتے ہوئے پٹھان کبھی بھی تسلی نہیں پاسکتے کہ اس قسم کے ظالم لوگ ان کی سرحد پر آ بسیں اور ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتے رہیں۔ پس کسی قسم کی صلح کی گفتگو سے پہلے پٹھان قبائل سے رائے لینا نہایت ضروری ہے۔ پٹھان قبائل کچھ تو آزاد ہیں اور کچھ نیم آزاد اور ان کا تعلق پاکستان سے ایک رنگ میں اتحادی تعلق ہے۔ دنیا کی حکومتیں کبھی بھی اپنے اتحادیوں سے رائے لئے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھایا کرتیں کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو پھر اتحاد بے معنی ہو جاتا ہے اور اس سے نیک نتائج کا پیدا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گو کشمیر کی آزاد تحریک کو اس وقت تک پاکستان نے تسلیم نہیں کیا لیکن اس سے مشورہ لینا بین الاقوامی قانون کے خلاف نہیں۔ حال ہی میں سپین کی ایسی حکومت جس کے پاس سپین کے مُلک کا ایک انچ بھی نہیں ہے، اس کے ایک وزیر کو حکومت برطانیہ کے بعض عہدہ داروں نے بُلایا اور اس سے مشورہ لیا۔ سپین کی گورنمنٹ نے اس پر احتجاج بھی کیا لیکن حکومت برطانیہ نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس سے پہلے اسی آزاد حکومت سے فرانس کے وزراء مشورے کر چکے ہیں۔ پس گو کشمیر کی آزاد حکومت پاکستان کے نزدیک ایک تسلیم شدہ حکومت نہیں لیکن سیاسی رواج کے مطابق ان سے غیر آئینی گفتگو کرنا پاکستان کے لئے منع نہیں اور کشمیر کے متعلق کسی فیصلہ سے پہلے ان لوگوں کے خیالات کا معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کشمیر کی آبادی کا وہ حصہ جو شیخ عبداللہ کے ساتھ ہے وہ تو پہلے ہی پاکستان کا مخالف ہے، اس غلطی کی وجہ سے وہ حصہ بھی مخالف ہو جائے گا جو اِس وقت پاکستان کے حق میں ہے اور پاکستان کی سرحد نہ صرف حکومت کے تعلقات کے لحاظ سے بلکہ رعایا کے تعلقات کے لحاظ سے بھی غیر محفوظ ہو جائے گی۔ ہم پھر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اِس وقت تک جو خبریں ہیں وہ غیر سرکاری ہیں ممکن ہے وہ جھوٹی ہوں اور خدا کرے وہ جھوٹی ہوں لیکن چونکہ یہ خطرہ ہے کہ ان کے اندر کوئی سچائی بھی پائی جاتی ہو اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم وقت سے پہلے حکومت اور پبلک کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلا دیں۔ بڑے بڑے سمجھدار بعض دفعہ غلطیاں کر جاتے ہیں اور حکومت کے وزراء کا اندرونی اور بیرونی حالات سے واقف ہونا اس بات کی ضمانت نہیں ہوتا کہ وہ کبھی غلطی نہیں کریں گے جمہوری حکومتوں میں اخبارات کا یہ حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکومت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ

دلائیں۔ کبھی اخبارات حق پر ہوتے ہیں اور کبھی حکومت حق پر ہوتی ہے اِن دونوں کی آزادانہ رائے ایک دوسرے کی رائے کی اصلاح کر کے مُلک کی بہتری کا موجب ہوتی رہتی ہے۔ پس ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت ہمارے مخلصانہ خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی ایسی غلطی نہیں کرے گی جو آئندہ پاکستان کے لئے نقصان کا موجب ہو جائے اور جس کی وجہ سے کشمیر اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات بگڑ جائیں۔ پاکستان اس سے پہلے کشمیر کے متعلق یہ تجویز پیش کر چکا ہے کہ ہندوستان یونین کی فوجیں وہاں سے واپس بُلا لی جائیں اور ادھر پاکستان اپنا اثر اور رسوخ استعمال کر کے افغان قبائل کو وہاں سے واپس لوٹنے پر مجبور کرے۔ اس کے بعد ایک آزاد ماحول کے ماتحت ریاست کشمیر اور جموں کے لوگوں سے رائے لی جائے۔ پھر جس طرف ان کی اکثریت ہو اس کے مطابق کشمیر کی حکومت کا فیصلہ کیا جائے۔ یہ تجویز بالکل معقول اور انصاف کے مطابق اور دُور اندیشانہ تھی۔ اگر یہی تجویز اس وقت پاس ہوئی ہے تو ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے بشرطیکہ ایک اور امر کا بھی اس میں خیال رکھا جائے اور وہ یہ ہے کہ جموں اور کشمیر میں بسنے والی قوم ایک نہیں جموں اور کشمیر کی قومیں اسی طرح مختلف مذہب اور مختلف نسل رکھتی ہیں جس طرح کہ ہندوستان کی قومیں۔ جموں کا ڈوگرہ الگ نسل سے تعلق رکھتا ہے اور الگ مذہب سے تعلق رکھتا ہے، جموں کا مسلمان الگ نسل اور الگ مذہب سے تعلق رکھتا ہے، ریاسی اور میرپور کا مسلمان بالکل الگ قوم اور نسل کا ہے، مگر ایک حد تک پونچھ کے لوگوں سے اس کا تعلق ہے۔ پونچھ، میرپور اور ریاسی کے مسلمانوں کو ایک گروپ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اِن لوگوں کی رشتہ داریاں راولپنڈی، جہلم اور گجرات کے ساتھ ہیں۔ کشمیر ویلی کے مسلمان بالکل علیحدہ ہیں ان کی زبان اور ہے اور ان کی قوم اور ہے اور ضلع مظفر آباد کے لوگ بالکل الگ قوم کے ہیں وہ ہزارہ کے لوگوں سے رشتہ داری رکھتے ہیں اور سواتی قوم سے ان کے تعلقات ہیں اس لئے وہ پٹھانوں کی طرف زیادہ مائل ہیں بہ نسبت پونچھوں اور کشمیریوں کے۔ بارہ مولا کے اوپر کے علاقے پہاڑی ہیں اور گلگت تک ان علاقوں کی بسنے والی قومیں ایک طرف تو چینی نسل کے اثرات کے نیچے ہیں تو دوسری طرف افغانی نسل کے اثرات کے نیچے ہیں۔ بہرحال یہ قومیں مخلوط ہیں مگر کسی صورت میں بھی ڈوگروں یا کشمیریوں

کے ساتھ ان کا واسطہ نہیں۔ یہ پانچ علاقے ہیں اگر ہندوستان کی حکومت کا فیصلہ کرنے سے پہلے سندھ، پنجاب اور نارتھ ویسٹرن پراونس کی رائے کو ہندوستان کے دوسرے لوگوں کی رائے سے علیحدہ رکھنے کی اہمیت تسلیم کی گئی تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کی رائے بھی علیحدہ علیحدہ نہ لی جائے۔ پس ہمارے نزدیک میرپور، ریاسی اور پونچھ کی رائے شماری الگ ہونی چاہیے اور بالغ افراد کے حق رائے شماری پر اس کی بنیاد ہونی چاہئے۔ اسی طرح ضلع جموں اور ضلع اودھم پور کی رائے شماری الگ ہونی چاہئے۔ ضلع مظفر آباد کی الگ ہونی چاہئے اور کشمیر ویلی کی الگ ہونی چاہئے اور بارہ مولا کی اوپر کی پہاڑیوں کے باشندوں کی جو گلگت اور تبت تک چلے جاتے ہیں الگ رائے شماری ہونی چاہئے۔ اگر کسی مُلک کے تمام باشندوں کی اکٹھی رائے شماری ہی قانون ہے تو ہندوستان میں ہندوؤں کی رائے مسلمانوں سے زیادہ تھی تو پھر پاکستان کے علیحدہ کرنے کا حق کس طرح پیدا ہوا۔ اگر پاکستان کو علیحدہ کرنے کا حق جائز حق تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ جموں اور ریاست کشمیر کے اندر بسنے والے پانچ علاقوں کا الگ الگ حق نہ سمجھا جائے۔ یہ لوگ رائے دینے کے بعد پھر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا وہ اکٹھے رہنا چاہتے ہیں یا الگ حکومتیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ موجودہ حالات کے لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ یقیناً پونچھ، ریاسی اور میرپور پاکستان میں شامل ہو جائیں گے۔ اِسی طرح مظفر آباد بھی پاکستان کے حق میں ووٹ دے گا اور بارہ مولا سے اوپر کے پہاڑی لوگ جن کی سرحد روس اور چین کی سرحد سے ملتی ہے، وہ بھی یقیناً پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے۔ ان علاقوں کا بدھ بھی مسلمانوں کے ساتھ ہے ڈوگروں کے ساتھ نہیں۔ ریاست کی مدد سے وہاں کی تمام تجارت سکھوں کے قبضہ میں ہے اور ان کی لوٹ مار انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ نہایت سُستی قیمتوں پر چیزیں خریدی جاتی ہیں اور بیس گنے زیادہ قیمت پر لا کر کشمیر اور پنجاب میں بیچی جاتی ہیں حالانکہ یہ تجارت وہاں کے باشندوں کا حق ہے جو بدھ اور مسلمان ہیں مگر حکومت کی مشینری ان لوگوں کو آگے نہیں آنے دیتی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں کو جب وہ نسلی اور لسانی طور پر باقی کشمیر کے لوگوں سے الگ ہیں، آزادانہ طور پر رائے دینے کا حق نہ دیا جائے اور اگر ان کے مُلک کی رائے دوسرے صوبوں سے الگ فیصلہ کرے تو ان کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائے۔ پاکستان نے جو حق اپنے لئے مانگا تھا کوئی وجہ نہیں کہ وہی حق

گلگت، مظفر آباد، کشمیر اور پونچھ، میر پور اور ریاسی کو نہ دیا جائے اور ان کے اس حق کی تائید میں پاکستان کی گورنمنٹ اور پاکستان کی رعایا آواز نہ اُٹھائے۔ ہم کشمیر کے متعلق مشکوک ہیں کہ آیا کشمیر ویلی کے لوگ اِس وقت پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے یا نہیں دیں گے کیونکہ کشمیر کے نائب وزیر شیخ عبداللہ نے اپنے چند دنوں کے اقتدار میں بہت سے قومی لیڈروں کو گرفتار کر لیا ہے اور بہت سے قومی لیڈر چھپے پھرتے ہیں جب تک کشمیر ویلی آزادی کے بعد دو تین مہینے غیر جانبدار افسروں کے ماتحت نہ رہے، اس کے باشندوں کی رائے آزادانہ رائے نہیں کہلا سکتی۔ پس انصاف کے مطابق فیصلہ جس کی تائید پاکستان حکومت اور پاکستان کی رعایا کو کرنی چاہیئے یہی ہے کہ:۔

(۱) پہلے تو جموں اور کشمیر سے ہندوستانی فوج کو واپس بلایا جائے۔

(۲) افغان اور دوسرے لوگ جو کشمیر کے باہر کے ہیں ان کو بھی واپس کیا جائے۔ اس کے بعد ایک غیر جانبدارانہ حکومت قائم کی جائے اور یونان کے بادشاہ کی طرح جموں کے راجہ کو مجبور کیا جائے کہ جب تک مُلک کے بالغوں کی رائے شماری کے بعد جموں اور کشمیر سٹیٹ کی آئندہ ساخت کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور وہ فیصلہ اُس کے حق میں نہ ہو، اُس وقت تک مہاراجہ جموں اور کشمیر سے باہر رہیں۔ جموں اور کشمیر سٹیٹ یونان سے زیادہ آزاد نہیں۔ اگر یونان کے بادشاہ پر امریکہ اور انگلستان یہ زور ڈال سکتے تھے کہ تا فیصلہ وہ یونان سے باہر رہے تو کشمیر کے مہاراجہ سے یہ شرط کیوں نہیں کی جاسکتی کہ وہ جموں اور کشمیر کے لوگوں کے فیصلہ تک کشمیر سے باہر رہے اور اُس وقت تک ایک غیر جانبدار حکومت جموں اور کشمیر میں قائم کی جائے۔

(۳) گزشتہ ایک سال کے اندر جتنے سکھ اور ہندو جموں اور کشمیر میں باہر سے آکر بسے ہیں، اُن سب کو وہاں سے رخصت کر دیا جائے۔

(۴) وہ تمام کشمیری، مظفر آبادی، پونچھی اور جموں کے صوبہ کے مسلمان جو پچھلے بارہ مہینے کے عرصہ میں جموں اور کشمیر سٹیٹ سے چلے گئے ہیں اُن کو دوبارہ لاکر آباد کیا جائے۔ اس کے بعد ایک آزاد کمیشن کی نگرانی میں ان پانچوں حلقوں سے جو مذہبی اور نسلی اختلاف رکھتے ہیں الگ الگ رائے شماری کی جائے جو جو علاقہ پاکستان میں ملنے کا فیصلہ دے یا آزاد ہونے کا

فیصلہ دے اُسے پاکستان میں ملنے کی اجازت دی جائے یا آزاد ہونے کی اجازت دی جائے اور جو علاقہ ہندوستان سے ملنے کا فیصلہ کرے اُس کو ہندوستان سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ یہی ایک جائز اور منصفانہ طریق فیصلہ کا ہے چونکہ صحیح آراء شماری اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ نئے آئے ہوئے آدمیوں کو کشمیر سے نکالا نہ جائے اور پُرانے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس لاکر بسایا نہ جائے اس لئے لازماً مردم شماری سے پہلے پانچ چھ مہینے کا وقفہ دینا ضروری ہوگا۔ اور یہ پانچ چھ مہینے کا وقفہ اگر کسی غیر جانبدار حکومت کے ماتحت نہ دیا گیا تو یہ کام کبھی بھی صحیح طور پر تکمیل تک نہ پہنچے گا۔ پس نہ صرف یہ ضروری ہے کہ آراء شماری ایک آزاد کمیشن کے ماتحت ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک غیر جانبدار حکومت فوراً کشمیر میں قائم کر دی جائے جو چھ مہینے کے عرصہ میں تمام نئے آئے ہوئے لوگوں کو کشمیر اور جموں سے نکال دے اور پُرانے باشندوں میں سے بھاگے ہوئے لوگوں کو واپس بُلا کر اپنے اپنے علاقوں میں بسائے تب اور صرف تب آراء شماری مُلک کی حقیقی رائے کا آئینہ ہوگی۔ بلکہ ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری ہونا چاہئے کہ قریب میں جو مردم شماری ہو چکی ہے اُس کے مطابق مسلمانوں اور ہندوؤں کو حق دیا جائے کیونکہ وہ لاکھوں مسلمان جو جموں میں مار دیا گیا ہے، اُنہوں نے مسلمانوں کی مردم شماری کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کو مار کر رائے شماری لینا انصاف کا طریقہ ہوسکتا ہے تو پھر مسلمانوں کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ بھی دو تین مہینہ کے عرصہ میں جموں سے ہندوؤں کا خاتمہ کر لیں تو اُس کے بعد رائے شماری کی جائے۔ مصنوعی حالات کے ماتحت مردم شماری ہرگز جائز اور درست نہیں ہوسکتی۔ پس اگر آٹھ لاکھ مسلمانوں میں سے آج ایک لاکھ رہ گیا ہے تو یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ جموں کے دس لاکھ ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک لاکھ مسلمان ہے بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر گزشتہ مردم شماری میں جموں کے صوبہ میں دس لاکھ ہندو تھا اور آٹھ لاکھ مسلمان تھا تو سات لاکھ مسلمانوں کے مار دینے کی وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اب گیارہ افراد میں سے دس ہندو ہیں۔ بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ قاتلوں کو اُن کے جرم کی سزا ملے نہ کہ مظلوموں کو اُن کی مظلومیت کی۔ یہ کوئی انصاف نہیں کہ پہلے ایک قوم کو قتل کر دیا جائے پھر اُس کو اقلیت والے حقوق دے دیئے جائیں پس چاہئے تو یہ کہ ظالم قوم کو خواہ وہ اکثریت میں

ہے اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے مگر کم سے کم یہ تو ہو کہ جو بھی مسلمان بچے ہیں اُن کو اتنی آراء کا حق دیا جائے جتنی آراء کا حق گزشتہ مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کو حاصل تھا اور مرنے والوں کے ووٹ بھی مسلم اکثریت کے حق میں سمجھے جائیں کیونکہ یہ تو صاف اور سیدھی بات ہے کہ وہی مسلمان قتل کئے گئے ہونگے جو ڈوگروں کے خلاف رائے رکھتے ہوں گے۔ پس ہر مسلمان جو مارا گیا یہ سمجھا جانا چاہئے کہ اُس کی رائے یقیناً ڈوگرہ راج کے خلاف تھی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان جس کی رائے ڈوگرہ راج کے مطابق تھی اُس کو ڈوگروں نے مار دیا ہو۔

(الفضل لاہور ۳۰؍نومبر ۱۹۴۷ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ ھُوَ النَّاصِرُ

پاکستان اور ہندوستان یونین

صلح یا جنگ

ہندوستان کے ٹکڑے ہو کر پاکستان اور ہندوستان یونین کا قیام ایسا اچانک اور اتنی جلدی ہوا ہے کہ حالات کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھنا بہت سے لوگوں کے لئے ناممکن ہو گیا ہے اور اِسی کا یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ لاکھوں لاکھ آدمی دونوں طرف سے مارا گیا ہے۔ اتنی تعداد میں لوگوں کو اپنا وطن چھوڑ کر اتنے قلیل عرصہ میں ہجرت کرنی پڑی کہ اِس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ کروڑ پتی کنگال ہو گئے ہیں اور غریب فقیر اور بِھک منگے۔ عورت کی عزت جو تمام دُنیا میں ایک تسلیم شدہ قیمتی چیز ہے اُسے برباد کرنے کی اتنی وسیع کوشش کی گئی ہیں کہ شاید کئی کئی صدیوں کے واقعات ملا کر بھی اُس کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ دونوں طرف ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کی سچی خواہش ہے کہ کسی طرح محبت اور آشتی کے ساتھ تمام معاملات کو طے کیا جائے لیکن دونوں طرف ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے علاقہ کو فتح کرنے کی خوابیں دیکھ رہے ہیں اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان یونین کی طرف زیادہ ہیں بہ نسبت پاکستان کے۔ اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان یونین رُتبہ کے لحاظ سے اور مال کے لحاظ سے بڑی ہے اور وہاں کا رہنے والا فتح کے خواب بڑی آسانی سے دیکھ سکتا ہے لیکن یہ روح اور ایسے خیالات ہندوستان اور پاکستان دونوں کیلئے مضر ہیں۔ عارضی طور پر دونوں مُلک اگر اپنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کریں اور دفاع کے نقطۂ نگاہ کے ماتحت اپنی فوجوں کی تنظیم کا

خیال کریں تو یہ ایک جائز ہی نہیں ضروری بات ہے۔ بڑے سے بڑا امن پسند پاکستان حکومت کو کہہ سکتا ہے کہ تم اپنے دفاع کا انتظام کرو اور بڑے سے بڑا امن پسند ہندوستان یونین کو بھی کہہ سکتا ہے کہ تم اپنے دفاع کا انتظام کرو۔ نہ صرف اس لئے کہ دوستی اور محبت کا تقاضا یہ نہیں ہوتا کہ کوئی مُلک اپنے آپ کو دفاع کے لئے تیار نہ رکھے بلکہ اِس لئے بھی کہ بعض لوگ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ طاقت اور زور سے ہم دوسرے کے علاقہ کو فتح کریں گے۔ مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو اور بہت سے اور کانگرسی جو نیشنلسٹ خیالات کے ہیں وہ بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ ہم ہندوستان کے اتحاد کے متمنی ہیں اور اِس کے لئے کوشش کریں گے لیکن ہماری یہ کوششیں جنگ اور طاقت کی صورت اختیار نہیں کریں گی بلکہ ہم صلح اور محبت اور آشتی کے ساتھ ایسا کرنے کی کوشش کریں گے اور اس بات کا کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر صلح اور آشتی کے ساتھ یہ دونوں مُلک اکٹھے ہو جائیں یا بہت حد تک اِن میں اتحاد پیدا ہو جائے تو یہ نہایت ہی اعلیٰ اور نہایت مبارک بات ہوگی۔ مُلک کی تقسیم تو محض اس خیال سے تھی کہ موجودہ حالت میں مسلم اقلیت کو ہندو اکثریت سے اُس کے جائز حقوق نہیں مل سکتے۔ اگر کسی وقت آئندہ جا کر یہ تسلی ہو جائے کہ اب یہ خرابی پیدا نہیں ہوگی تو کم سے کم میری خواہش تو یہی ہوگی کہ یہ اختلاف دور ہو جائے اور کسی نہ کسی اچھی بنیاد پر یا تو دونوں مُلک اکٹھے ہو جائیں یا اپنی یونین بنا لیں۔ میں تو ہمیشہ سے اس بات کا قائل رہا ہوں کہ برطانوی کامن ویلتھ کے اصول پر اور آزاد حکومتیں بھی اِس گروہ میں شامل ہوتی چلی جائیں اور ساری دنیا اتفاق کی ایک لڑی میں پروئی جائے۔ برطانوی کامن ویلتھ کے اصول پر کسی حکومت کی آزادی میں کسی قسم کا بھی فرق نہیں پڑتا لیکن اتحاد اور یکجہتی کی ایک صورت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ میں تو کبھی بھی یہ سمجھ نہیں سکا کہ کوئی مُلک جو اپنے لئے آزادی چاہتا ہو وہ کیوں برطانوی کامن ویلتھ میں شامل نہ ہو اور ڈرے کہ اِس طرح اُس کی آزادی میں کسی قسم کا فرق آ جائے گا۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ اور روس، آسٹریلیا اور کینیڈا سے ہرگز زیادہ آزاد نہیں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آسٹریلیا اور کینیڈا نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے مُلک کے اہم مسائل کے متعلق جو بین الاقوامی سیاسی یا اقتصادی تعلقات یا دفاعِ مُلک کے معاملات کے ساتھ تعلق رکھتے ہونگے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے آپس میں اور دوسری

ڈومینینز سے باہمی مشورہ کرلیا کریں گے گویا اُنہوں نے صرف دو گہرے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کو راز دار بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ نہیں کیا کہ اُن میں سے ایک دوسرے کا افسر ہوگا۔ پس اُنہوں نے اپنی آزادی فروخت نہیں کی، دوستی مول لی ہے اور دوستی کا مول لینا قطعاً آزادی کا فروخت کرنا نہیں کہلا سکتا۔ جب یہ میرا خیال دنیا کی آزاد کہلانے والی حکومتوں کے متعلق بھی رہا ہے تو میں اس نظریہ پر کس طرح تسلی پا سکتا ہوں کہ جو مُلک پہلے متحد تھے اُن کو پھاڑ پھاڑ کر اور تقسیم کر دیا جائے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ کبھی ایک مُلک یا قوم یا مذہب کے باشندوں کی عزت اور آبرو اور مالی حالت بعض دوسروں قوموں یا مُلکوں کے ہاتھ میں اِس بُری طرح آ جاتی ہے کہ وہ پھنسی ہوئی قوم آزادی کا سانس لینے کے قابل ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک کہ اُسے دوسرے کے قبضہ سے نکال کر باہر نہ کیا جائے۔ اور میرے نزدیک یہی حالت مسلمانوں کی اس وقت ہندوستان کی تھی لیکن اس حالت کے بدل جانے پر اور مسلمانوں کا ایک علیحدہ وجود بن جانے پر اگر کوئی ایسی صورت نکل سکے کہ پاکستان اور ہندوستان اپنی آزادیوں کو قائم رکھتے ہوئے پھر متحد ہو جائیں تو اس سے زیادہ اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ ایسا متحدہ ہندوستان یقیناً ایشیاء میں ایک بہت بڑا درجہ حاصل کرسکتا ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو جو کچھ چاہیئے وہ یہ ہے کہ بوجہ اِس کے وہ ہندوستان میں دس کروڑ کے قریب ہیں۔ ایک ایسا مُلک اُن کو مل جائے جس میں وہ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کو آزادانہ طور پر ترقی دے سکیں اور اپنی گری ہوئی اقتصادی حالت کو سُدھار سکیں۔ اگر ایسا ہو جائے اور جب ایسا ہو جائے تو پھر وہ اپنے مُلک اور ہمسایہ مُلک کی عزت اور رُتبہ کی ترقی کیلئے اگر اُس مُلک سے کوئی سمجھوتہ کریں اور کسی ایسی صورت کا اُس کے ساتھ تصفیہ کرلیں جس سے وہ دونوں مُلک ایک قسم کی یونین کی صورت اختیار کرلیں بغیر اِس کے کہ ان دونوں مُلکوں میں سے کسی ایک کی آزادی میں بھی کوئی فرق آتا ہو اور پاکستان اس قابل رہے کہ وہ اسلامی سیاسیات میں آزادی سے حصہ لے سکے اور مسلمان ممالک کی تائید ہر میدان میں کر سکے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسے اتحاد کا نتیجہ نہ صرف یہ کہ دونوں مُلکوں کی عزت اور نفوذ کے بڑھنے کی صورت میں پیدا ہوگا بلکہ وہ ساڑھے چار کروڑ مسلمان جو ہندوستان میں رہتے ہیں اُن کی جانیں بھی زیادہ محفوظ ہونگی اور وہ عزت کے ساتھ

ہندوستان میں رہ سکیں گے اور وہ کروڑ، ڈیڑھ کروڑ ہندو جو پاکستان میں رہتا ہے وہ بھی عزت اور آبرو کے ساتھ اِس مُلک میں رہ سکے گا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ فائدہ ہوگا کہ ایشیاء کی غلامی کی زنجیریں جو ایک سَو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے ایشیائیوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں پڑ چکی ہیں وہ اِس اتحاد کی وجہ سے جلد سے جلد ٹوٹنا شروع ہو جائیں گی اور پھر یہ مزید فائدہ ہوگا کہ ہندوستان جو آئندہ آنے والی جنگ میں یقیناً سخت خطرہ میں پڑنے والا ہے وہ اِس جنگ میں کامیاب مقابلہ کر سکے گا ورنہ اِس وقت تو یہ حالت ہے کہ فوجی طاقت نسبتی طور پر پاکستان کے ہاتھ میں زیادہ ہے اور پاکستان ہی ان سرحدوں پر واقعہ ہے جس طرف سے خطرہ کا امکان ہوسکتا ہے بلکہ جو خطرہ پیش آنے والا ہے اُس کا مقابلہ کرنے کیلئے جتنی رقم کی ضرورت ہے وہ پاکستان کے پاس نہیں ہے نہ قریب کے عرصہ میں ہوسکتی ہے۔ اگر ایسی کوئی جنگ ہوئی تو اُس کے لئے شاید چالیس لاکھ سے بھی زیادہ سپاہی کی ضرورت ہوگی۔ چالیس لاکھ سپاہی کے لڑوانے کیلئے کم سے کم چوبیس ارب سالانہ خرچ ہوگا۔ یہ چوبیس ارب سالانہ پاکستان اپنی تمام قربانی کے باوجود بھی مہیا نہیں کرسکتا لیکن دوسری طرف ہندوستان بھی چالیس لاکھ اچھا سپاہی مہیا نہیں کرسکتا۔ دوسرے سرحد پر پاکستان کا مُلک واقعہ ہونے کی وجہ سے وہ پاکستان سے معاہدہ کئے بغیر سرحدوں کی حفاظت میں حصہ بھی نہیں لے سکتا لیکن پاکستان کی امداد سے ایک ایسی جنگ کے لئے جو قومی جنگ ہوگی وہ چوبیس ارب روپیہ مہیا کرسکتا ہے۔ پس ہندوستان یعنی وہ مُلک جس کو پھاڑ کر پاکستان اور ہندوستان یونین بنایا گیا ہے، اُس کی حفاظت اور آئندہ ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے کہ پاکستان اور ہندوستان یونین کے درمیان باعزت سمجھوتہ ہو۔ غیر مُلکی لوگوں کی ریشہ دوانیاں ابھی سے ہندوستان اور پاکستان میں شروع ہیں وہ سطح کے نیچے دبی ہوئی ہیں لیکن ان کے سطح کے نیچے دبے ہونے کی وجہ سے اُن کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اندر ہی اندر آگ سُلگ رہی ہے دونوں مُلکوں کو ہوشیار ہو جانا چاہئے اور ایک دوسرے سے بے اعتنائی اور بے رُخی برتتے ہوئے اپنے مُلک کی تباہی کے سامان نہیں پیدا کرنے چاہئیں۔ جہاں تک اندرونی حفاظت کا سوال ہے پاکستان کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی تمام سرحدوں کی حفاظت کرے۔ ان سرحدوں کی بھی جو ہندوستان یونین کی طرف ہیں اور ان سرحدوں کی بھی جو

دوسری طرف ہیں یہ ایک قومی حق ہے جس پر ہندوستان یونین کو بُرا منانے کی کوئی وجہ نہیں اور اس حق کا استعمال دوستی کے خلاف ہرگز نہیں۔ انگلستان اور یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ دونوں دوست ہیں لیکن دونوں اپنی سرحدوں کی بھی حفاظت کر رہے ہیں اور فوجیں اور جنگی سامان بھی پوری طرح تیار کررہے ہیں۔ یہی حال عراق، شام، فلسطین اور مصر کا ہے۔ پس ہر مُلک کا اپنے دفاع کے لئے کوشش کرنا ایک طبعی حق ہوتا ہے اس پر بُرا منانا حماقت اور بے وقوفی ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان اپنی سرحدوں کی حفاظت کرے جن میں اس کی مغربی سرحد بھی شامل ہے جو پاکستان سے ملتی ہے تو یہ بھی اس کا طبعی حق ہوگا اور پاکستان کو اس کے خلاف کوئی شکایت پیدا نہیں ہونی چاہئے، اسی طرح جس طرح ہندوستان کو پاکستان کے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہونی چاہئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ حکومت کی عنان صلح کن لوگوں کے قبضہ میں رہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس طرح پچھلے دنوں میں ہندوستان یونین جتھوں کو فسادیوں اور لُوٹ مار سے روک نہیں سکتی تھی اسی طرح آئندہ کوئی تحریک ایسی پیدا ہو جائے جس میں کچھ طاقتیں ہندوستان سے آزاد ہوکر پاکستان پر حملہ کر دیں۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ پاکستان میں کوئی ایسا گروہ پیدا ہو جائے کہ وہ ہندوستان یونین پر حملہ کر دے۔ پس اس احتمال کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر دونوں حکومتیں اپنی اپنی سرحدوں کو مضبوط کریں تو یہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری احتیاط ہوگی اور اس پر ہرگز دونوں میں سے کسی فریق کو بھی ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہی دونوں حکومتوں کو اس بارہ میں زیادہ سے زیادہ تعاون اور اتحاد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کی سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی جدوجہد ایک دوسرے کی تائید کیلئے ہو اور ایک دوسرے کی مدد کے ساتھ وہ ہندوستان اور ایشیا کے امن کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس کا سب سے زیادہ فائدہ یقیناً مسلمانوں اور ہندوؤں ہی کو پہنچے گا اس لئے کہ مسلمان مختلف ممالک کی آبادی کو ملا کر ایک بہت بڑی حیثیت ایشیا میں رکھتے ہیں اور ہندو ہندوستان کی آبادی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بہت بڑی تعداد پر مشتمل ہیں اور تیسرے نمبر پر چینیوں کو بھی فائدہ پہنچے گا کیونکہ وہ بھی بڑی بھاری تعداد میں ہیں۔ ایشیا ایک لمبے عرصہ تک غلام رہ چکا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس کی آزادی کیلئے کوشش کی جائے اور پاکستان اور ہندوستان کی آزادی کا اس کام

کی تکمیل کیلئے ایک خدائی سامان ہے اس سامان کو بیوقوفی کے ساتھ ضائع نہیں کر دینا چاہئے۔

ہندوستان اور پاکستان کے اتحاد کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ دونوں طاقتوں میں سے کوئی بھی اپنی آزادی کو کھو دے۔ ان آزادیوں کو قائم رکھتے ہوئے بھی یہ دونوں مُلک ایک ہو سکتے ہیں اس سے بھی زیادہ ایک جتنا کہ وہ ایک ہندوستان کے وقت میں تھے اور پھر یہی قدم مزید اتحاد کے لئے رستہ کھول سکتا ہے۔ ہمیں جذبات کی رَو میں نہیں بہنا چاہئے ہمیں موجودہ صورت حالات کو تسلیم کرتے ہوئے اختلاف کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ جو اتحاد ہو وہ میری ہی پیش کردہ صورت کے مطابق ہو وہ بے وقوفی کرتا ہے اور وہ کامیاب نہیں ہوسکتا سوائے تشدد اور خونریزی کے۔ لیکن جو شخص واقعات کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اپنے لئے ان واقعات کی روشنی میں ایک نیا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے وہ شخص اپنے نفس کی عزت نہیں چاہتا بلکہ وہ صرف یہی چاہتا ہے کہ اس کا مُلک جس طرح بھی ہو اتحاد کی راہ پر چل پڑے۔ ایسے شخص کا نظریہ چونکہ خودغرضی کے ماتحت نہیں ہوتا بلکہ قومی خدمت کے اثر کے نیچے ہوتا ہے اس نظریہ کی کامیابی کے بیسیوں سامان پیدا ہو سکتے ہیں اور اس نظریہ پر عمل کر کے کامیابی زیادہ سہولت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ پس میں پاکستان اور ہندوستان کے سربرآوردہ لوگوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان زخموں کو مندمل کرنے کی کوشش کریں جو پیدا ہو چکے ہیں اور ان دونوں مُلکوں کو نئی پیدا شدہ صورتِ حالات کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ متحد کرنے کی کوشش کریں۔ اور ان خیالات کو مُلک میں پنپنے نہ دیں کہ جلد سے جلد نئے کسٹمز لگائے جائیں اور پروانہ راہ داری جاری کیا جائے اور ایک دوسرے کی زبان کو کچلا جائے۔ جن چیزوں کے جاری کرنے سے کوئی خاص فائدہ مُلک کی آزادی کو نہیں پہنچتا ان کے جاری کرنے میں آخر کیا لُطف ہے۔ مسدود شدہ اتحاد کے راستوں کو کھولنا ہمارا فرض ہے ان کے بند کرنے سے ہم اپنے راستے میں کانٹے بوئیں گے۔

(الفضل لاہور ۴؍ دسمبر ۱۹۴۷ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خطرہ کی سُرخ جھنڈی

ہم نے پہلے بھی بعض ایسے مواقع پر حکومت اور پبلک کو توجہ دلائی ہے جب کہ پاکستان کیلئے خطرہ کی صورتیں پیدا ہو رہی تھیں اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ پھر خطرہ کے بادل اُمڈ رہے ہیں اور ذہنوں میں تشویش پیدا ہو رہی ہے۔ گاندھی جی نے ہندو مسلمانوں کی صلح کے لئے برت رکھا، کہنے والوں نے کہا کہ اس روزے کے وقت منہ ہندو مسلم جھگڑے کی طرف تھا اور نظریں کشمیر کے مسئلہ پر گڑی ہوئی تھیں جو کچھ کہنے والے نے کہا اُس کے آثار بھی ظاہر ہو گئے۔ یو۔این۔او میں پاکستان کا پلڑا جھکتے جھکتے پھر اونچا اُٹھنے لگا اور گاندھی جی کا روزہ ہندوستان کا پلڑا جھکانے میں کامیاب ہو گیا۔ گویا ایک پتھر سے گاندھی جی نے دو شکار کر لئے۔ ان کے منہ کی بات بھی پوری ہو گئی اور ان کے دماغ کی بات بھی پوری ہو گئی۔ گاندھی جی پر کوئی اعتراض نہیں وہ جس چیز کو اچھا سمجھیں اس کے کرنے کا اُن کو پورا حق حاصل ہے۔ وہ جس تدبیر کو جائز سمجھیں اُس کے اختیار کرنے سے اُنہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ اپنی عقل سے کام لینے کے عادی ہیں اور سوچنے کی اُن کو عادت ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی عقل سے کام نہیں لیتا اور سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا تو اس کا الزام اُس پر ہے نہ گاندھی جی پر۔ بے عقل انسان، عقلمند انسان پر الزام نہیں لگا سکتا کہ تم نے اپنی عقل کے ذریعہ مجھ سے بازی جیت لی ہے۔ دنیا میں مساوات کی تائید میں کتنی ہی چیخ و پکار کی جائے اور امتیازات کے مٹانے کا کتنا بھی دعویٰ کیا جائے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ خدا تعالیٰ نے جو فرق پیدا کئے ہیں وہ قائم رہیں گے اور ضرور رہیں گے۔ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو دماغ دیا ہے کسی شخص کا دماغ زیادہ اچھا ہے کسی شخص کا دماغ کم اچھا ہے مگر ہر شخص کو دماغ ملا ہوا ہے۔ جو اپنے دماغ کو استعمال کرتا ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ روشنی حاصل کر لیتا ہے پیچھے رہ جائے تو رہ جائے مگر بالکل مات نہیں کھا جاتا۔ گاندھی جی پر اعتراض کرنے والے

اتنا تو سوچیں کہ وہ اپنے دماغ کو کیوں استعمال نہیں کرتے۔ اب گاندھی جی کے روزہ کے نتیجہ میں چاروں طرف لوگ دوڑے پھر رہے ہیں کہ ہندو مسلمان کی صلح ہو جائے۔ ہندو مسلمان کی صلح سے زیادہ اچھی چیز اور کونسی ہے۔ ہندو اور مسلمان کی صلح کے بغیر ہمارا مُلک جسے ہندوستان کہا جاتا تھا اور تقسیم کے باوجود اب بھی ہم اپنے ذہنوں سے اس مُلک کے خیال کو بھلا نہیں سکتے کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ہم نے آزادی اس لئے حاصل کی تھی کہ ہم ترقی کریں گے جب تک ہندوستانی ذہنیت پیدا نہ ہوتی دو قوموں کے نظریہ کے باوجود بھی ہم اتفاق اور اتحاد سے آگے قدم بڑھا سکتے تھے۔ انگلستان اور امریکہ دو قومیں ہیں مگر پھر وہ ایک ہو کر کام کر رہی ہیں۔ آسٹریلیا اور کینیڈا بھی دو قومیں ہیں مگر وہ متفق ہو کر کام کر رہی ہیں۔ ساؤتھ افریقہ اور انگلستان بھی دو قومیں ہیں اور قومیں بھی وہ جو ایک دوسرے کے خون میں نہا چکی ہیں مگر پھر بھی وہ متحد ہو کر کام کر رہی ہیں۔ مسلمان اور ہندو دو قومیں ہی سہی اگر دو قوموں کا نظریہ اُنہیں الگ الگ حکومتیں بنانے پر مجبور کر رہا تھا تو ایک وطن کا نظریہ انہیں متحد ہو کر کام کرنے کی توفیق بھی دے سکتا تھا اور وہ ترقی کی طرف قدم بڑھا سکتے تھے۔ اگر ہم سے کوئی پوچھتا تو ہم تو یہی کہتے کہ ہندوستان کو کامن ویلتھ کی حیثیت میں قائم کیا جائے۔ برٹش کامن ویلتھ کے ممالک نے باوجود ایک دوسرے سے آزاد ہونے کے کیسی طاقت حاصل کی۔ وہ ایک دوسرے کی کمزوری کا موجب نہیں بلکہ ایک دوسرے کی طاقت کا موجب ہوئے ہیں۔ اگر ہندوستان میں بھی ایک کامن ویلتھ بن جاتی کوئی لکھا ہوا وفاق نہیں بلکہ ایک سنجیدہ تعاون کی روح کے ساتھ یکجہتی کے ساتھ کام کرنے کا دلی اقرار ہندوستان کی قوموں کے اندر پیدا کیا جاتا اور اسے ایک نام دے دیا جاتا تو صرف وہ نام ہی بہت سے اختلافات کے مٹانے کا موجب ہو جاتا۔ صرف وہ تعاون کا اقرار ہی مل کر کام کرنے کا راستہ کھول دیتا۔ برطانوی کامن ویلتھ کے مُلکوں کو آخر کس چیز نے اکٹھا کیا ہوا ہے؟ کوئی تحریری معاہدہ نہیں جو ان کو ملائے ہوئے ہے۔ بس ایک ارادہ ہے جب چاہیں وہ جدا ہونے کا ارادہ کر لیں مگر اس ارادے ہی نے ایک ایسی طاقت ان کو بخش دی ہے کہ باوجود جدا ہونے کے وہ ایک ہیں۔ مگر وہ وقت تو گزر گیا اب بھی ہم تعاون کے ساتھ بہت کچھ کام کر سکتے ہیں لیکن جبر اور اِکراہ کے ساتھ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے اور غلط تدبیریں ہمیں

یقیناً ایسی طرف لے جائیں گی جہاں سے لوٹنا ہمارے لئے مشکل ہو جائے گا۔ مشرقی اور مغربی پنجاب کی جبری مہاجرت ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس کو سینکڑوں سال کی تاریخ کے اوراق بھی چھپا نہیں سکیں گے۔ سینکڑوں سیاست دانوں کی تقریریں اِس پر پردہ نہ ڈال سکیں گی۔ اس پر پردہ صرف اسی طرح ڈالا جا سکتا ہے کہ اس ظلم کا ازالہ کیا جائے اور جو لوگ جہاں سے آئے ہیں پھر اُنہیں وہیں بسایا جائے مگر غلط تدبیروں سے نہ یہ کام ہو سکتا ہے اور نہ دونوں قوموں کے زخم مُندمل ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں گاندھی جی اس مرض کے علاج کے لئے لاہور آئیں گے اور سب سے پہلے ماڈل ٹاؤن میں ہندوؤں اور سکھوں کو بسانے کی کوشش کریں گے اور یہ اُن کا حق ہے کیونکہ دلّی کے مسلمانوں کو محفوظ کرنے کیلئے اُنہوں نے روزہ رکھا۔ بات بظاہر نہایت خوبصورت ہے لیکن ادنیٰ سا تدبر بھی ہمیں اس کے ایک نقص کی طرف توجہ دلا سکتا ہے اور وہ یہ کہ جس آبادی کے تبادلہ کا فیصلہ باہم ہوا تھا وہ مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان تھا۔ دلی اس فیصلہ سے باہر تھی ہمارے نزدیک تو یہ فیصلہ بھی غلط تھا اس فیصلہ نے لاکھوں مسلمانوں کے قدم مشرقی پنجاب سے دُور اُکھاڑ دیئے اُن کو سوچنے کا کوئی موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اُنہیں کہا گیا کہ تمہاری حکومت تم کو اپنے مُلک میں بلا رہی ہے اور اس سے مراد مشرقی پنجاب کے افراد پاکستان لیتے تھے حالانکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی حکومت ہندوستان یونین تھی پاکستان نہیں۔ جس طرح پاکستان یونین کے ہندوؤں اور سکھوں کی حکومت پاکستان گورنمنٹ تھی نہ کہ ہندوستان یونین۔ بہرحال غلط معاہدہ تھا یا صحیح اس کے نتائج اچھے نکلے یا بُرے۔ معاہدہ بہرحال یہی تھا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمان اگر آنا چاہیں تو مغربی پنجاب اُن کو جگہ دے گا اور مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ اگر جانا چاہیں تو مشرقی پنجاب اُن کو جگہ دے گا۔ سیاسی ہتھکنڈوں سے ''اگر چاہیں'' کے الفاظ کے معنی وہ ''ضرور ایسا کریں'' کے بنا لئے گئے اور لاکھوں لاکھ آدمیوں کو اِدھر سے اُدھر پھینک دیا گیا۔ اب یہ تدبیر کی جا رہی ہے کہ دلی میں مسلمانوں کو امن دیا جائے گا۔ اس کے بدلہ میں لاہور میں اور ماڈل ٹاؤن میں ہندوؤں اور سکھوں کو بسایا جائے۔ دِلّی کے مسلمانوں کو نکالنا معاہدہ کے خلاف تھا۔ دِلّی کے مسلمانوں کا نکلنا بھی معاہدہ کے خلاف تھا، دِلّی کے مسلمانوں کے بدلہ میں لاہور یا ماڈل ٹاؤن کی آبادی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ دِلّی کے مسلمانوں کو کس بناء پر نکالا گیا تھا؟ تقسیم تو پنجاب ہوا تھا دِلّی کا صوبہ تو تقسیم نہیں ہوا تھا۔ تقسیمِ پنجاب کا اثر دِلّی کی آبادی پر جا کر کیوں پڑا؟ کیا دِلّی کے صوبہ کا کوئی ٹکڑا بھی پاکستان کو ملا ہے جس کی آبادی کے تبادلہ کا سوال پیدا ہو۔ صرف اور صرف پنجاب اور بنگال کی آبادی کے تبادلہ کا سوال پیدا ہوسکتا ہے گو جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہ بھی غلط ہوگا اور انصاف کے خلاف ہوگا لیکن سَو میں سے اگر ایک وجہ جواز بھی پیدا ہوسکتی ہے تو صرف اس بات کی دِلّی کے لوگوں کے اِدھر اُدھر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ دِلّی کی آبادی کا تعلق لاہور کی آبادی کے ساتھ ہرگز کوئی نہیں۔ لاہور کی آبادی کا تعلق امرتسر کی آبادی سے ہے۔ اگر لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کے بسانے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو ساتھ ہی امرتسر میں مسلمانوں کے بسانے کا سوال اُٹھایا جانا چاہئے۔ اس سے پہلے بھی پاکستانی افسر تساہل سے کام لے کر کام خراب کرتے رہے ہیں اور اب پھر آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ گاندھی جی کے روزہ سے ڈر کر ایسی ہی حماقت ہمارے بعض افسر پھر کریں گے۔ ہم یہ تو کہنے کے لئے تیار ہیں کہ ہندوستان یونین مسلمانوں کو بسائے یا نہ بسائے پاکستانی حکومت اسلامی اخلاق سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں اور سکھوں کو لاکر دوبارہ اپنی جگہ پر بسا دے یہ خیال نہ کرے کہ اتنے آدمی کہاں بسیں گے۔ بہرحال جن لوگوں نے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر ظلم کیا وہ مغربی پنجاب کے ہندو اور سکھ نہیں تھے۔ اُن کو کسی صورت میں بھی مشرقی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کی وجہ سے تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے لیکن ہم اخلاق اور مذہبی بناء پر اس کی تائید میں ہیں۔ ہم یہ ہرگز جائز نہیں سمجھ سکتے کہ ہماری مذہبی فوقیت کو اس سیاسی شکست کی شکل میں بدل دیا جائے۔ اگر مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو بغیر کسی بدلہ کے خیال کے مغربی پنجاب میں بسایا جائے تو یہ ہماری فتح ہوگی، اسلام کی فتح ہوگی، اخلاق کی فتح ہوگی، روحانیت کی فتح ہوگی لیکن اگر دِلّی کے مسلمانوں کے بسائے جانے کی وجہ سے لاہور کی آبادی کی گئی تو یہ ہماری شکست ہوگی مذہباً بھی اخلاقاً بھی اور سیاستاً بھی۔ لاہور پاکستان کی سرحدوں کا ایک شہر ہے ایک سیاسی تدبیر کے ماتحت یہ مان لینا کہ تین سَو میل پر واقعہ دِلّی میں مسلمان آبادی کا بسا دینا جن کا نکالنا کسی معاہدہ کی رُو سے جائز نہیں تھا، لاہور میں ہندوؤں اور سکھوں کے بسا دینے کا بدل ہوسکتا ہے، بدترین حماقت کی مثال

ہوگی۔اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان اپنی سرحد پر مشرقی پنجاب کے ایجنٹوں کو بسا دے گا اور مسلمان بہرحال پاکستان کی سرحد سے اڑھائی سَو میل کے فاصلہ پر رہے گا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک طرف ہندوؤں سکھوں کو بسانا اور دوسری طرف اُن پر بدظنی کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہندوستان یونین کے مسلمانوں پر اُس وقت تک اعتبار نہ کرنا جب تک وہ لیگ کی دوقوموں کی پالیسی کو بُرا بھلا نہ کہیں اور اگر وہاں کے مسلمانوں کی تلاشیاں لینا اور اُن کو خود مسٹر گاندھی تک کا کہنا کہ ایسے مسلمانوں کی اقلیت اپنے سے نو گنے تعداد والی اکثریت کا ڈر نکالنے اور ان سورماؤں کو اطمینان دلانے کے لئے چھوٹا چاقو بھی اپنے پاس نہ رکھے، بدظنی نہیں تو ایسی تدبیر کے خلاف کہ دِلّی جو معاہدہ انخلاء میں شامل نہ تھا اس کی آبادی کی بناء پر لاہور اور ماڈل ٹاؤن کی آبادی کا سوال اُٹھانا اور امرتسر اور گورداسپور کو بھول جانا ہمارے کان کھڑے ہو جانے پر بدظنی نہیں عقلمندی ہے۔آخر کیوں امرتسر اور گورداسپور کے اضلاع نہ آباد کئے جائیں اور لاہور کو آباد کیا جائے۔ اگر پاکستان کی سرحد کو ہندوؤں اور سکھوں سے آباد کرنا ہے تو لازماً ہندوستان کی سرحد کو بھی مسلمانوں سے آباد کرنا ہوگا اور اگر کسی تدبیر سے اس سوال کو پیچھے ڈالا گیا تو عقل مطالبہ کرے گی کہ ہوشیار باش ونگہ دار۔

غرض اگر اسلامی اخلاق سے کام لے کر ہندوؤں اور سکھوں کو سارے ملک میں بسایا جائے تو یہ اور بات ہے لیکن باہمی سودے کے ساتھ اور اصول تعاون کی شکل دے کر ایک فریق کو لاہور میں اور دوسرے فریق کو دِلّی میں بسایا جائے تو یہ ہرگز سودا نہیں۔اوّل تو دِلّی کا مسلمان اس سودے میں شامل ہی نہیں، جو بدل نہیں اُس کو قیمت کے طور پر پیش کرنے کا سوال ہی نہیں دوسرے لاہور پاکستان کی سرحد پر واقعہ ہے اور دِلّی پاکستان کی سرحد سے دوسَو میل پرے ہے۔ دونوں کو آباد کرنے میں دور کی بھی مشابہت نہیں۔ پھر بعض لوگ یہ سوال کر دیں گے کہ لکھنؤ کے مسلمانوں کو کچھ لوگ اُجاڑنے لگے تھے ہندوستان یونین کے بعض بااخلاق لوگ لکھنؤ کے لوگوں کو اُجڑنے سے روکنے لگے اس کے بدلہ میں سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں سکھوں اور ہندوؤں کو بسا دیا جائے۔ پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ الٰہ آباد کے مسلمانوں کو کچھ فسادی اُجاڑنے لگے تھے ہندوستان یونین کے بعض بااخلاق لوگ اُن کو بسانے کے لئے تیار ہوگئے۔

اس کے بدلہ میں ہندوؤں اور سکھوں کو شیخو پورہ اور منٹگمری میں آباد کر دیا جائے۔ہم اگر اس داؤ میں آ گئے تو اپنی اخلاقی فتح اور مذہبی فتح کو بھی ضائع کر دیں گے اور سیاستاً بھی دنیا کی نظروں میں احمق اور بیوقوف قرار پائیں گے۔

کراچی اور صوبہ سرحد کی آبادی کے متعلق پاکستان کو ہرگز کوئی مطالبہ نہیں کرنا چاہئے یہ مُلک تقسیم نہیں ہوئے پاکستان کو صاف کہہ دینا چاہئے کہ ان ملکوں کا ہر ہندو اور ہر سکھ ہر وقت اگر آباد ہوسکتا ہے اور اس کی جائداد دلانے کا وہ ذمہ دار ہے اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کے متعلق پاکستان کی حکومت کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ ان ملکوں میں بھی اگر کوئی شخص آ کر آباد ہوتا ہے تو ہم اُس کو آباد کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن اس کی دو صورتیں ہونگی اگر صرف ہم آباد کریں اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کو آباد نہ کیا جائے تو ہم پہلے راولپنڈی ڈویژن کو آباد کریں گے اور اس کے بعد مشرق کی طرف بڑھنے شروع کریں گے۔اس کے برخلاف اگر سمجھوتہ کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان اس جبری ہجرت کے نقصانوں کو دور کرانا چاہیں تو انبالہ ڈویژن کی آبادی کے مقابلہ میں راولپنڈی ڈویژن کی آبادی ہوگی اور جالندھر ڈویژن کی آبادی کے مقابلہ میں لاہور ڈویژن کی آبادی ہوگی۔ لاہور، منٹگمری اور سیالکوٹ کی آبادی، فیروز پور، امرتسر اور گورداسپور کی آبادی کے مقابلہ میں ہوگی یہی ایک طریق فیصلہ ہے جس سے سیاستاً پاکستان نقصان سے بچ سکتا ہے۔ہم مذہبی احکام کے پورا کرنے کیلئے ہر سیاسی خطرہ کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن ہمارا مذہب یہ نہیں کہتا کہ سودا کر کے لوگوں کو لاؤ۔ ہمارا مذہب تو یہ کہتا ہے کہ مُلک سے کسی کو نکالو نہیں اگر اس تدبیر سے ہم کو کوئی نقصان پہنچے تو کم سے کم اسلام کی فوقیت اور برتری تو ثابت ہوگی آنے والے کے دل میں اگر ذرا بھی شرم وحیا ہوگی تو وہ یہ خیال کرے کہ پاکستان مجھے بغیر کسی مبادلہ کے آباد کر رہا ہے میری قوم کے لوگوں نے مسلمانوں کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں کیا مگر پاکستان مجھے اور میرے ہم مذہبوں کو آباد کر رہا ہے، دشمنی کے خیالات چھوڑ کر دوستی کے جذبات محسوس کرنے لگے گا اور جو بدنیت پھر بھی اصلاح نہ کرے گا اُس کے شر سے ہم کو وہ خدا بچائے گا جس کے حکم کی خاطر ہم خطرہ برداشت کریں گے لیکن اگر ایسا ہم نے نہیں کرنا تو پھر سمجھوتہ عقل کے مطابق ہونا چاہئے۔ دِلّی اور لاہور کی آپس میں کوئی

مشابہت نہیں۔ کراچی اور دِلّی کی آپس میں مشابہت ہے جس طرح باہمی سمجھوتہ میں دِلّی سے مسلمانوں کے نکلنے کا کوئی سوال نہیں تھا اِسی طرح کراچی سے ہندوؤں کے نکلنے کا بھی کوئی سوال نہیں تھا۔ دِلّی سے مسلمانوں کو نکالنے کے متعلق خواہ کتنا ہی مخفی دباؤ ہندوؤں نے استعمال کیا ہو وہ ناجائز اور ظالمانہ تھا اور کراچی سے ہندوؤں اور سکھوں کے نکالنے کے متعلق خواہ کتنا ہی مخفی دباؤ مسلمانوں نے استعمال کیا ہو وہ ناجائز اور ظالمانہ تھا۔ دِلّی میں جو سہولت ہندوستان یونین مسلمانوں کو دے کراچی میں وہ سہولت پاکستان کو ہندوؤں کو دینی چاہئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سہولتیں دینی چاہئیں کیونکہ مسلمان کے اخلاق دوسروں سے بڑھ کر ہونے چاہئیں لیکن دِلّی اور مغربی پنجاب کے سرحدی علاقوں کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں۔ ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا اور نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوا تو پاکستان کا دفاع کمزور ہو جائے گا وہ کھڑا ہونے سے پہلے گر جائے گا اور دنیا اُس سے ہمدردی نہیں کرے گی بلکہ اُس پر ہنسے گی اور اُسے کہے گی کہ اپنی حماقت کا خمیازہ آپ ہی بھگت۔

(الفضل ۲۸ ؍جنوری ۱۹۴۸ء)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ۔ هُوَ النَّاصِرُ

قادیان، ننکانہ اور کشمیر

میں کچھ دنوں کے لئے سندھ گیا ہوا تھا اس دورہ میں ایک ہفتہ کے قریب میں کراچی بھی ٹھہرا۔ ۱۹؍تاریخ کو کراچی سے روانہ ہو کر ۲۰؍کی شام کو میں لاہور پہنچا۔ ۲۱؍تاریخ کے بعض اخبارات میں مَیں نے یہ مضمون پڑھا کہ جماعت احمدیہ قادیان اور ننکانہ کے تبادلہ کی کوشش کر رہی ہے اور یہ کہ اسی سلسلہ میں مَیں کراچی گیا تھا ایک اخبار نے اس طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ گویا سر ظفر اللہ خان نے مسٹر آئنگر [۳۷] کو یہ پیشکش کی ہے کہ وہ قادیان احمدیوں کو واپس دے دیں تو کشمیر کے معاملہ میں وہ ان سے سمجھوتہ کر لیں گے۔ یہ باتیں اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ عام حالات میں مجھے اس کے متعلق کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ یہ ایام مسلمانوں کے لئے نہایت نازک ہیں اور دشمن چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا کر کے ان کی طاقت کو توڑا جائے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہر قسم کی بدظنی اور شبہات کو دور کرنے کیلئے میں حقیقت حال ظاہر کر دوں۔

یہ بحث درحقیقت دو متضاد باتوں پر مبنی ہے اور ایک ہی وقت میں ان دونوں باتوں کا پیش کرنا ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ اگر قادیان اور ننکانہ کے بارہ میں کوئی سمجھوتہ ہو رہا ہے تو کشمیر کے سوال کو اس میں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر قادیان کے بدلہ میں سر ظفر اللہ خان کشمیر فروخت کر رہے تھے تو پھر ننکانہ کا بیچ میں کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور میرے کراچی جا کر قائداعظم اور محترم لیاقت علی خان صاحب [۳۸] سے ملنے کا کیا مطلب؟ دونوں باتوں میں سے ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے دونوں تو صحیح نہیں ہو سکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں اور بِالبداہت غلط ہیں۔ میں ان دونوں باتوں کو الگ الگ لیتا ہوں اور اس حد تک حقیقت پر سے پردہ اُٹھاتا ہوں جس حد تک پردہ اُٹھانا پاکستان کے لئے مضر نہیں۔ بعض باتیں ایسی ہیں کہ اگر میں ظاہر کروں تو ان دونوں الزاموں کی لغویت اور بھی ظاہر ہو جائے گی لیکن میں پاکستان کی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو بیان نہیں کروں گا اور میرے نزدیک جن لوگوں نے ''پرتاب'' جیسے اخبار میں یہ خبر پڑھ کر اسے سچا قرار دیا ہے، اُنہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے مسلمان اخبار ''پرتاب'' اور ''ملاپ'' کی سپیشلوں پر ہنسی اُڑاتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اسی ''پرتاب'' کی ایک ایسی خبر جو بِالبداہت غلط ہے بغیر تحقیق کے قبول کر لی گئی ہے حالانکہ قرآن کریم میں صاف حکم موجود ہے کہ بے اعتبار لوگوں کی طرف سے جو بات اُڑائی جائے اُسے تحقیق کے بغیر قبول نہیں کرنا چاہئے۔ [۳۹]

شاید میں کوئی سرکاری راز ظاہر کرنے والا نہیں بنوں گا اگر میں اتنا ظاہر کر دوں کہ پاکستان اور ہندوستان یونین میں مذہبی مقامات کی حفاظت کے متعلق گفت وشنید ہو رہی ہے یہ گفت وشنید نومبر سے شروع ہے جب کہ سر ظفر اللہ خان کی منسٹری کا سوال بھی پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ سر ظفر اللہ خان ہندوستان سے باہر تھے۔ اس گفت وشنید کی ابتداء بھی پاکستان کی طرف سے نہیں ہوئی کہ اس میں احمدیہ جماعت کا کوئی دخل سمجھا جائے یہ مسئلہ پہلے اشاروں اشاروں میں انڈین یونین نے چھیڑا اور پھر غالباً دسمبر میں جب کہ ابھی سر ظفر اللہ خان منسٹر مقرر نہیں ہوئے تھے انڈین یونین نے پاکستان گورنمنٹ کے سامنے اس مسئلہ کو باقاعدہ طور پر پیش کیا۔ اس کا ایک حصہ اخبارات میں آچکا ہے اور وہ یہ ہے کہ ننکانہ میں جلسہ کرنے کی اجازت پاکستان گورنمنٹ سے ہندوستان یونین نے طلب کی اس کا جواب دینا پاکستان گورنمنٹ کیلئے بہت مشکل تھا۔ اگر وہ اس بات کو مان لیتے تو اس وقت کے حالات کے مطابق خطرہ تھا کہ کسی سکیم کے ماتحت اس جلسہ کو حملہ کا ذریعہ بنا لیا جاتا۔ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو جماعت احمدیہ نے پاکستانی حکومت کو اس مشکل سے بچانے کیلئے یہ درخواست دی کہ ہمارے سالانہ جلسہ کے دن بھی قریب ہیں ہمیں بھی قادیان میں جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے اور جو سہولتیں ننکانہ میں

سکھ مانگتے ہیں وہی سہولتیں قادیان کے جلسہ کے لئے انڈین یونین دے۔ ہم نے صرف پاکستان سے ہی یہ درخواست نہ کی بلکہ انڈین یونین سے بھی یہی مطالبہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انڈین یونین اپنے مطالبہ پر اصرار کرنے سے باز آ گئی کیونکہ یہ بالمقابل کا مطالبہ ان کی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ کو معلوم ہوا کہ انڈین یونین نے ننکانہ کی حفاظت کا سوال اُٹھایا ہے اور پاکستان حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ وہاں سکھوں کو رہنے کی اجازت دے اور گوردوارہ کے ساتھ جتنی جائداد ہے وہ سکھوں کو واپس دے دی جائے، ورنہ سکھ آپے سے باہر ہو جائیں گے جب ہمیں کسی ذریعہ سے اس مطالبہ کی خبر معلوم ہوئی تو جماعت احمدیہ نے فوراً پاکستان کے بعض حُکّام کو توجہ دلائی کہ اُنہیں بھی ایسا ہی مطالبہ سرہند، قادیان اور دیگر مقامات مقدسہ کے متعلق کر دینا چاہئے اور قادیان کی طرف سے ایسا مطالبہ ہم نے تحریری طور پر پیش بھی کر دیا۔ پاکستان گورنمنٹ نے دوسرے اسلامی مقدس مقامات کی بھی لسٹیں جمع کرنی شروع کیں اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے قادیان کے ساتھ تین چار اور مقدس مقامات کی لسٹ بھی اب تک تیار ہو چکی ہے اور ابھی اس لسٹ کی تیاری کا کام جاری ہے۔ جب انڈین یونین اپنے مطالبہ کو باقاعدہ طور پر پیش کرے گی تو جہاں تک ہمارا علم ہے پاکستان بھی مختلف اسلامی فرقوں کے مقدس مقامات کی فہرست پیش کرے گا اور مطالبہ کرے گا کہ دونوں فریقوں کے ساتھ ایک سا سلوک ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی گفت وشنید میں اس سے زیادہ مؤثر دلیل اور کوئی نہیں ہوا کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو انڈین یونین اپنے مطالبہ کو واپس لے لے گی یا وہ پھر مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے حقوق کو بھی تسلیم کرے گی جن میں سے قادیان کا مطالبہ صرف ایک جزو ہے کُل نہیں، اصل مطالبہ تمام اسلامی فرقوں کے مقدس مقامات پر مشتمل ہوگا۔ جہاں تک ہمارا علم ہے اب تک انڈین یونین کی طرف سے آخری مطالبہ اس بارہ میں نہیں ہوا اس لئے پاکستان گورنمنٹ ابھی مسلمانوں کے مطالبات کو جمع کر رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ ''پرتاب'' کی غلط خبر پر بعض مسلمان اخبار گھبراہٹ کا اظہار کرتے، چاہئے یہ تھا کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو بیدار کیا جاتا کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کے مقدس مقامات کی پاکستان حکومت کو اطلاع دیں۔ اس کے بعد پاکستان حکومت ان میں سے ایسے مقامات کو منتخب

کر لیتی جو اِس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ اُنہیں اس گفت وشنید میں شامل کیا جانا چاہئے ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مس مردولا سارا بائی کے ذریعہ سے کوئی معاہدہ کرانے کی احمدیہ جماعت نے کوشش کی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نہ مس سارا بائی کوئی سیاسی اختیار رکھتی ہے نہ جماعت احمدیہ کوئی سیاسی اقتدار رکھتی ہے۔ مس سارا بائی مجھے ملی تھیں اوران کے ساتھ مسٹر پنجا جی ڈپٹی ہائی کمشنر بھی تھے۔ اُس وقت اُنہوں نے بعض مظالم کا ذکر کیا تھا جو اُن کے نزدیک مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر ہو رہے تھے اور مَیں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ اپنی حکومت کی فکر کریں۔ مشرقی پنجاب میں رہنے والے مسلمان انڈین یونین کی رعایا ہیں وہ ان کی فکر تو کرتی نہیں اور مغربی پنجاب کے رہنے والے لوگوں کی جو پاکستان کی رعایا ہیں فکر کر رہی ہے۔ اس کے بعد مقدس مقامات کا ذکر شروع ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کی حکومت ننکانہ وغیرہ کے متعلق تو مطالبات کرتی ہے وہ احمدیوں کو قادیان میں حق کیوں نہیں دیتی حالانکہ مطالبہ انصاف پر مبنی ہونا چاہئے اور دونوں فریق سے یکساں سلوک ہونا چاہئے۔ شاید میری پہلی بات سے متأثر ہو کر مس سارا بائی نے اِس کے جواب میں کہا کہ ننکانہ کے سوال کو جانے دیں پاکستان کچھ کرے، انڈین یونین قادیان میں احمدیوں کو آباد کرائے گی۔ مس سارا بائی کی ملاقات غیر رسمی تھی چنانچہ ان کے لاہور سے جانے کے بعد ان کی طرف سے کوئی اطلاع ہمیں نہیں ملی اور نہ ہم امید وار تھے کہ وہ کوئی اطلاع ہمیں دیں گی کیونکہ نہ وہ انڈین یونین کی نمائندہ تھیں اور نہ کسی قسم کے فیصلہ کا ان کو اختیار تھا مگر اس گفتگو سے ظاہر ہے کہ سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ مس سبارا بائی نے خود کہا کہ یہ سوال جانے دیں کہ پاکستان کی حکومت سکھوں اور ہندوؤں کے مقدس مقامات سے کیا سلوک کرے گی۔ انڈین یونین ہر حال اپنے علاقہ کے لوگوں سے انصاف کا سلوک کرے گی اور قادیان میں احمدی بسائے گی۔ یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ مس سارا بائی نے قادیان جا کر اِس قسم کی کوشش کی بھی تھی گو وہ میری ملاقات سے پہلے کی بات ہے۔

ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ نہ حکومتِ پاکستان ہے نہ وہ پاکستان کی اکثریت ہے کہ کسی سے پاکستان کی کوئی چیز دِلوانے کا وہ وعدہ کر سکے اور جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ اُس محکمہ سے جو یہ کام کر رہا ہے سر ظفر اللہ سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں اِس کام سے تعلق رکھنے

والے محکمہ کا مرکز لاہور ہے اور اس کا انچارج ایک دوسرا منسٹر ہے جو نہایت دیانتداری سے بلا تفریق مذہب وملت پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کوشش کر رہا ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ مَیں کراچی اس غرض کے لئے گیا تھا کہ قائداعظم اور محترم لیاقت علی خان سے مل کر اس تجویز کی منظوری لوں خدا تعالیٰ نے اِس الزام کو اِس طرح جھوٹا کر دیا ہے کہ باوجود اِس کے کہ مجھ سے بعض لوگوں نے خواہش کی کہ مَیں قائداعظم سے ملوں اور بعض امور کا جن کو وہ نہایت اہم سمجھتے تھے اور جن کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اُن کے بارہ میں میرے خیالات صحیح ہیں تذکرہ قائداعظم سے کروں۔ میں نے اِس بات سے انکار کیا اور اُن سے کہا کہ قائداعظم پر آجکل جو ذمہ داریاں ہیں اُن کے ہوتے ہوئے غالباً میرا اُن سے ملنے کی کوشش کرنا شاید درست نہ ہوگا اور شاید مفید بھی نہ ہو۔ غرض کراچی کے قیام کے دوران میں نہ مَیں قائداعظم سے ملا نہ محترم لیاقت علی خان سے اور نہ مَیں نے اُن سے ملنے کیلئے درخواست کی۔ قائداعظم سے جو لوگ ملتے ہیں گورنمنٹ کے اعلانوں میں اُن کے نام شائع ہوتے رہتے ہیں چونکہ یہ معترضانہ مضامین میری واپسی پر لکھے گئے ہیں اُس وقت تک ہر اخبار نویس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نہ مَیں قائداعظم سے ملا ہوں نہ محترم لیاقت علی خان سے ملا ہوں۔ پس پرتاب کا جھوٹ اُن پر کھل چکا تھا۔ مزید یہ کہ مَیں سفر کراچی میں کسی اور وزیر سے بھی نہیں ملا۔ صرف ایک دعوت میں وزیرخزانہ سے مَیں نے مصافحہ کیا ہے وہ دعوت میں آئے تھے اور کھانے کے کمرہ سے نکلتے وقت دروازہ میں ایک دوست نے ہمیں آپس میں انٹروڈیوس کرایا تھا۔

قادیان اور مسئلہ کشمیر

اَب میں اعتراضات کے دوسرے حصہ کو لیتا ہوں جو یہ ہے کہ سر ظفر اللہ نے مسٹر آئنگر سے کوئی سمجھوتہ کیا ہے کہ قادیان احمدیوں کو مل جائے تو کشمیر کے بارہ میں وہ زور نہیں دیں گے۔ مجھے تعجب ہے کہ کوئی ذمہ دار آدمی بھی یہ بات کس طرح لکھ سکتا ہے۔ وزارت کا عہدہ بے شک بڑا عہدہ ہے لیکن کوئی وزیر بھی اپنی طرف سے کوئی معاہدہ نہیں کر سکتا جب تک کیبنٹ اس کی رضا مندی نہ دے۔ سر ظفر اللہ باوجود وزیرخارجہ ہونے کے سیکیورٹی کونسل یا انڈین یونین کی کوئی اہم بات نہیں مان سکتے جب تک پاکستان کی حکومت اس کی تصدیق نہ کرے۔ قادیان کے بِالمقابل کشمیر دینے کی رضامندی

سر ظفر اللہ نہیں دے سکتے اور سیکیورٹی کونسل اگر اس سوال میں پاکستان حکومت کے خلاف بھی فیصلہ کر دے تو بھی پاکستان گورنمنٹ اُس کے ماننے یا نہ ماننے میں آزاد ہے پھر سر ظفر اللہ کیا کر سکتے ہیں اگر وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے تو پھر اس کا الزام صرف اُن پر نہیں ہوگا بلکہ قائداعظم اور ساری کیبنٹ پر بھی ہوگا۔ الزام لگانے والوں کو یا تو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ قائداعظم اور اُن کی ساری کیبنٹ بھی اندر سے 'مرزائی' ہے اور یا اُن کو یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ یہ الزام سراسر غلط اور ناواجب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسئلہ قادیان سے وابستہ نہیں۔ قادیان سے امریکنوں، فرانسیسیوں، چینیوں، کینیڈا اور بیلجیئم والوں کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ سیکیورٹی کونسل کے گیارہ ممبر احمدی نہیں وہ دنیا کی گیارہ حکومتوں کے نمائندے ہیں۔ کیا کوئی عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب تک قادیان کے بارہ میں انڈین یونین سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں تھی اُس وقت تک امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، فرانس، بیلجیئم اور چین ہندوستان یونین کی مخالفت کر رہے تھے لیکن جونہی انڈین یونین قادیان احمدیوں کو دینے پر تیار ہوگئی (جس کے ظاہر میں کوئی آثار نظر نہیں آتے) فوراً اِن سب حکومتوں نے اپنے پولیٹکل مفاد کو بھلا دیا اور انڈین یونین کی تائید کرنے لگ گئیں گویا پاکستان کے گورنر جنرل اور پاکستان کی وزارت ہی اندرونی طور پر 'مرزائی'' نہیں بلکہ دنیا کی بہت سی حکومتیں اور اُن کی وزارتیں بھی اندرونی طور پر 'مرزائی'' ہیں۔ قادیان کی واگزاری کا معاملہ آیا اور سب نے ہتھیار پھینک دیئے اور اپنے تمام سیاسی فوائد قربان کرنے پر تیار ہوگئے جن کی وجہ سے وہ پہلے انڈین یونین کی مخالفت کر رہے تھے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مَیں جب کراچی میں تھا تو ایک پریس کانفرنس کے دوران میں مجھ سے پریس کے بعض نمائندوں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ سیکیورٹی کونسل کشمیر کے مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ کرے گی؟ مَیں نے اُنہیں جواب دیا کہ میرے خیال میں سیکیورٹی کونسل کا فیصلہ عقل اور انصاف پر مبنی نہیں ہوگا بلکہ جو فریق اُن کی جھولی میں زیادہ خیرات ڈالے گا وہ اُس کے حق میں ووٹ دیں گے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ میرے خیال میں انڈین یونین نے اُن کی جھولیوں میں

کچھ ڈال دیا ہے اس لئے مجھے اچھے آثار نظر نہیں آتے۔ پریس کے ایک نمائندہ نے کہا کہ پھر آپ سر ظفر اللہ کو تار کیوں نہیں دیتے؟ مَیں نے جواباً کہا کہ سر ظفر اللہ میرے ملازم نہیں بلکہ پاکستان حکومت کے ملازم ہیں اُن کی ملازمت کی ذمہ داریوں میں دخل دینا میرے لئے ہرگز جائز نہیں۔ یہ پاکستان حکومت کا کام ہے کہ وہ اُن کو مشورہ دے کہ اس موقع پر اُن کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

یو۔این۔او میں کشمیر کے مسئلہ نے جو ایک نئی صورت اختیار کی ہے میرے نزدیک اس کا جواب فلسطین اور جیوٹ یعنی سن کلڑا ہیں۔ دنیا کی تجارت سَن کی بوریوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ سَن ۸۰ فیصد مشرقی پاکستان میں پیدا ہوتی ہے لیکن بوریاں سَو فیصدی مغربی بنگال میں بنتی ہیں۔ دنیا کے چند ممالک کے سوا جو خام سَن منگوا کر اور وہ بھی پکی بیلز کی صورت میں اپنے ملک میں بوریاں بنواتے ہیں باقی سارے ممالک ہندوستان سے بوریاں خریدتے ہیں اکثر زرعی اور خوردنی اجناس ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف بغیر بوریوں کے منتقل نہیں کی جاسکتیں۔ پاکستان بوریاں نہیں دے سکتا، ہندوستان بوریاں دے سکتا ہے۔ حال ہی میں ارجنٹائن نے بوریوں کا معاہدہ ہندوستان سے کیا ہے اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پہلے وہ پاکستان کے حق میں تھا اب وہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اسی طرح اور مُلکوں کو بھی ضرورت ہے چونکہ خام سَن دوسرے ملکوں میں نہیں جاسکتی اور اکثر پکی بیلز اور تمام سَن کی بوریاں کلکتہ ہی کے اِردگرد تیار ہوتی ہیں اس لئے پاکستان مجبور ہے کہ وہ اپنی سَن مغربی بنگال کی طرف جانے دے۔ پاکستان نے ایسی سَن پر برآمد کا محصول لگا دیا ہے مگر اس محصول سے روپیہ ہی ملے گا سیاسی فائدہ تو نہیں ملے گا۔ سیاسی فائدہ تو بہرحال انڈین یونین ہی اُٹھائے گی جو پکی بیلز بنائے گی اور بوریاں بھی بنائے گی۔

دوسری وجہ اِس پانسہ کے پلٹنے کی یہ ہے کہ فلسطین کے خلاف فیصلہ کرنے کے بعد مغربی حکومتوں نے محسوس کیا کہ مسلمان اُن کی طرف سے ہٹ رہے ہیں اس لئے اُنہوں نے کشمیر کے معاملہ میں مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کی لیکن اِس عرصہ میں اُنہیں معلوم ہوگیا کہ فلسطین کے معاملہ میں اُنہوں نے جو فیصلہ کیا تھا اُس سے روس کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ قابل عمل بھی نہیں۔ اِس وجہ سے اُنہوں نے اس فیصلہ میں بظاہر تبدیلی کرنے کا فیصلہ کر لیا (بظاہر اس لئے کہ

بعد میں یہ فیصلہ دھوکا ثابت ہوگا۔ مَیں اِس چال کو سمجھتا ہوں) اور اس طرح اسلامی عالَم کو اپنے ساتھ ملانے کی ایک تدبیر پیدا کر لی۔ اِن حالات میں اُنہوں نے محسوس کیا کہ عرب اپنی کامیابی کی وجہ سے پاکستان کی مصیبت کو اتنا محسوس نہیں کرے گا۔ پس اب اُنہیں انڈین یونین کو خوش کر دینا چاہئے حقیقتاً کشمیر کی تائید فلسطین کے فیصلہ کی وجہ سے تھی اور اب اس کی مخالفت فلسطین کے فیصلہ کے بدلنے اور سَن کی بوریاں حاصل کرنے کیلئے ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے فوائد اور بھی ہیں مگر بڑی باتیں یہ دو ہی ہیں۔ ایک بڑی بات یہ بھی پیدا ہوگئی ہے بلکہ پیدا کی گئی ہے کہ ایسے اوقات میں اس سوال کو دوبارہ پیش کیا گیا ہے جب کہ چین کا نمائندہ جو شروع سے انڈین یونین کا ہمدرد تھا سیکیورٹی کونسل کا صدر ہے۔

میرے نزدیک پاکستان حکومت کو اپنے وفد پر یہ زور دینا چاہئے کہ سرِ دست وہ واپس آ جائے اور وزارت سے بِالمشافہ گفتگو کے بعد نئی پالیسی طے کرے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس فتنہ سے بچنے کی راہیں نکل سکتی ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ ایک نہایت ہی نازک مسئلہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میرے نزدیک اب بھی یہ مسئلہ کامیابی کے ساتھ طے کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے جن میں سے ایک مسلمانوں کے اختیار میں ہے اور ایک بڑی حد تک غیروں کے اختیار میں ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ دونوں مشکلات دُور کی جا سکتی ہیں اور کشمیر پاکستان کے ساتھ مل سکتا ہے لیکن سیاسی مصلحتیں اِس بات کی اجازت نہیں دیتیں کہ مَیں اُن باتوں کا ذکر کروں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سوال حل کیا جا سکتا ہے لیکن میرا یقین کوئی قیمت نہیں رکھتا کیونکہ نہ اِس معاملہ میں میرا دخل ہے نہ میری آواز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے۔ جو اِس مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے اور دوسری صف کے اثر رکھنے والے اشخاص ہیں میں نے اُن سے اِن باتوں کے متعلق گفتگو کی ہے اور وہ میرے خیال سے متفق ہیں لیکن فیصلہ وہی کر سکتے ہیں جن کے ہاتھ میں اختیار ہے اور دوسرے لوگوں کا غور اور فکر خواہ درست بھی ہو جب تک قبول نہ کر لیا جائے اس سے فائدہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بات یقینی ہے اور اس میں شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ اگر کشمیر پاکستان کے ہاتھ سے گیا تو پاکستان بھی گیا۔ پس مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہئے اور صحیح طور پر اُسے ادا کرنے کی کوشش کرنی

چاہئے۔ اِس سلسلہ میں بعض نہایت اہم اور نئے خطرات بھی پیدا ہو رہے ہیں مگر سیاسی مصالح مجھے ان خطرات کے متعلق کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیتیں اگر وہ خطرات زیادہ معین صورت اختیار کر گئے تو پاکستان کو مصیبت کے ایک نئے دور میں سے گزرنا پڑے گا۔ ہم خدا تعالیٰ سے یہی امید کرتے ہیں کہ وہ ان مصیبتوں سے پاکستان کو بچائے گا اور اگر وہ آ ہی پڑیں تو ان کے مقابلہ میں اسے کامیاب کرے گا لیکن ہمیں اپنی ذمہ داریاں بھلا نہیں دینی چاہئیں۔ اِس وقت ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ دانتوں میں زبان دے کر انتہائی جدوجہد کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ افسوس کہ حکومت کی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں سمجھتا ہوں کہ مجھے اِس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہئے۔

(الفضل لاہور ۲۳ / مارچ ۱۹۴۸ء)

---

۱ کاکلوں:

۲ **منجدھار:** سمندر یا دریا کے بیچ کی دھار۔ مصیبت۔ عین مصیبت کی جگہ

۳ **کفگیر:** ڈنڈی والا بڑا چمچہ

۴ **الاحزاب:** ۱۱ تا ۱۴

۵ **ماؤنٹ بیٹن لارڈ:** (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۹ء) پہلا ارل برطانوی منتظم وائسرائے ہند و گورنر جنرل بھارت۔ یہ ملکہ وکٹوریہ کا بیٹا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں بحریہ میں بھرتی ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۲ء میں فوجی نقل وحمل کے سلسلے میں مشترکہ فوجوں کا سربراہ اور ۱۹۴۳ء میں جنوب مشرقی ایشیا میں کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ ۱۹۴۴ء۔ ۱۹۴۵ء میں اسے برما کو دوبارہ فتح کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں اس نے سنگاپور میں جاپانی فوجوں سے ہتھیار ڈلوائے۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کا آخری وائسرائے بنا۔ ۵/اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے بعد جون ۱۹۴۸ء تک بھارت کا پہلا گورنر جنرل رہا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۷۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۶ متی باب ۵ آیت ۳۹۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۷

۸۔ **ابن مسعود عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آل سعود۔** معروف ابن مسعود۔ (۱۸۸۱ء۔۱۹۵۳ء) دولتِ عربیہ سعودیہ کا بانی۔ صیہونیت کے خلاف عربی تحریک کا قائد۔ نجد کی آبائی سلطنت اُس وقت چھن چکی تھی جب عبد العزیز آٹھ سال کا تھا چند سال بہ حالت جلاوطنی کویت میں گزارے۔ ۱۹۰۱ء میں صرف دس آدمیوں کو ساتھ لے کر ریاض کو فتح کیا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا کئی اور اہم علاقے حاصل کئے اور شاہِ حسین ابن علی کو شکست دے کر حجاز پر بالا دستی حاصل کی اس طرح ابن سعود عرب کا سب سے بڑا فرمانروا بن گیا پوری سلطنت کا نام دولت عربیہ سعودیہ قرار دیا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۶۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۹۔ **کمال اتاترک** (۱۸۸۱ء۔۱۹۳۸ء) ترک رہنما۔ جدید ترکیہ کے بانی۔ ۱۹۳۴ء سے قبل مصطفیٰ کمال پاشا کے نام سے مشہور تھے۔ نوجوان ترکوں کے انقلاب میں حصہ لیا۔ پہلی عالمی جنگ میں امتیاز حاصل کیا اور ترکیہ کی شکست کے بعد مشرقی اناطولیہ میں قوم پرور جماعت اور فوج کو منظّم کیا۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۸ء تک ترکی کے صدر رہے۔ ان کے عہد میں انقلابی اصلاحات نافذ ہوئیں نیز ترکی زبان کے لئے عربی کی بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۶۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۰۔ **نپولین شاہ فرانس** (۱۷۶۹ء۔۱۸۲۱ء) وینڈیمیئر (Vendemiaire) کی بغاوت (۱۷۹۵ء) میں اس کے زبردست اقدام نے اسے وقت کی اہم ترین شخصیت بنا دیا۔ اطالوی مہم کے قائد کی حیثیت سے اس نے پست ہمت، فاقہ زدہ سپاہیوں کو ایک ناقابلِ تسخیر فوج بنا دیا۔ مسلسل بروقت اقدامات سے نپولین نے افراطِ زر کا تدارک کیا۔ کلیسیا سے صلح کی۔ ایک نیا آئینی ضابطہ وضع کیا۔ ۱۸۰۴ء میں اس نے شہنشاہ فرانس اور ۱۸۰۵ء میں شاہ اٹلی ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۲؍اپریل ۱۸۱۴ء کو تخت سے دست بردار ہوا۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۷۰۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۱۔ **جارج واشنگٹن** (Washington George) (۱۷۳۲ء۔۱۷۹۹ء) امریکہ کا پہلا صدر اور بابائے امریکہ۔ باپ کا نام آگسٹین اور دادا کا نام واشنگٹن تھا۔ وہ ۱۶۵۷ء میں

سلگریو (Sulgrave) سے ہجرت کر کے امریکہ چلا گیا۔۱۷۴۳ء میں والد کا انتقال ہو گیا۔۱۷۵۵ء تا ۱۷۵۸ء مسلسل فرانسیسیوں کے خلاف جنگ لڑی۔اس کی کوششوں سے ۱۷۸۳ء میں برطانوی افواج کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔۱۷۸۹ء تا ۱۷۹۷ء امریکہ کے صدر رہے۔(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۷۸۳ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۲؎ **ہٹلر** (Hitler Adolf) (۱۸۸۹ء۔۱۹۴۵ء) جرمنی کا آمر مطلق نازی پارٹی کا بانی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد چند شورش پسندوں سے مل کر میونخ میں نازی مزدور پارٹی کی بنیاد رکھی۔۱۹۳۳ء میں اسے آمریت کے اختیارات سونپ دیئے گئے۔ہٹلر جرمنی کے تمام شعبوں کا مختار بن گیا۔ نازی پارٹی کے مخالفین کو کچل دیا گیا۔ اس کی پالیساں بِالآخر دوسری عالمی جنگ پر منتج ہوئیں۔۱۹۴۱ء میں روس کے محاذ پر ہٹلر نے جنگ کی خود کمان کی۔(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۸۴۶ء مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۳؎ **گوئرنگ** (Goering) (۱۸۹۳ء۔۱۹۴۶ء) جرمنی کا نازی لیڈر پہلی عالمی جنگ میں فضائی فوج کا ہیرو۔شروع میں ہی نازیوں کے ساتھ مل گیا۔۱۹۳۳ء میں جرمنی کا وزیر محکمہ پرواز اور پروشیا (Prussia) کا وزیر اعظم۔خفیہ پولیس کی بنیاد اسی نے رکھی جس کا ۱۹۳۶ء تک سربراہ رہا۔ جرمنی کا معاشی نظام آمرانہ اختیارات سے چلایا۔ہٹلر نے اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔دوسری عالمی جنگ میں ہمہ گیر فضائی جنگ کا ذمہ دار تھا۔۱۹۴۵ء میں امریکی فوج کے آگے ہتھیار ڈالے۔جنگی جرائم میں سب سے بڑا ملزم ثابت ہونے پر سزائے موت پائی مگر پھانسی سے قبل خودکشی کر لی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد۲ صفحہ ۱۲۹۴۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۴؎ **ٹیریٹوریل فورس:** (Territorial Force) برطانیہ کی ایک رضا کار ہنگامی فوج

۱۵؎ **پیٹرن** (Patron)۔مربی، سرپرست، حامی

۱۶؎ **پٹیل۔ولبھ بھائی** (Vallabhai Patel) (۱۸۷۶ء۔۱۹۵۰ء) بھارتی سیاست دان۔ انگلستان میں بیرسٹری کی سند لی اور واپسی پر بحیثیت وکیل فوجداری کامیاب وکالت کی۔ ۱۹۱۵ء میں گاندھی صاحب سے ملاقات کے بعد پٹیل تھوڑے ہی عرصہ میں قوم پرست اور

انڈین نیشنل کانگرس کا رُکن بن گیا۔ کئی بار جیل کی صعوبتیں اُٹھائیں۔ وہ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۸ء میں احمد آباد میں رئیس بلدیہ رہا اور ۱۹۳۱ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا صدر بنا۔ ۱۹۴۷ء میں نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ بنا اور وفات تک ان عہدوں پر فائز رہا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۳۲۳۔ ۳۲۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۷؎ **اکبر، جلال الدین محمد بن ہمایوں** (۱۵/ اکتوبر ۱۵۴۲ء۔ ۱۶/ اکتوبر ۱۶۰۵) اکبر کے انتظامات سلطنت ہند سنبھالتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ راجپوتانے کے اکثر راجہ خود ہی فرمانبردار ہوگئے۔ صرف میواڑ نے مقابلے کی ٹھانی اور نقصان اُٹھایا۔ اس نے سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں یکساں نظام جاری کیا۔ اس کے عہد میں علوم وفنون نے بے حد ترقی کی۔ ایران کے بڑے بڑے شاعر یہاں آئے اور اعلیٰ منصب پائے۔ اس کا شمار دنیا کے بڑے بادشاہوں میں ہوتا ہے۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۱۸؎ **سید احمد سرھندی** (۲۶/ جون ۱۵۶۴ء۔ ۱۰/ دسمبر ۱۶۲۴ء) برصغیر کے ممتاز عالم دین۔ پیدائش سرہند کنیت ابوالبرکات۔ لقب بدرالدین اور نام شیخ احمد تھا۔ شجرۂ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی اور قرآن حفظ کیا۔ پھر مولانا کمال کشمیری اور مولانا یعقوب کشمیری سے فیض حاصل کیا اور فقہ اور حدیث پر عبور حاصل کیا۔ سترہ برس کی عمر میں درس وتدریس شروع کی۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں متعدد رسالے رکھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب نے جلد ہی انہیں خلافت سے نوازا۔ انہوں نے اکبر اعظم کے خودساختہ دین الٰہی کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کیا اور اسی وجہ سے ایک سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۲۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۱۹؎ **سید احمد شہید۔ بریلوی** (۱۷۸۶ء۔ ۱۸۳۱ء) ان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسینؑ تک جاتا ہے۔ بالغ ہو کر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دہلی میں اور ہندوستان کے مختلف شہروں میں تبلیغ وتربیت کا کام کیا۔ ۱۸۲۱ء میں حج کیا اور عرب میں

قیام کر کے عرب ممالک میں دعوتِ دین حق کا کام کیا۔ سکھوں نے مسلمان عورتوں کو جبراً سکھ بنا کر محبوس کرنا شروع کیا تو اس بات کا علم ہونے پر آپ نے سکھوں سے جہاد کا اعلان کیا۔ ۲۱ ؍دسمبر ۱۸۲۶ء میں زبردست جنگ میں سینکڑوں سکھ مارے گئے۔ مسلمان غداروں کو سکھوں نے اپنے ساتھ ملا لیا اور آپ نے ۶ ؍مئی ۱۸۳۱ء کے آخری معرکہ میں بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۸۰۹۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۲۰؎ **عبدالغفار خان** (۱۸۸۱ء۔ ۱۹۸۸ء) صوبہ سرحد کے سیاسی رہنما اور سرخ پوش تحریک کے بانی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جب حکومت کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو وہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ اس بناء پر انہیں تین سال قید کی سزا سنائی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں افغان جرگہ اور سرخ پوش تحریک کی بنیاد رکھی۔ یہ تحریک عام طور پر خدائی خدمت گار کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے خلاف ساز باز کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں کابل چلے گئے اور اسے اپنا صدر مقام بنایا۔ ۱۵ ؍نومبر ۱۹۶۹ء کو انہیں بھارتی حکومت نے جواہر لال نہرو انعام سے نوازا۔ سیاسی راہنما عبدالولی خان ان کے بیٹے ہیں۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۹۶۴۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۲۱؎ **پرارتھنا:** حمد، مناجات، التجا کرنا

۲۲؎ **ڈومینین** (Dominion) سلطنت یا عملداری۔ ہر ایسا مُلک جو اپنے داخلی معاملات میں آزاد ہو۔

۲۳؎ **لنڈورے:** لنڈورا۔ دُم کٹا۔ بے بس

۲۴؎ **ایٹلی کلیمنٹ رچرڈ** (Clement Richard Attlee) (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۶۷ء) برطانوی سیاستدان اور لیبر پارٹی کا لیڈر۔ ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۹ء کی لیبر حکومتوں میں شامل رہا۔ ۱۹۳۵ء میں پارٹی کا لیڈر بنا۔ زمانۂ جنگ کی مخلوط وزارت میں نائب وزیر اعظم تھا۔ ۱۹۴۵ء میں پاسٹڈیم کانفرس میں شرکت کے وقت وزیر اعظم بن گیا۔ اس کی حکومت نے بیشتر صنعتوں کو قومی بنا دیا۔ قومی اصول پر طبی امداد کا آغاز کیا۔ فلسطین کی حکمداری اور

ہندوستان پر تصرف ختم کر دیا۔امریکہ سے تعلقات اُستوار کئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ا صفحہ ۱۶۷۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۲۵؎ **آویزش:** چپقلش،لڑائی،فساد

۲۶؎ **اربابِ حل وعقد:** حکومت کے معاملات میں تصرف وتسلط رکھنے والے لوگ۔

۲۷؎ **کتر وبیونت:** کانٹ چھانٹ،تراش خراش

۲۸؎ **یوسف:** ۱۰۹

۲۹؎ **لن ترانیاں:** شیخیاں،ڈینگیں

۳۰؎ **غضنفر علی خان راجا:** ۱۸۹۴ء کو پنڈ دادنخان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔اپریل ۱۹۶۳ء میں وفات پائی ان کا مقبرہ بھی پنڈ دادنخان میں ہے۔یہ ایک معزز راجپوت گھرانے کے فرد تھے۔گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔۱۹۲۳ء میں ہندوستان کی مرکزی مجلس وضع قانون کے رُکن بنے۔۱۹۳۳ء میں کونسل آف سٹیٹ کے رُکن بنے۔کچھ مدت مہاراجہ الور کے وزیر بھی رہے۔۱۹۳۷ء میں پنجاب کی مجلس وضع قانون کے رُکن رہے اور پارلیمنٹری سیکرٹری بنے۔۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسی مجلس کے رُکن ہوئے۔قیامِ پاکستان کے بعد وہ پہلے وزیر زراعت وخوراک وصحت بنے۔پھر وزیر مہاجرین وبحالیات،پھر عراق وایران میں سفیر اور پھر ہندوستان میں ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۱۔مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۱؎ **لَایَنْحَلُ:** جو حل نہ ہو سکے۔مشکل

۳۲؎ **بالشویک:** لفظی معنی زیادہ بڑا۔روس کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا رُکن۔انتہا پسند اشتراکی انقلاب پسند۔

۳۳؎ **وِلسن۔وُڈرو** (Woodrow Willson) (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۴ء) امریکہ کا صدر ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۱ء تک رہا۔۱۹۰۲ء سے ۱۹۱۰ء پرنسٹن یونیورسٹی کا صدر رہا۔۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۳ء نیوجرسی کا گورنر رہا۔ولسن دنیا کو جمہوریت کے لئے محفوظ رکھنے کی خاطر جنگ کو

ضروری سمجھتا تھا۔ تصفیہ امن کے لئے چودہ نکات کا خاکہ تیار کیا یہ بہترین امریکی مقرر تھا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۰۷۔ ۱۸۰۸۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۴ **سٹالن:** روسی کمیونسٹ آمر۔ اس کا اصل نام زوگشویلی تھا۔ انقلابی تحریک میں شامل ہونے کے باعث اس نے سٹالن (مردِ آہن) کا لقب اختیار کیا۔ پادری بننے کے لئے تعلیم حاصل کی مگر مارکسی ہوگیا اس لئے درسگاہ سے خارج کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں مالوٹوف کو معزول کر کے وزارتِ عظمیٰ سنبھالی۔ روس پر ہٹلر کے حملہ کے بعد اس نے فوجی قیادت بھی سنبھال لی۔ (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۷۳۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۵ **اوڈیسا:** بحیرہ اسود کے کنارے روس کی اہم بندرگاہ ہے۔ صنعتی مرکز۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں ایک قدیم یونانی نو آبادی کے مقام پر تعمیر ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں اس شہر سے متعدد یہودی نکل گئے۔ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء تک متعدد مملکتیں یکے بعد دیگرے اس پر قابض رہیں۔ آخر بولشویکوں کے قبضہ میں آیا۔ دوسری عالمی جنگ میں رومانیہ اس پر مسلط ہوگیا اور اس نے اسے تباہ کر کے دو لاکھ اسی ہزار شہریوں کو قتل یا جلاوطن کیا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۵۵۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۶ **عنان:** لگام۔ باگ

۳۷ **آئینگر**۔ ایس سر بنواس (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۴۱ء) ہندوؤں کے مذہبی اور رواجی قوانین کا ماہر۔ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک مدراس یونیورسٹی کی سینٹ کا ممبر اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء تک مدراس سوشل ریفارم سوسائٹی کا صدر رہا۔ اسی عرصہ میں ایڈووکیٹ جنرل ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں سی۔ آئی۔ ای کے خطاب اور قانون ساز کونسل کی رُکنیت سے دستبردار ہوگیا۔ مرکزی اسمبلی میں حزب مخالف کا ڈپٹی لیڈر رہا۔ مدراس کانگرس کی کامیابی اسی کے سبب ہوئی۔ سائمن کمیشن کا سرگرم مخالف تھا۔ آزادیٔ ہند لیگ قائم کی اور آزادی کے سوال پر نہرو کمیٹی کی مخالفت کی۔ ۱۹۳۰ء میں سیاست سے دستکش ہوگیا۔
(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۱ صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

۳۸ **لیاقت علی خان** (یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء۔ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۱ء) پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نواب

رستم علی خان کے دوسرے صاحبزادے۔ ۱۹۱۸ء میں ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ پھر انگلستان چلے گئے جہاں سے انہوں نے ۱۹۲۴ء میں اِنرٹمپل (Inner Temple) سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ انگلستان میں قیام کے دوران سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں یوپی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے اور ۱۴ سال تک اس کے رُکن رہے۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بنے۔ ۱۹۴۰ء میں مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی کا رُکن منتخب کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے نمائندہ کے طور پر شملہ کانفرنس میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء میں ہندوستان کے وزیرخزانہ بنے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے پہلے وزیراعظم بنے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء تک وزیرخارجہ بھی رہے۔ ۸/اکتوبر ۱۹۵۰ء مسلم لیگ کے صدر بنے۔ ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک شخص سید اکبر نامی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

(اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء)

۳۹؎ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات: ۷)

۴۰؎ سَن: ایک پودا جس کی چھال سے رسیاں بنتی ہیں۔